570 - ص -
570

متاعِ بے بہا

حافظ لدھیانوی

بیت الادب
۳۴-جی، راجا روڈ۔ گلستان کالونی۔ فیصل آباد

842

Marfat.com

842

متاعِ بے بہا

حافظ لدھیانوی

بیت الادب
۳۴۔جی، راجا روڈ۔ گلستان کالونی۔ فیصل آباد

Marfat.com

53588

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : حافظ سراج الحق

طابع : نقوش پریس، اردو بازار، لاہور

باراوّل : ۱۱۰۰

قیمت : ۴۰ روپے

ملنے کا پتہ :

بیت الادب

۳۴۔جی۔ راجا روڈ۔ گلستان کالونی

فیصل آباد

Marfat.com

842

أَلَآ إِنَّ

أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

صدق الله العظيم

Marfat.com

چراغِ بزمِ رسالت سے مستنیر ہیں سب
اِسی چراغ سے سارے چراغ جلتے ہیں

Marfat.com

842

اولیائے کرام

کے نام ——

Marfat.com

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نِگہ کی تیغ بازی، وُہ سِپہ کی تیغ بازی

— علّامہ اقبالؒ

Marfat.com

842

فہرست

عرضِ مصنّف ۹

حرفِ آغاز — عبدالستّار نعیم ۱۳

حضرتِ اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ۳۵

حضرت پیر سیّد غلام محی الدّین رحمۃ اللہ علیہ (گولڑہ شریف) ۵۸

حضرت مولانا خان محمّد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ۷۴

حضرت سیّد عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۹۱

حضرت مولانا خان محمّد خانقاہ سراجیہ ۱۱۹

مولانا سیّد محمّد عبدالعزیز شرقی ۱۴۰

صوفی حافظ محمّد افضل فقیر ۱۵۷

پروفیسر افتخار احمد چشتی ۱۷۷

پروفیسر مرزا محمّد منوّر ۱۹۳

پروفیسر حفیظ تائب ۲۱۴

Marfat.com

Marfat.com

عرضِ مصنّف

دس مرحوم شعراء کے شخصی خاکوں پر مشتمل میری تصنیف "متاعِ گم گشتہ" ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں جگر مرادآبادی، حفیظ جالندھری، عبدالحمید عدم، احسان دانش، حافظ مظہرالدین، علاؤالدین کلیم، م۔حسن لطیفی، خلیق قریشی، نصیر احمد ناصر اور ساحر لدھیانوی کے شخصی خاکے شامل ہیں۔ ان شعرائے کرام سے میرے برسوں کے دوستانہ، نیازمندانہ تعلّقات تھے۔ مَیں نے ان کی زندگیوں کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ ان کے فن اور شخصیت کے بارے میں "متاعِ گم گشتہ" میں اپنے تاثرات قلمبند کئے۔ اہلِ قلم حضرات نے ان شخصی خاکوں کو ادب میں اضافہ اور انتہائی معلوماتی قرار دیا۔ اخبارات و رسائل میں مقتدر ادبی شخصیتوں نے تبصرے کئے اور مصنّف کو تعریفی کلمات سے نوازا۔

جنابِ مشفق خواجہ جو اس دَور کے عظیم محقّق، نامور ادیب اور شاعر ہیں۔ انہوں نے "متاعِ گم گشتہ" کے دیباچے میں ان الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا "یوں تو اس تحریر کے تمام خاکے کسی نہ کسی اعتبار سے اہمیّت رکھتے ہیں لیکن دو خاکے ایسے ہیں جنہیں اس کتاب کا حاصل کہا جا سکتا ہے اور اُردو کے بہترین خاکوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ پہلا خاکہ ساحر لدھیانوی کا اور دوسرا م۔حسن لطیفی کا ہے۔"

جنابِ مشفق خواجہ نے دیباچے کی آخری چند جملوں میں ان خاکوں کے بارے میں اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے "حافظ لدھیانوی مولوی عبدالحق کے قبیلے سے تعلّق رکھتے ہیں ان کے شخصی خاکوں کی فضا سنجیدہ ہے تاہم پیرایۂ بیان لطافت سے خالی نہیں وہ بڑی شگفتہ نثر

لکھتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے جملوں سے سلسلۂ بیان آگے بڑھاتے ہیں۔ پڑھنے والا پہلے ہی جملے سے ان کے شخصی خاکوں میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور یہ دلچسپی کچھ متعلقہ شخصیت کی وجہ سے اور کچھ حافظ صاحب کے شگفتہ اندازِ بیان کی وجہ سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔

"متاعِ بے بہا" میں بھی وہی اسلوب برقرار رکھا ہے، تحریر کا انداز وہی ہے۔ کیونکہ اس میں پاکانِ بارگاہِ الٰہی کا ذکرِ خیر ہے۔ اس لیے اسلوب نیاز مندانہ اور زیادہ سنجیدہ ہے یہی اس تحریر کا حُسن ہے۔ قارئینِ کرام کسی بزرگ کی مجالس کے تاثرات پڑھتے ہوئے اس مقدس فضا کا مشاہدہ کریں گے اور خود کو اس پاکیزہ فضا میں سانس لیتا ہوا محسوس کریں گے کیونکہ یہ تحریر مشاہداتی ہے اور کسی قسم کے مبالغے سے مبرّا اور پاک ہے۔

"متاعِ بے بہا" علمائے کرام، بزرگانِ عظام، مقربانِ بارگاہِ الٰہی اور اہلِ علم وفضل حضرات کے بارے میں تاثرات اور قلبی واردات کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ان بزرگ ہستیوں کی روحانیت، دینداری، علم وفضل اور روزمرہ زندگی کے نقوش مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔ ان کی بے نفسی، ان کی سادگی، ان کا تقویٰ، ان کی مخلوقِ خدا سے محبت اور تبلیغ کا انداز دیکھا جا سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی مجالس میں شرکت سے جو واردات، جو تاثرات، جو کیفیات میرے قلب وذہن پر مرتب ہوئی ہیں میں نے ان کا ذکر "متاعِ بے بہا" میں کر دیا ہے۔ میں نے محسوسات کو الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے ___ محسوسات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا، خیال کو پیکرِ محسوس بنانا، جذبات کو زبان عطا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ میں اس سعی میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں یہ دیکھنا قاری اور ناقد کا کام ہے۔

انسان روزانہ بیشمار لوگوں سے ملتا ہے، ان سے لین دین کرتا ہے، گفتگو ہوتی ہے، نشست وبرخاست ہوتی ہے مگر ہر ملاقات کے تاثرات وقتی اور لمحاتی ہوتے ہیں، ذہن پہ ان کا دیرپا اثر نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کے نیک بندوں کی مجالس کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، ان سے ملاقات کا رنگ ہی مختلف ہوتا ہے، ان کی صحبت میں گزرے ہوئے چند لمحے ذہن کے اوراق

Marfat.com

پر ابدی نقوش چھوڑ جاتے ہیں، اُن کی صحبت میں گزارا ہُوا ہر لمحہ منزل کا چراغ بن جاتا ہے تنہائی کے لمحات کو سجاتا ہے، زندگی میں خوشگوار انقلاب کا موجب ہوتا ہے، گدازِ قلب کا سبب بنتا ہے، اُن کے قرب سے گناہوں پر ندامت کا احساس، اشکِ غم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ایک ملاقات کے بعد زندگی کی سب سے بڑی خواہش، سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ ان بزرگوں کی پاکیزہ صحبت بار بار میسّر آئے، ان کا قرب نصیب ہوتا رہے، ان کے ارشادات گرامی سے دل کا ظلمت کدہ روحانیت کے نور سے منوّر کرنے کے مواقع میسّر آتے رہیں۔

"متاعِ بے بہا" میں ایسی ہی مقدس ہستیوں کے احوال و کوائف درج ہیں مَیں نے ان کی صحبت میں گزرے ہوئے قیمتی لمحات کو جاوداں بنانے، ان تاثرات کو قاری کا سرمایۂ حیات بنانے اور ان کے فرمودات و ارشادات کو طالبانِ حق تک پہنچانے کے لیے "متاعِ بے بہا" کے مضامین تحریر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اِن برگزیدہ بندوں سے ان گنت لوگوں کو عقیدت ہے۔ یہ تحریر انشاء اللہ ان بزرگوں سے نسبت کو پختہ کرنے، ان کے افعال و اقوال کو مشعلِ راہ بنانے اور ان کے ذکرِ مُبارک سے تشنہ روحوں کو سیراب کرنے کا سبب ہوگی۔

میرے والدِ محترم حافظ محمد عظیم نوّر اللہ مرقدہ، نے بچپن ہی سے مجھے بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہونے کے مواقع بہم پہنچائے، آدابِ صحبت سے آگاہ کیا، ان کے ارشادات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی، والدِ محترم کی دعاؤں اور بزرگانِ دین کی توجّہ نے میری قدم قدم پر رہنمائی کی، دینی شغف پیدا ہُوا، ان سے قلبی تعلّق نے میری تحریر کو نکھارا، میری زندگی کو سنوارا، میرے جذبات کو پیرایۂ بیان عطا کیا۔ اگر مَیں ان تمام مجالس کا تفصیل سے ذکر کروں تو داستانِ شوق سینکڑوں صفحات پر پھیل جائے ــــ مَیں نے "متاعِ بے بہا" میں دس بزرگانِ دین اور اہلِ علم حضرات کا ذکر کیا ہے۔ جو انشاء اللہ قارئینِ کرام اور اہلِ علم حضرات کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

Marfat.com

مَیں نے ان بزرگوں کے فیوض و برکات کا مشاہدہ کیا، ان کی روحانی مجالس سے مستفیض ہُوا۔ ان کے افکار و خیالات کا حسن میری تحریر کی زینت بنا، ان کے اخلاقِ کریمانہ کا مطالعہ کیا، اُن کے اوصافِ حمیدہ سے اکتسابِ روحانی کیا —— بایں ہمہ مجھے ان بزرگوں کے حالات قلمبند کرتے وقت اپنی علمی کم مایگی اور قلمی بے بضاعتی کا شدید احساس رہا۔ مجھے اعتراف ہے کہ مَیں ان بزرگوں کے حالاتِ مبارکہ کما حقّہٗ بیان نہیں کر سکا، جو کچھ لکھّا ہے وہ ان بزرگوں سے عقیدت کی ایک جھلک، ان سے نسبت کا اظہار اور احترام و محبّت کا عکس ہے۔ میری خوش بختی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے ایسی مقدّس ہستیوں کے بارے میں اظہارِ خیال کی توفیق ارزانی فرمائی —— یہ نیاز مندانہ تحریر انشاءاللہ میرے لیے آخرت کا زادِ راہ ہوگی اور ان کی دعاؤں کی صدقے عدم کی منزل آسان ہو جائے گی۔

مجھے برادرِ محترم جناب عبدالستّار نعیم کی سعیٔ جمیلہ کا شکریہ ادا کرنا ہے جو انہوں نے "متاعِ بے بہا" کی اشاعت کے سلسلے میں کی۔ اگر ان کا عملی تعاون نہ ہوتا تو اس کتاب کی اشاعت میں خدا جانے کتنی دیر لگتی —— انہوں نے مزید کرم فرمایا کہ "متاعِ بے بہا" کے بارے میں دیباچے کی صورت میں اپنے قیمتی اور فاضلانہ خیالات کا اظہار فرمایا جس کے لیے میں سراپا سپاس ہوں۔

حافظ لدھیانوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ آغاز

ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کے اس سیلاب بلا خیز میں اُن خوش بخت افراد کا دم غنیمت ہے جو بے لوث ہو کر اور اپنے آپ کو اللہ کے لیے یک سُو کر کے اپنی محبتوں اور نفرتوں کا معیار محض رضائے الٰہی کا حصول ٹھہراتے ہیں۔ یہی اللہ کے بندے بہاری کا چراغ اور زمین کا نمک ہیں۔ انہی سے حسنِ کائنات عبارت ہے، انہی سے وجودِ ہستی آئینۂ حسن و زیبائی ہے۔ عقل و خرد کی پھلواڑیاں اور عشق و معرفت کے آتش کدے انہی کے نور سے مستنیر ہیں۔

حافظؔ لدھیانوی ایسی ہی نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کا وجود ہماری خوش بختی کی دلیل اور جن کا نطق بزمِ حیات کو راہ نما ہے، شعر و ادب کی دُنیا میں جناب حافظؔ کا نام گزشتہ نصف صدی سے منارۂ نور کی طرح ضَوفشاں ہے۔ آپ برِصغیر میں اُردو نظم اور غزل کے اساتذۂ فن کی نشانی ہیں۔ فراقؔ اور تاثیرؔ سے لے کر حفیظؔ اور ماہر تک سینکڑوں مشاطگانِ ادب سے حافظؔ کے برسوں علمی اور ذاتی مراسم رہے۔ عرصۂ دراز تک ان کے ساتھ مل کر نخلستانِ ادب میں چہچہایا کیے۔ حرف و قرطاس کی کشت بیکراں کی خوب خوب آبیاری کی، اپنے نطق کے گہر ہائے آبدار جی کھول کر لٹاتے اور نوکِ قلم سے وہ چمنستان آباد کیے کہ فکر و نظر کے ایوان صدیوں تک ان کی گل فشانیوں سے مہکتے رہیں گے۔

حافظؔ لدھیانوی کا سینۂ بے کینہ شعر و ادب کی تمام اصناف کے بہترین منتخبات

سے آباد ہے۔ اُردو، فارسی میں انہیں اپنے اور اپنے ہمعصر اساتذہ کے ہزاروں اشعار ازبر ہیں جنہیں وہ موقع و محل کے مطابق آن کی آن میں صفحۂ قرطاس پہ سجا دیتے ہیں یا بزمِ دیدہ وراں میں سامعین کے ذوق کی زینت بنا دیتے ہیں، قرآنِ مجید کے حفظ اور فہم نے ان کے قلب کو سر بسر منوّر کر رکھا ہے۔ اوراد و وظائف کا ایک وسیع و عریض ذخیرہ اس پر مستزاد ہے۔ اس کے باوجود ان کی کسرِ نفسی، ان کی درویشی اور عجزِ فن کا اظہار اور کم مائیگی کا احساس دیدنی ہے۔ علم و آگہی کے اس قدر ذخیرے کو اپنے نہاں خانۂ وجود میں سمونا اور سنبھالے رکھنا حافظؔ ہی کی قبیل کے مردانِ خدا مست کا شیوہ ہے۔ وگرنہ یار لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ چند حروف بولنا سیکھ لیے تو اپنے جامے سے باہر ہو گئے۔ میں حافظؔ کو دیکھتا ہوں تو تمنّا کرتا ہوں کہ اے کاش خداوندِ قدوس اپنے کرمِ خاص سے ایسا انتظام فرما دے کہ اس شخص کے سینۂ جمیل کے تمام ذخائر یکایک حرف و صوت کے پیمانوں میں ڈھل کر چمنستانِ عالم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں تاکہ آئندہ نسلیں اس آفتابِ نصف النّہار سے اکتسابِ نور کرتی رہیں۔

معاصرین میں حافظؔ کا مقام ایک اعتبار سے منفرد اور لازوال ہے اور وہ حضور ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ان کی نسبتِ قلبی ہے، اس نعمتِ عظمیٰ نے ان کے فن کو مزید جلا بخشی ہے، اس میں سرمدی کیف اور نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس کے فیض سے ان کے لفظوں میں صبحِ فاراں کا نور ہلکورے لیتا نظر آتا ہے۔ حافظؔ کے دامن میں پوشیدہ اس متاعِ بے بہا کو ابوالاثر حفیظؔ جالندھری نے برسوں پہلے بھانپ لیا تھا چنانچہ جنابِ حافظؔ کے معروف مجموعۂ غزل "خامۂ مژگاں" کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں۔

"کلامِ جنابِ حافظؔ لدھیانوی میں نے اُن کی زبان سے بھی بارہا خلوت ہی نہیں مشاعروں کی جلوت میں بھی سُنا۔ اکثر جرائد و رسائل میں بھی میری آنکھوں سے میرے قلب میں اترا۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ اس شاعر کا صدر سینہ پُرنور یعنی اس تجلّی سے معمور رہے جو سینا میں تو یک لحظی

بلال تھی۔ مگر اب مدینہ منوّرہ کے سبز گنبد سے جس کا دائمی ظہور جمال ہی جمال ہے۔

جنابِ حافظؔ کا جس قدر کلام میں نے سنا یا پڑھا۔ اس سے اساتذہ کا اسلوب، اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کا شعور محسوس ہوا، جذبے کی صداقت اور شریفانہ بلکہ "مومنانہ" اخلاص و دیانت اور سادگی نیز "باصفائی" ان کے فن کا مظاہر ہیں۔ بعض اوقات تو مجھے حافظِؔ شیراز کا رنگ و آہنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔

مَیں نے بہت غور کیا کہ ایسا کیوں ہے ؟

سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ اُن کی نسبتِ قلب سرکارِ دو جہاں صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ہے اور حفظِ قرآنِ کریم نے ان کی رُوح میں سادگی کے ساتھ پُرکاری کے ابواب کے فتوح آسان کر دیئے ہیں ان کی شاعری میں کوئی الجھاؤ، کوئی بازی گری، کوئی نعرہ بازی یا ابہام مجھے تو نظر نہیں آیا تجربات و مشاہدات کی ایک دنیا ہے جو ان کے سینے سے سخن بن کر ہمارے سامنے زندگی کا آئینہ رکھ دیتی ہے ؛"

حفیظؔ جالندھری کا یہ تبصرہ تب کی بات ہے جب حافظ لدھیانوی خالصتاً غزل گو شاعر تھے۔ اور نعت گوئی کو مستقل اسلوبِ فن کے طور پہ اپنانے کا انہوں نے کوئی عزم ظاہر نہیں کیا تھا مگر ؎

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

حفیظؔ جالندھری کی نظرِ رسا سے جنابِ حافظؔ کا یہ مقام کیسے چھپا رہ سکتا تھا جب غزل میں بھی انہوں نے بوالہوس کہلانے اور رسوفیانہ پن کا مظاہرہ کرنے کی بجائے شستگی، لطافتِ فکر اور خیال کی پاکیزگی کو رواج دیا۔ ان کے کلام کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے

کیسے اس بے مہر سے حافظؔ اپنے جی کی بات کہیں

لب پہ شکایت آتے آتے حرفِ دُعا بن جاتی ہے

Marfat.com

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے
نکہتِ گل بھی صدا ہوتی ہے

جس حسیں گیت سے روشن ہے نظامِ ہستی
اس میں شامل مرے تخیّل کی پرواز بھی ہے

عشق سراسر سوزِ دروں ہے حرص و ہوس کی بات نہیں
عشق میں جو کچھ ہم نے سہا ہے غیر کے بس کی بات نہیں
چمن چمن میں روش روش پہ تُند بگولے اُٹھتے ہیں
حافظ نَس نَس ایک چبھن ہے خار و خس کی بات نہیں

پاس آنے بھی نہ دے آنکھ سے اوجھل بھی نہ ہو
ہم اسی حسنِ تغافل کو کرم کہتے ہیں

ان کے دامن پہ کوئی حرف نہ آنے پائے
مَیں ہر اک حال، ہر اک رنگ میں رسوا ہی سہی
یہ بھی کیا کم ہے کہ امّیدِ کرم ہیں کرتے
رسم و آئینِ وفا دہر میں عنقا ہی سہی

روگ لگایا، جان گنوائی، پاگل ٹھہرے خوار ہوئے
ہم نے حافظِ قراں ہو کر کس کافر سے پیار کیا

کتنی صدیوں کی مسافت تھا وہ لمحہ جس میں
لاکھ خورشید ڈھلے ایک نظر ہونے تک

بجھی ہوئی ہے طبیعت بہت اُداس ہے جی
ترے دیار میں ہنس کر کسی نے بات نہ کی

Marfat.com

علاجِ تلخیٔ دوراں تمہارے بس میں نہ تھا
تمہارے قُرب سے تسکینِ دَرد کیا ہوتی

یہ وقت ہے کِھلتے ہیں گلستاں میں شگوفے
اے دوست عجب رنگِ نسیمِ سحری ہے

ہر پھول پہ ہوتا ہے گماں نجمِ سحر کا
جو قطرۂ شبنم ہے وہ ہیرے کی کنی ہے

مایوس نہ ہو اے دلِ ناکام خدا سے
تقدیر بدل دیتا ہے اک حرفِ دُعا بھی

سینے میں اگر میرے ہے آشوبِ تمنّا
ہے لب پہ مرے نغمۂ صد روح فزا بھی

اس طرح دل کو تسلّی دی ہے
سب کا غم مجھ سے سوا ہو جیسے

آنکھ کو کھولتے ڈر لگتا ہے
کوئی پلکوں میں چھُپا ہو جیسے

منتشر یوں ہیں خیالات مرے
آئنہ ٹوٹ گیا ہو جیسے

مصحفِ رُخ ہے اور ہیں حافظؔ
پارہ پارہ نظر میں رہتا ہے

شہبازِ فکر شعر و ادب کی ردا اوڑھے اوجِ کمال پہ پَر فشاں تھا کہ جنابِ حافظؔ نے نعت گوئی کا آغاز کیا۔ غزل کی کشتِ رنگیں سے چُنے ہوئے وسعتِ مضامین کے سدا بہار پھول دامن میں مہک رہے تھے۔ حافظؔ نے فکر و نظر کی بوقلمونی سے سجایا ہُوا دامن بڑے

خلوص، محبّت اور وارفتگی سے سرزمینِ نعت پہ بکھیر دیا۔ اس سے نیرنگیٔ خیال کو وہ مہمیز ملی کہ زبان سے عشقِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوتے اُبل پڑے۔ یہ زمزمۂ محبّت حافظؔ کے معروف نعتیہ مجموعوں "ثنائے خواجہؐ"، "نشیدِ حضوری"، "کیفِ مسلسل" اور "نعتیہ قطعات" کی صورت میں جلوہ گر ہُوا۔

آپ بحضورِ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم پیش کیے گئے ان نعتیہ مجموعوں کی گیرائی اور گہرائی میں اتریئے، اترتے چلے جایئے، وسعتِ مشاہدہ کی داد دیجئے، مفاہیم و معانی کی دُنیا سے دامنِ دل سجایئے، خوبصورت تشبیہات اور استعاروں کا لطف اٹھایئے، وارداتِ حضوری اور کیفیاتِ مہجوری کے مزے لیجئے، سرور آگیں لمحات سے قلب و نظر کو سرشار کیجئے، فکر و فن کی ضیاپاشیوں سے شبستانِ وجود کو منوّر کیجئے، سوزِ دروں کی حدّت سے زمستانِ نفس کو گرمایئے، پیراہنِ الفاظ کے حسن و جمال سے نہاں خانۂ دل کو آباد کیجئے ۔ اور سرمدی کیف اٹھایئے —

جنابِ حافظؔ کی یہ کاوشیں ان کے لیے سرمایۂ آخرت تو ہیں ہی مگر پڑھنے والوں کو بھی کیفِ مسلسل سے ہمکنار کرتی ہیں۔ یوں اُن کے تخلیق کردہ نعتیہ ادب کی تلاوت میں گزری ہوئی دلآویز ساعتیں ابدی ہو جاتی ہیں۔

غزلیہ اور نعتیہ شاعری کا ذکر تمہید کے طور پہ اس لیے کیا گیا ہے کہ قارئین کرام کو ان کی فکری لطافت، ان کے خیال کی پاکیزگی، ان کی جمالیاتی حِس اور ان کے نثر کے اسلوب کا پس منظر معلوم ہو جائے۔ حافظؔ لدھیانوی کا قلم نثر میں بھی اسی خوبصورتی اسی پُرکاری سے رواں دواں رہتا ہے جو ان کی نظم کا طرۂ امتیاز ہے "جمالِ حرمین" اور "منزلِ سعادت" میں انہوں نے سفرِ حجاز کی سرگزشت بیان کی ہے، اُن کا مخصوص پیرایۂ اظہار، ان کا دلنشیں اسلوب، عشقِ مصطفویؐ میں ڈھلا ہُوا ان کا اندازِ بیان، نور و نکہت میں نہائے ہوئے ان کے شگفتہ و شاداب الفاظ پُوری آب و تاب سے جلوہ افروز ہیں۔ ایک ایک فقرہ

Marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کا مظہر، ایک ایک لفظ سے آپ کی عظمت ہویدا، ایک ایک ترکیب سلیقۂ اظہار کا شاہکار، اور ایک ایک جملہ مصنّف کے جمالِ قلم کا آئینہ دار ہے۔

سفرنامے تو بیشمار لکھے گئے ہیں، مگر جس وارفتگیٔ شوق اور جس جذبِ دروں سے حافظ لدھیانوی نے سفرِ حجاز کی رودادِ جمیل رقم کی ہے یہ کچھ انہی کا حصّہ ہے۔ لازوال جذبوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہُوا سمندر ہے جو صفحۂ قرطاس پہ موجزن ہے۔ ہر غوّاص اپنی ہمّت کے مطابق اس میں لعل و گہر تلاش کر سکتا ہے ــــــ

جنابِ حافظ کے مشاہدے کی وسعت اور ہمہ گیری قابلِ داد ہے وہ زمان و مکاں کا بڑی دقّتِ نظر سے جائزہ لیتے ہیں، حسن و قبح کے تمام پہلوؤں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر رائے قائم کرتے ہیں۔ دوسروں کی خوبیوں کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔ اور ان پر بے پناہ مسرّت کا اظہار کرتے ہیں، مرحوم شعراء کے شخصی خاکوں پر مشتمل اپنی کتاب "متاعِ گم گشتہ" کے پیش لفظ بہ عنوان عرضِ مصنّف میں یوں رقمطراز ہیں۔

ایسے مشاہیر شعراء کو بھی دیکھا جن کے کمالِ فن سے ایک زمانہ متاثّر ہُوا، دلدادگانِ شعر و ادب ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب نظر آتے تھے۔ ان کے کلام کو پڑھ کر ان سے ملاقات کی حسرت بے تاب رکھتی تھی۔ مگر جب ان کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا تو تصوّرات کے حسین خاکے دُھندلا گئے، احترام و عقیدت کے محلّات زمیں بوس ہو گئے، ادبی مجلسوں، علمی رسالوں میں ان کے افکار، ان کے اشعار جو حسین تصویریں بناتے، جو نغمے بکھیرتے، جو گیت بنتے ان کی شخصیت، ان کا کردار، ان کے معمولات، ان کی زندگی کے انداز اس سے یکسر مختلف ہوتے۔ ذہنی تصوّرات و افکار نے بے جان کاغذ کو تو معطّر کر دیا مگر ان کے وجود کو حسن نہ بخشا جس کی قارئین توقّع رکھتے تھے۔

بعض شعراء کی ذاتی زندگیاں ایسی تھیں جن سے پردہ اٹھانے سے کئی تاریک پہلو سامنے آ جائیں گے۔ بعض ادیبوں کے حالات قلمبند کرنے سے ان کی عظمتوں کے قلعے

Marfat.com

مسمار ہونے کا اندیشہ ہے۔ ان کے حالات سے قصداً گریز کیا گیا ہے تاکہ ادب کا مقام
برقرار رہے۔ ان کا تذکرہ ان کے ادبی کارناموں تک ہی محدود رکھا ہے
ایسا کون ہے جو خامیوں اور کمزوریوں سے مبرا ہو۔"

یہی مسنون طریقہ ہے کہ انسان اپنے بھائی بندوں کی عیب جوئی سے اجتناب کرے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

"اَلَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَ مَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔"

مسلمانوں کو ایذا مت پہنچاؤ اور نہ ان کو عار دلاؤ، اور نہ ان کے عیوب کے پیچھے پڑو۔ جو لوگ اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے پیچھے پڑیں گے تو اللہ ان کے عیب کے پیچھے پڑ جائے گا۔
اور جس شخص کے عیب کے پیچھے اللہ پڑ جائے گا اُسے رُسوا کر دے گا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔"

زیرِ نظر کتاب "متاعِ بے بہا" جنابِ حافظ لدھیانوی کے شخصی خاکوں پر مشتمل دوسرا مجموعہ ہے۔ جس میں حال اور ماضی قریب کے دس چیدہ بزرگوں اور احباب کے بارے میں تاثرات قلمبند کیے گئے ہیں۔ یہاں مصنف نے اپنی شگفتگیٔ طبع اور الجھاؤ سے پاک طبیعت کا پہلا ثبوت یہ دیا ہے کہ خاکوں کی تعداد دس رکھی ہے۔ دس وہ بابرکت عدد ہے جسے سورۂ فجر میں ربِّ کریم نے قسم کھا کر اسے مشرّف ٹھہرایا۔ اہلِ ایمان کے لیے سال کی مبارک ترین رات (لیلۃ القدر) کی تلاش کے لیے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ صیام کی آخری دس راتوں کی نوید عطا فرمائی۔

ربِّ جلیل نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جن برگزیدہ ہستیوں کو زندگی

Marfat.com

میں جنّت کی بشارت دی ان کی تعداد بھی دس ہی ہے جن کو عشرہ مبشّرہ کہا جاتا ہے۔
دس ہجری کو تکمیلِ دین کی نعمت عطا ہوئی۔

جنابِ حافظؔ لدھیانوی نے اس تعداد کو اپنے لیے معتبر ٹھہرایا اور زیرِ نظر کتاب "متاعِ بے بہا" میں دس بزرگوں اور دوستوں کے سوانحی خاکے تحریر کیے۔

خاکہ نگاری کا فن اصل میں سوانح نگاری کی قبیل ہی سے تعلّق رکھتا ہے۔ دونوں کا ماحصل قارئین کو بغیر کسی تصنّع یا بناوٹ کے موصوف کی ذات اور صفات سے متعارف کرانا ہے۔ معلومات کے وسائل مختلف ہو سکتے ہیں۔ مگر حاصلِ مدّعا دونوں صورتوں میں فی الواقع ایک ہے۔

فنِ سوانح نگاری کا شمار ہمیشہ سے معروف اصنافِ سخن میں میں ہوتا چلا آیا ہے۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ کام نبیِّ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ مطہّرہ پر ہُوا ہے۔ اہلِ قلم مسلمانوں اور غیر مسلمانوں نے بے پناہ محبّت اور انتہائی حزم و احتیاط سے آپؐ کی حیاتِ طیبّہ کے مختلف پہلوؤں پر جو دفتر تیار کیے ہیں انہیں اگر یکجا کیا جائے تو یہ منارۂ نور ثریّا کی بلندیوں کو چھُوتا نظر آئے۔

مرثیہ نگاری اُردو اور فارسی شعر و ادب کا ایک اہم جزو ہے۔ متعدد اہلِ قلم نے اس موضوع پر اتنا شاندار اور متنوّع سرمایہ فراہم کیا ہے کہ مرثیہ ایک مستقل صنف بن گیا ہے جس میں جزئیات نگاری اپنے کمال پر نظر آتی ہے۔ اس معاملے میں جستجو کا یہ عالم ہے کہ اُردو کے معروف مرثیہ نگاروں انیسؔ اور دبیرؔ کے فنّی تقابل پر شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ" کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب تحریر کی اور سیّد عابد علی عابدؔ رحمۃ نے شبلیؔ رح کی تحریر پر مزید تنقیدی کام کیا۔ اس کے فنِ تنقید کو خوب خوب کھنگالا اور بہت سے چھپے گوشے بے نقاب کیے۔ شبلی اور عابد ہی پر کیا موقوف ہے اس دشت میں

ان گنت عشّاق نے بادیہ پیمائی کی

زندہ قومیں اپنے محسنوں کی یاد کو زندہ و تابندہ رکھنے اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کی سوانح کو صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر لیا کرتی ہیں، پاکستان میں قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پر اور بھارت میں گاندھی اور نہرو پر، امریکہ میں جارج واشنگٹن اور ابراہام لنکن پر، برطانیہ میں نیلسن، وکٹوریہ اور چرچل پر اور جاپان میں مسیحی بادشاہ کی سوانح حیات پر سینکڑوں نایاب کتابیں اسی کارِ دانش شوق کا حصہ ہی تو ہیں۔

پاکستان میں بایوگرافیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (BIOGRAPHICAL RESEARCH INSTITUTE) نے کئی سال کی محنتِ شاقہ کے بعد بایوگرافیکل انسائیکلوپیڈیا آف پاکستان کے نام سے بڑی تقطیع کے ۶۲۲ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مرتب کی جس میں ایک ہزار افراد کے لگ بھگ ان افراد کے مختصر مگر جامع سوانحی حالات رقم کئے جو اس دور میں سیاست، انتظامیہ زراعت، مذہب، قانون، تعلیم، طب، انجینئرنگ، بزنس، سوشل ورک اور امورِ خارجہ کے میدان میں ملک و ملت کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ یا ماضی قریب میں دے چکے ہیں۔ کتاب کے پیش کار جناب تہوّر علی خاں کے بیان کے مطابق اس کی تیاری اور تدوین کے لیے ادارے کے عملے کو برّی، بحری اور فضائی راستوں سے قریباً چھ لاکھ میل کی طویل مسافت طے کرنا پڑی۔ اس کتاب کے مطالعے سے کتنی ہی ایسی محترم شخصیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ جنہوں نے وطنِ عزیز کی ترقّی اور خوشحالی میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ مگر قوم انہیں بھلا چکی ہے۔ حالانکہ ان کی یادوں کو زندہ رکھنا احسان مندی کا تقاضا اور علمی رہنمائی کے لیے ضروری ہے۔

اسی طرح بھارت میں انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل سٹڈیز کلکتہ INSTITUTE OF HISTORICAL STUDIES CALCUTTA

53588

Marfat.com

نے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۴ء تک کے عرصے میں ساڑھے آٹھ لاکھ روپے کی لاگت سے ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی (DICTIONARY OF NATIONAL BIOGRAPHY) کے عنوان سے چار ضخیم جلدوں پر مشتمل تاریخ مرتب کی۔ جس میں ان چودہ سو افراد کے سوانح محفوظ کر لیے جنہوں نے ایڈیٹر کے قول کے مطابق ۱۸۰۰ء سے ۱۹۷۴ء تک کی مدت میں جدید بھارت کی تعمیر میں حصہ لیا تھا۔ اس اہم کام کے لیے ادارے نے ۳۱۲ ریسرچ سکالروں کی خدمات حاصل کیں اور ۳۵۰ مصنفین نے ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۳ء تک نو سال کے طویل عرصے میں اس صبر آزما کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

ہمارے ہاں سنٹرل بیورو آف ایجوکیشن نے ۶۷-۱۹۶۳ء میں " DIRECTORY OF PAKISTAN SCHOLAR ABROAD " کے نام سے ان ۲۰۳۱ اصحاب کے کوائف ترتیب دیئے جو اس وقت آسٹریلیا، بلجیم، کینیڈا، فرانس، جاپان، ہالینڈ، سپین، سوئٹزرلینڈ، ترکی، برطانیہ، امریکہ اور یوگوسلاویہ میں فنونِ لطیفہ، ایجوکیشن، فائن آرٹس، قانون، سوشل سائنسز، نیچرل سائنس، انجنیئرنگ، طب، زراعت، اور شماریات کے شعبوں میں تعلیم کے اعلیٰ مدارج طے کر رہے ہیں۔

مقصود اس ساری تفصیل سے یہ تھا کہ افراد اور اقوام اپنے محسنوں اور رہنماؤں کے کارہائے نمایاں سے آئندہ نسلوں کو متعارف کرانے کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوششیں کرتی رہتی ہیں ——— انسانیت کی تاریخ نشیب و فراز کی ان گنت داستانوں بے شمار خوشگوار اور ناخوشگوار تجربوں سے عبارت ہے۔ ان کا شعور زندگی کی شاہراہ پر پہلا زینہ ہے۔ ان سے سبق حاصل نہ کرنا بدبختی کی دلیل ہے، شکستوں سے بچنے اور ارفع مقام حاصل کرنے کے لیے ماضی کے دھندلکوں میں جھانکنا ضروری ہے، ہر دور کے تجربات بعد میں آنے والوں کے لیے جوہرِ حیات اور لمحۂ فکریہ ہوتے ہیں۔ ان سے کماحقہٗ، آگاہی اور عبرت حاصل کرنا زندگی کی مسافت طے کرنے کے لیے زادِ راہ ہے۔ قرآنی اسلوب

Marfat.com

بھی یہی ہے۔ ربِ کائنات نے اپنی مقدس کتاب کلامِ مجید میں اُمتِ وسطیٰ کی رہنمائی کے لیے جا بجا پچھلی قوموں کے عروج و زوال کے واقعات کہیں ایجاز و اختصار اور کہیں شرح و بسط سے بیان فرمائے ہیں اور اس سے مقصود عبرت پکڑنا ٹھہرایا۔ مگر اس سے صرف وہی سبق حاصل کرتے ہیں جو صاحبِ عقل ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُوْلِى الْاَلْبَابِ ۔

شخصی خاکہ نگاری کے بارے میں "متاعِ گم گشتہ" کے دیباچے میں جنابِ مشفق خواجہ نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے ایک اقتباس درجِ ذیل ہے۔

"اردو میں شخصی خاکہ نگاری کی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ محققین نے اگرچہ انشاء اللہ خاں انشاء کی "دریائے لطافت" سے شخصی خاکے کے ابتدائی نقوش ڈھونڈ نکالے ہیں جو محض تکلف ہے۔ انشاء نے مظہر جانِ جاناں سے اپنی ملاقات کا جو مختصر حال لکھا ہے۔ یا بعض دوسرے اشخاص کا جو ذکر کیا ہے اس کی بنا پر انشاء کو خاکہ نگاروں کی صف میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان بیانات سے کسی شخص کا بھرپور اندازہ نہیں ہوتا۔

محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" میں شاعروں کی جو قلمی تصویریں پیش کی ہیں اس کا ذکر بھی خاکہ نگاری کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔ آزاد نے بیشتر شعراء کے بارے میں سُنی سُنائی باتیں لکھی ہیں۔ صرف ذوق کے سلسلے میں اپنی ذاتی معلومات اور مشاہدے سے کام لیا ہے۔ ذوق کی شاعری کے ذکر کو اگر حذف کر دیا جائے تو "آبِ حیات" میں ذوق کی قلمی تصویر شخصی خاکہ نگاری کی تمام شرائط کو پورا کرتی ہے۔ آزاد کی سُنی سنائی باتوں کے ساتھ چشم دید واقعات بھی اس طرح بیان کئے ہیں کہ ذوق کی مکمل شخصیت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اگرچہ یہ یک رُخی تصویر ہے۔ جس کی بنیاد عقیدت پر ہے اور تعریف میں مبالغہ آرائی بھی بہت زیادہ ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آزاد کی یہ تحریر اردو میں کسی شخصیت کو پیش کرنے کی پہلی کوشش ہے۔ اور یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں پہلا شخصی خاکہ آزاد نے لکھا ہے۔

Marfat.com

اس نوعیّت کی دوسری تحریر ڈپٹی نذیر احمد کا شخصی خاکہ ہے جو مرزا فرحت اللہ بیگ نے "نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی" کے عنوان سے لکھّا ہے۔ آزاد نے ذوق کا جو خاکہ لکھّا ہے۔ وہ ایک بڑی کتاب کا حصّہ ہونے کی وجہ سے انفرادی اہمیّت حاصل نہ کر سکا۔ اس وجہ سے مرزا فرحت اللہ بیگ کے مذکورہ خاکے کو اُردو کا پہلا شخصی خاکہ کہا جاتا ہے جو درست نہیں، ہاں اس میں شک نہیں کہ اگر کسی خاکے کو اُردو کا پہلا بہترین شخصی خاکہ کہا جا سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے استاد کی شخصیّت کے متنوّع پہلوؤں کو، ان کی خوبی اور خامیوں دونوں کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ ہمارے سامنے ایک بڑے ادیب اور مصلح قوم نذیر احمد ہی کی تصویر نہیں آتی وہ تصویر بھی آتی ہے جس میں نذیر احمد عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہوتے دکھائی دیتے ہیں، رہن سہن، اوضاع و اطوار کے اعتبار سے ایک دلچسپ شخصیّت رکھنے والے نذیر احمد سے ہم پہلی بار متعارف ہوتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے یہ قلمی تصویر بڑے شوخ رنگوں سے تیّار کی ہے، طنز و مزاح کی آمیزش اور بیان کی شگفتگی کی وجہ سے اس خاکے کو اُردو ادب میں منفرد مقام حاصل ہے مرزا فرحت اللہ بیگ نے چند اور خاکے بھی لکھّے تھے۔ لیکن ان میں وہ بات نہیں جو مذکورہ خاکے میں ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے بعد اُردو میں شخصی خاکہ نگاری کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب تک سینکڑوں شخصی خاکے لکھّے جا چکے ہیں اس ضمن میں "نقوش" کے شخصیات نمبر کو سنگِ میل کی اہمیّت حاصل ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد سے خاکہ نگاری سے لکھنے اور پڑھنے والوں کی دلچسپی میں اضافہ ہُوا ہے۔ بعض مصنّفین نے صرف خاکہ نگاری ہی کو اپنی ادبی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ جیسے اخلاق احمد دہلوی اور محمّد طفیل کہ انہوں نے شخصی خاکوں کے علاوہ کسی اور طرف کم ہی توجّہ کی ہے۔

جن اہلِ قلم کے شخصی خاکوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں مولوی عبدالحق، رشید احمد

Marfat.com

صدّیقی، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، اشرف صبوحی، مالک رام، شاہد احمد دہلوی، رئیس احمد جعفری، مولانا ابوالحسن علی ندوی، سعادت حسن منٹو، خواجہ احمد فاروقی، جلیل قدوائی، صادق الخیری، جگن ناتھ آزاد، اخلاق احمد دہلوی، محمد طفیل، میرزا ادیب، شورش کاشمیری، انیس قدوائی اور فارغ بخاری وغیرہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ شخصی خاکہ نگاری کو ایک الگ صنفِ ادب بنانے میں ان اہلِ قلم نے بڑا حصہ لیا ہے۔ اہلِ قلم کے اس قبیلے میں اب ایک اور نام کا اضافہ ہوا ہے اور وہ نام ہے جنابِ حافظ لدھیانوی کا جن کے خاکوں کا مجموعہ ـــــ "متاعِ گم گشتہ" اس وقت آپ کے سامنے ہے۔"

جنابِ مشفق خواجہ ایک اور جگہ رقمطراز ہیں۔

حافظ صاحب یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ شخصی خاکہ اور آپ بیتی دو مختلف چیزیں ہیں۔ گو ان میں تعلق بہت گہرا ہے یہ تعلق لکھنے والے کی یادوں سے عبارت ہے یادوں کے سہارے شخصی خاکہ بھی لکھا جاتا ہے اور آپ بیتی بھی ـــــ لیکن فرق یہ ہے کہ شخصی خاکے میں یادیں چراغِ رہگزر کی طرح راستہ دکھاتی ہیں اور آپ بیتی میں یہ آئینہ بن جاتی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں مصنف کی یادیں چراغِ رہگزر کی طرح ہیں جس کی روشنی میں رہرووں کی صورتیں پہچانی جا سکتی ہیں۔ یہ کتاب آئینہ خانہ نہیں ہے۔ جس میں ہر طرف ایک ہی شخص جلوہ گر ہو۔"

بحمداللہ حافظ لدھیانوی نے اپنے احباب کے آئینہ خانوں میں خوب جھانک کے دیکھا ہے، مختلف جہتوں اور مختلف زاویوں سے ان کا مشاہدہ کیا ہے اور خلوت و جلوت میں ان کے قرب سے بہرہ ور ہوئے، سفر و حضر میں ان کے ساتھی ٹھہرے، روز و شب ان کی معیّت میں بسر کیے، مختلف معاملات میں انہیں جانچا اور پرکھا، ان کی کتنی ہی شوخ و شنگ یادوں کو ذہن کے دریچوں میں سجایا، کتنی ہی خوش نظر اداؤں کی تصویر کشی کی اور پھر ان کے عکس ہائے جمیل کو کاغذ پر بکھیر کے "متاعِ بے بہا" نام رکھ دیا۔

Marfat.com

عمدہ خاکہ نگاری کے لیے مصنّف کا ژرف نگاہی کی صفت سے متّصف ہونے کے ساتھ ساتھ موصوف کے احوال سے بالفعل واقف ہونا شرطِ اوّل ہے۔ محض روایات کی بنیاد پر کی گئی کاوش سوانح نگاری تو کہلا سکتی ہے مگر خاکہ نگاری نہیں کہ مؤخّر الذکر کے حُسن کا جوہر ہی اپنے تجربے کے حوالے سے موصوف کی کردار نگاری ہے۔ ؎

تُرا دیدہ و یوسف را شنیدہ
شنیدہ کے بُوَد مانندِ دیدہ

احباب اور محسنین کا شخصی خاکہ لکھتے ہوئے کوئی بھی مصنّف ان اوصاف کو زیادہ نمایاں کرے گا جو اس کے نزدیک زیادہ قابلِ توصیف ہیں۔ اس سے اس کی ذہنی ساخت کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے اس کی پسند اور ناپسند کا معیار سامنے آجاتا ہے۔ اور زندگی کی مختلف قدروں کے بارے میں اس کا رویّہ واضح ہو جاتا ہے۔

الحمد للہ حافظؔ لدھیانوی نے جن بلند قامت اصحاب کی زندگیوں پر قلم اٹھایا ہے۔ اور اس سلسلے میں جن مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھّا ہے اس سے یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ حافظؔ کے ہاں اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور یہی ان کے عشق و شیفتگی کا محور رہے۔ انہوں نے اپنی تمام محبّتیں اور نفرتیں اسی بنیاد پر اٹھائی ہیں اور یہی ان کا مقصود ہے۔

اس حوالے سے دیکھیں تو "متاعِ بے بہا" کا مصنّف ہمیں ان پاکانِ بارگاہِ الٰہی کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے جو ایک دوسرے سے اور باقی مخلوق سے کسی نفسانی غرض کے بغیر محض اللہ کے لیے محبّت کرتے ہیں۔

فاضل مصنّف نے جن بزرگوں کے احوال و کوائف درج کئے ہیں اور اپنی یادداشتوں کے حوالے سے بزرگانِ دین کے قلمی خاکے تحریر کئے ہیں وہ کوئی صدیوں پرانے بزرگ نہیں۔ ان میں سے کچھ تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے آج بھی رشد و ہدایت کے مسند پر جلوہ افروز ہیں اور

Marfat.com

کچھ پچھلے چند برس میں اس دارِ فانی سے عالمِ بقا کو سدھارے ہیں ان کے معتقدین اور متعلقین میں آج بھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہمارے درمیان موجود ہیں جو اپنے روحانی رہنماؤں کا جب ذکرِ جمیل کتابی صورت میں دیکھیں گے تو حافظِ محترم کے لیے کتنی دُعائیں ان کے لبوں سے نکلیں گی وہ انہیں پیکرِ محسوس میں جلوہ افروز نظر آئیں گے۔ تو مسرت کے کیسے پُرکیف لمحات سے دوچار رہوں گے، وہ اس ذکر کو اپنے حلقۂ احباب میں پھیلائیں گے، چراغ سے چراغ جلیں گے —— روشنیوں کا سفر تیز سے تیز تر ہوتا جائے گا۔ کاروانِ شوق نئے جذبوں سے حریم ناز کی طرف رواں دواں رہے گا اور اس طرح حافظ لدھیانوی کی یہ سعئ جمیلہ صدقہ جاریہ ٹھہرے گی۔ ربِ کریم ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور یہ کتاب اہلِ نظر حضرات کے لیے بلندئ درجات کا سبب ہو۔

"متاعِ بے بہا" روحانی فیوض و برکات کا لازوال خزینہ بھی ہے اور اُردو ادب میں ایک نہایت خوبصورت اضافہ بھی۔ جس کی مہک ادب کے ایوانوں کو تا دیر مہکاتی رہے گی۔ مصنّف نے ایک ہی کیفیّت کو جہاں جہاں بیان کیا ہے لب و لہجہ ہر بار نیا اور پیرایۂ بیان مختلف ہوتا چلا گیا ہے۔ ہر بار نیا اسلوب اختیار کیا ہے جس سے تحریر کا حُسن دوچند ہو گیا ہے۔ یہ کمالِ فن تحریر پہ قدرتِ کاملہ ہر اہلِ قلم کا حصّہ نہیں۔ ع

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قاری کے آتشِ شوق کو تیز کرنے کے لیے کتاب میں سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

"بزم میں سوز و ساز کا آغاز ہُوا، رُوحیں متلاطم ہوگئیں، زندگی کا جمود ٹوٹ گیا۔ دل کے آبگینے چھلک اُٹھے۔ آنکھوں کے چشمے پھوٹ بہے۔ ساز کی آواز دل کے پردوں سے ٹکرانے لگی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرّہٗ کا قرب، بابوجیؒ کا فیضانِ نظر، کیف و مستی نے محفل کو گھیر لیا۔ رقّت اور سوز کی شمعیں روشن ہونے لگیں —— فیضانِ چشت عام ہوگیا۔

Marfat.com

خانوادۂ چشت کے چشمۂ فیوض و برکات سے مجمع سیراب ہونے لگا۔ قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے کوئی محروم نہ رہا۔ سب کے دامن بھر گئے۔ چند ساعتوں میں کتنی کیفیتیں دیدہ و دل پر گزر گئیں ۔۔۔ کرم کا جھونکا سب کے قلوب کو سیراب کرتا ہوا گزر گیا۔ معلوم ہوتا تھا وقت کی رفتار ساز کی صدا میں گم ہو گئی ہے۔"

اپنے مرشد و مربیّ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر نوّر اللہ مرقدہ کی حیاتِ طیّبہ کے نقوش کس خوبصورتی سے تحریر کئے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

فیصل آباد میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف لاتے تھے تو رائے پور شریف سے ان کی آمد کی خبر بہار کے جھونکوں کی طرح پھیل جاتی تھی۔ جہاں جہاں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کا پروگرام بنتا، اس شہر کے لوگ چشم براہ رہتے۔ ایک ایک لمحہ بیتابی سے گزرتا، مریدین، معتقدین، بزرگانِ دین، علمائے کرام، حفّاظ، مفسّرین، محدّثین ان کی زیارت کے لیے بیتاب ہوتے۔ ان کی صحبتِ مقدّسہ سے اکتسابِ فیض کرنے کے متمنّی رہتے۔ یہ ان کے لیے روحانی درس کے لمحات ہوتے، دینی کتب کے مطالعے کا حاصل دیکھتے، مسائلِ شرعیہ کا مشاہدہ کرنے، بزرگوں کے پڑھے ہوئے واقعات کو متشکّل دیکھنے کے لیے شب و روز حضرتؒ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ سٹیشن پر عشّاق کا حلقہ وفورِ محبّت سے برستی آنکھوں سے ان کا استقبال کرتا۔ ادب کی منازل، محبّت کے سلیقے، احترام کے قرینے، شوق کے لمحات ہر لحظہ دیکھنے میں آتے، عقیدت و احترام سے ہر شخص کی اندرونی کیفیت کا پتہ چلتا تھا۔ ہر شخص کے احترام و محبّت کا رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی سیاسی شخصیت ہو تو احترام کی قندیل سینوں میں روشن نہ ہو گی، اس کا احترام، اس سے میل جول، اس سے وابستگی اور تعلّق زندگی کے معمولات سے ہو گا۔ مگر روحانی شخصیتوں، خُدا کے برگزیدہ بندوں، مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے ادب و احترام کا انداز ہی جُدا ہوتا ہے۔ لوگ دل کی دھڑکنوں، محبّت و عقیدت کے آنسوؤں، نیازمندی و جاں نثاری کے جذبات سے ان کا استقبال کرتے ہیں، قربِ الٰہی

Marfat.com

ریاضت و مجاہدہ، تزکیۂ نفس اور دنیوی علائق سے قطعِ تعلّق نے ان کو لوگوں کے دلوں کے نزدیک کر دیا ہوتا ہے۔ ان کے لیے خلوت اور مخلوقِ خدا کا اژدہام ایک برابر ہوتا ہے۔ کسی حالت میں بھی ان کا قلب ذکر اللہ سے فارغ نہیں ہوتا وہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے یادِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی بے نفسی نے انہیں ہر شے سے بے نیاز کر دیا ہوتا ہے۔ لوگوں کی عقیدت، دنیوی جاہ و جلال، ارادت مند لوگوں کا ہجوم، مال و منال ان کے قلبِ اطہر پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ان کو طمانیتِ قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے جو دنیا کی تمام نعمتوں اور لذّات سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ کثرتِ ذکر نے ان کو دنیا کے تمام مسائل، دُنیا کی دلچسپیوں، دُنیا کے تمام جھمیلوں سے فارغ کر دیا ہوتا ہے۔"

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شعر فہمی، سخن شناسی کا ذکر کرتے ہوئے لاہور کے شعراء کی مجلسوں کا ذکر کس خوبصورتی سے کیا ہے۔ اساتذۂ فن ان کی شعر فہمی کے معترف تھے اور شاہؒ جی کی داد کو اپنے لیے سند سمجھتے تھے۔ حافظ لدھیانوی صاحب نے مندرجہ ذیل اقتباس میں ان کے اس کمال کو کس حسین پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"شاہ جی کے داد دینے کا انداز سب سے نرالا اور مختلف تھا۔ شاعر شاہؒ جی کی آنکھوں کی سجاوٹ اور ہونٹوں کی بناوٹ سے شعر کا معیار پرکھ سکتا تھا۔ شعر کے معانی اور محاسن ان کے چہرے پر بکھرتے نظر آتے جیسے پھول کی خوشبو مشامِ جاں کو معطّر کر دیتی ہے۔ ایسی حسین داد وہی دے سکتا ہے جو شعر کی رُوح سے واقف ہو اور اس کی نزاکتوں سے کما حقہٗ آگاہ ہو، لطافتِ شعر بے ہنگم داد کی بھی تو متحمل نہیں ہو سکتی۔ ——

شاہؒ جی کی پسند اور ناپسند سند کا درجہ رکھتی تھی، شعر فہمی شعر گوئی سے زیادہ مشکل ہے۔ شعر فہمی میں خداوندِ کریم نے اپنی عطائے خاص سے شاہؒ جی کو وافر حصّہ عطا فرمایا تھا۔

شعر فہمی کا تعلق ایک خاص وجدانی کیفیت سے ہوتا ہے۔ یہ وجدانی کیفیت ہر شخص کا ورثہ نہیں ہو سکتی، اس کے لیے ایک خاص قسم کا ادبی ماحول، روحانی لطافت،

Marfat.com

پاکیزگیٔ خیال اور حسنِ مطالعہ درکار ہوتا ہے۔

جب شاہؒ جی لاہور تشریف لاتے تو ان کی قیام گاہ پہ لاہور کے ممتاز شعرا حاضری دیتے۔ ان میں صوفی تبسّم، عابد علی عابدؔ، احسان دانشؔ، حفیظؔ جالندھری، عبدالمجید سالک پطرس بخاری، ایم۔ ڈی تاثیر جیسے اہلِ علم ہوتے، شاہؒ جی کی قیام گاہ اچھّے خاصے مشاعرے میں تبدیل ہو جاتی۔ اور شاہؒ جی اس ادبی و شعری انجمن کے روحِ رواں ہوتے، ہر شاعر کی خواہش ہوتی کہ شاہؒ جی کسی شعر پہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کریں اور وہ اس کے لیے ادبی سند بن جائے۔"

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فنِ خطابت کا ذکر انتہائی خوبصورتی سے کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلسوں کا ذکر پڑھ کر وہ جلسے اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ماضی حال کے آیئنے میں نظر آنے لگتا ہے۔ قاری اس ماحول اس کیفیت کا حِصّہ بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حافظؔ صاحب کے تحریر کردہ چند جھلکے ملاحظہ فرمایئے۔

شاہؒ جی نے خطبۂ مسنونہ پڑھا۔ تقریر کا آغاز کیا، لاکھوں کے مجمع میں سکوت کا عالم طاری ہو گیا۔ علماء شاہؒ جی کی خطابت سے مسحور ہو رہے ہیں۔ انگریزی دان طبقہ الگ جھوم رہا ہے۔ شعروں کے برجستہ استعمال پہ اہلِ ذوق داد دے رہے ہیں۔ حفّاظ اور قرّاء شاہؒ جی کی تلاوت پہ قربان ہو رہے ہیں، ہر ایک کی جھولی بھری جا رہی ہے، ہر ایک کے ذوق کی تسکین کا سامان بہم ہو رہا ہے۔ ہر ایک علم کے خزانے سے دامن بھر رہا ہے ـــــ خطابت دلوں کے تاروں کو ہلاتی اور ذہنوں کو شاداب کرتی چلی جا رہی ہے۔ مجمع دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہمہ تن گوش تقریر کے حسن میں کھویا ہُوا ہے۔ ہزاروں نگاہیں شاہؒ جی کے چہرے پر جمی ہیں۔ شاہؒ جی کی سحر بیانی اور آتش نوائی زوروں پر ہے۔ شاہؒ جی موضوع کی مناسبت اور موقع کی مطابقت سے قرآنی آیات وجد آفریں قرأت کے ساتھ تلاوت فرما رہے ہیں۔ تقریر کے دوران فارسی

Marfat.com

اور اُردو کے اشعار روحوں کو گرما رہے ہیں۔ شاہ جی اشعار اپنے مخصوص ترنم سے پڑھ رہے ہیں۔ آواز کے زیر و بم کے ساتھ معانی و مطالب کی خود بخود وضاحت ہوتی چلی جاتی ہے۔ الفاظ موضوع کے لحاظ سے تقریر کا حصّہ بن گئے ہیں۔ ہزاروں کے مجمع میں سانس تک کی آواز نہیں۔ ایک ہی آواز ہے جو دلوں کو گرماتی، روحوں میں سماتی جا رہی ہے شاہ جی لوگوں کے چہروں سے عنوانات چن رہے ہیں ان کا ہاتھ لوگوں کی نبضوں اور دھڑکتے دلوں پر ہے، وہ بے پناہ ہجوم کا دھارا جس طرف چاہتے ہیں موڑتے جاتے ہیں، مخالفین کی زبانوں سے واہ واہ کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ مخالفین اپنی مخالفت بھول گئے، معتقدین ایثار کے پیکر، خلوص کے مجسمے اور فدائیت کا نشان بنے بیٹھے ہیں۔ یہ مردِ مجاہد، یہ بے لوث انسان یہ خطیبِ اعظم اپنے مخصوص انداز میں خدا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔ اپنے فرض سے سرخرو ہو رہا ہے۔ حق و باطل کی جنگ جاری ہے۔ دینِ خدا کا سپاہی ان سب طاغوتی طاقتوں سے تنِ تنہا نبرد آزما ہے۔ اس کو کسی طاقت کی مخالفت کی پرواہ نہیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے شاہ جی کے بارے میں کہا تھا ؎

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

شاہ جی کی تقریر میں جلال و جمال کا حسین امتزاج تھا۔ شاہ جی کے الفاظ میں شبنم کی نرمی، شاخِ گل کی لچک، بلبل کا زمزمہ، ستاروں کی چمک اور بہاروں کا حُسن تھا۔ اگر شاہ جی کی زبان پر خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ذکر ہوتا تو شاہ جی کی تقریر میں بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، سمندر کا خروش، شاہوں کا جلال اور مردِ مجاہد کی شان نمایاں ہو جاتی تھی۔ وہ موضوع کے مطابق لب و لہجہ اور اندازِ بیان بدل لیتے تھے اور تقریر کو انتہائی مؤثر بنا لیتے تھے —— الفاظ ہیں کہ پرے باندھے چلے آ رہے ہیں، دریا ہے کہ بہاؤ پر ہے، سمندر ہے کہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اور اس

Marfat.com

سمندر کی ہر موج دلوں اور ذہنوں کو بہائے لیے جا رہی ہے۔ فرطِ جذبات سے لوگ مشتعل ہو رہے ہیں اور ہر دس پندرہ منٹ بعد فلک شگاف نعروں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ زندہ باد —— امیرِ شریعت زندہ باد"۔

پروفیسر مرزا محمد منوّر کا تعارف کراتے ہوئے فاضل مصنّف کی جولانیٔ قلم کی ایک جھلک دیکھئے۔

"پروفیسر محمّد منوّر کے حالاتِ زندگی اور کمالاتِ علم و فن کے بارے میں کچھ تحریر کرنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے کہ مرزا صاحب کے کون سے پہلو پر قلم اٹھایا جائے، کون سے وصف کو پہلے بیان کیا جائے، کونسی خوبی سے تمہید اٹھائی جائے کس عنوان سے شخصی خاکے کا آغاز کیا جائے۔ فکری رنگوں کی آمیزش کیسے ہو کہ خوبصورت مرقّع تیّار ہو جائے اور ایک ایسی تصویر مکمّل ہو جائے جس میں مرزا صاحب کے تمام اوصاف، حسن و خوبی کے تمام انداز جلوہ گر ہوں اور مشاہدہ کرنے والا ایک ہی نظر میں اس پیکرِ صد رنگ کی زیبائی و رعنائی، رنگوں کے حسین امتزاج اور دلکش زاویوں سے لطف اندوز ہو سکے۔

پروفیسر محمّد منوّر بیک وقت محترم استاد، خوش گفتار انسان، محفل آرا شخصیت، بلند پایہ مقرّر، نامور شاعر، مخلص دوست، انسانیت کے علمبردار، محبِّ وطن، سیاسی مبصّر، فلسفہ دان، ماہرِ اقبالیات، صاحبِ طرز انشا پرداز، ماہرِ لسانیات، مغربی اور مشرقی علوم پر کامل دسترس رکھنے والے، قرآن و حدیث کے عالم، غیر زبانوں کے مشہور مترجم۔ حافظ شیرازی اور علّامہ محمّد اقبالؒ کے معنوی مرید ہیں —— ایسے اوصاف و کمالات رکھنے والے انسان کے بارے میں اظہارِ خیال کرنا توفیقِ ایزدی سے ہی ممکن ہے ورنہ ہر لحظہ فکر و نظر کی تنگ دامانی کا خیال رہتا ہے۔ ——"

جنابِ حفیظ تائب کے فن اور شخصیت کے بارے میں یوں اپنے خیالات کا اظہار

Marfat.com

کرتے ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور معروضات کے اظہار کے ہزار طریقے ہیں۔ کبھی خاموشی صدا بن جاتی ہے، کبھی حیرت دلوں کی ترجمان ہوتی ہے، کبھی آنسو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مجھے حفیظ تائب کی نعتیہ شاعری میں ایسے ہی قرینے، ایسے ہی آداب، ایسی ہی کیفیات نظر آئیں، یوں محسوس ہوا کہ درماندہ مسافر منزلوں کی تھکن سے چور سایۂ رحمت میں آ گیا ہو۔ شکر اور عجز کے ملے جلے جذبات لیے مرکزِ قلب و نظر میں کھڑا ہو..... حفیظ تائب کی نعتیں پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ اس خوش قسمت شخص پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرم بے پایاں ہے، جو نعت کی صورت میں تقسیم کر رہا ہے۔

الغرض حافظ صاحب کی قیمتی یادداشتوں کا یہ حسین مرقع اُردوئے معلّٰی کا ایک عظیم ادب پارہ ہے اور رہروانِ شوق کو منزل سے ہمکنار کرنے کے لیے نور کا زینہ بھی ——— خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس مجموعۂ صد رنگ سے کما حقّہٗ استفادہ کر سکیں اور محبت و عقیدت کی اس زمزمہ خوانی سے پیاسی روحوں کو جی بھر کے سیراب کر سکیں ———

عبدالستار نعیم

فیصل آباد

جمعۃ المبارک ۳۔ ذیقعد ۱۴۰۶ھ

Marfat.com

حضرتِ اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

مُلتان کے قیام میں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرّہٗ کی ادبی، علمی، مذہبی اور روحانی صحبتوں سے مستفیض ہُوا۔ علم و ادب کے بے شمار گوشے، آداب و اخلاق کے کئی پہلو سامنے آئے بزرگانِ دین علمائے کرام کے علم و فضل، طہارت و تقویٰ، زہد و ورع اور روحانی کمالات کی کئی داستانیں شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیں، قلب و ذہن کو منوّر کیا، ماضی کے نقوش حال کے آئینے میں جلوہ گر ہوتے رہے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ کی صحبتوں میں گزرے ہوئے لمحات بیتے دنوں کے روشن چراغ تھے جو افقِ ذہن پر قطار اندر قطار روشن ہوتے گئے۔ وہ علمائے کرام اور بزرگانِ دین کا ذکر انتہائی عقیدت اور ادب سے کرتے۔ گفتگو کرتے وقت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے وجود پر ان بزرگانِ دین کے فیضان کے اثرات نمایاں ہو جاتے۔ سیاسی رہنماؤں کے قِصّے، ان کی بے لوث خدمت، ان کی قربانیاں، ان کا بے پناہ ایثار سب کچھ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا، ایک ایک جملہ کتاب کا درجہ رکھتا تھا۔ مشاہدے کی باتیں تھیں، دیکھے ہوئے واقعات تھے۔ سامنے گزری ہوئی داستانیں تھیں اگر ان سب کو تحریر کروں تو الگ ایک کتاب کا موضوع بنتا ہے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ زندگی میں روشنیاں زیادہ ہیں۔ اندھیرے کم ہیں۔ روشنی میرے اردگرد پھیلتی ہے۔ میری رہنمائی کرتی ہے۔ میری ذات کی تاریکی کو روشنی میں بدل دیتی ہے۔ ان صحبتوں سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان بزرگوں کے قرب سے، ان کی گفتگو سے، ان کی پاکیزہ زندگی سے، ان کے علمی کمالات سے اکتسابِ روحانی کرتا ہے۔ یوں تو ہر بزرگ اپنے دامنِ کرم میں ایسے ایسے گلہائے رنگا رنگ رکھتا ہے جس سے قلب مطمئن اور ذہن آسودہ ہو جاتا ہے۔ جو ان کے باطنی کمالات کا حصّہ ہوتا ہے۔ مگر میرے مرشد و مربی حضرت عبدالقادر رائے پوری

Marfat.com

نور اللہ مرقدہٗ کی خدمتِ اقدس میں گزارے ہوئے چند لمحات زندگی کی فصل کے ایسے سدابہار پھول ہیں جن سے آج بھی دل و دماغ معطّر ہے ذہن کے گوشے گوشے میں ان کی صحبت میں گزرا ہوا ایک ایک لمحہ روشن ہے۔ وہ یادیں، وہ باتیں وہ قرب کے لمحات میرے لئے آخرت کا زادِ راہ، طمانیتِ قلب کا باعث، مکروہاتِ دنیا سے بے رغبتی کا سبب، اور قلب و نظر کی پاکیزگی اور اعمالِ صالح کی ترغیب کا موجب ہیں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت، خداوندِ کریم کا سب سے بڑا کرم اور مسرّتوں کا سب سے بڑا خزانہ حضرتِ اقدسؒ سے وابستگی اور ان کے حلقۂ ارادت سے منسلک ہونے کا شرف ہے۔

مختلف جگہوں پر حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں شرکت کی، ہر بار ایک نیا سرور ایک نئی تازگی، ایک نئی کیفیّت سے ہمکنار رہا۔ ہر بار باہر کی دنیا سے اسے یکسر مختلف پایا۔ مادّی دنیا کے بوجھ سے نجات ملتی ہوئی دکھائی دی —— ان کے حلقہ بگوشوں میں ہر فرد کو لطافت کا پیکر، اخلاق کا مجسّمہ، زہد و ورع کی تفسیر، شرافت و بزرگی کا آئینہ، علم و فضل کا مصدر، عبادت و ریاضت کی شہادت پایا۔ اس فضا میں روحانیّت کا مشاہدہ کیا جاسکتا تھا —— ایمان و یقین کی مشعلوں کو تابندہ دیکھا جاسکتا تھا —— اس روحانی فضا کا ایک ایک لمحہ قلب و نظر کو سیراب کرتا چلا جاتا تھا —— ایک عجیب کشش تھی جو دلوں کو حضرتؒ کی ذاتِ گرامی کی طرف لئے جارہی تھی —— میرے لئے غیب سے سامانِ ہدایت مہیّا کیا جارہا تھا۔

فیصل آباد میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف لاتے تھے تو رائے پور شریف سے ان کی آمد کی خبر بہار کے جھونکوں کی طرح پھیل جاتی تھی۔ جہاں جہاں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کا پروگرام بنتا، اس شہر کے لوگ چشم براہ رہتے۔ ایک ایک لمحہ بیتابی سے گزرتا، مریدین، معتقدین، بزرگانِ دین، علمائے کرام، حفّاظ، مفسّرین، محدّثین ان کی زیارت کے لئے بیتاب ہوتے، ان کی صحبتِ مقدّسہ سے اکتسابِ فیض کرنے کے متمنّی رہتے، یہ ان کے لئے روحانی درس کے لمحات ہوتے، دینی کتب کے مطالعے کا حاصل دیکھنے، مسائلِ شریعہ کا مشاہدہ کرنے، بزرگوں کے پڑھے ہوئے واقعات کو متشکّل دیکھنے کے لئے شب و روز حضرتؒ کی خدمت میں حاضر رہتے
سٹیشن پر مشتاق کا حلقہ وفورِ محبت سے برستی آنکھوں سے ان کا استقبال کرتا۔ ادب کی منازل،

Marfat.com

محبت کے سلیقے، احترام کے قرینے، شوق کے لمحات ہر لحظہ دیکھنے میں آتے، عقیدت و احترام سے اس شخص کی اندرونی کیفیت کا پتہ چلتا تھا۔ ہر شخص کے احترام و محبت کا رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی سیاسی شخصیت ہو تو احترام کی قندیل سینوں میں روشن نہ ہو گی، اس کا احترام اُس سے میل جول، اس سے وابستگی اور تعلّق زندگی کے معمولات سے ہو گا۔ مگر روحانی شخصیّتوں، خدا کے برگزیدہ بندوں، مقرّبانِ بارگاہِ الٰہی کے ادب و احترام کا انداز ہی جدا ہوتا ہے۔ لوگ دل کی دھڑکنوں، محبّت و عقیدت کے آنسوؤں، نیازمندی و جاں نثاری کے جذبات سے ان کا استقبال کرتے ہیں۔ قربِ الٰہی، ریاضت و مجاہدہ، تزکیۂ نفس اور دنیوی علائق سے قطعِ تعلّق نے ان کو لوگوں کے دلوں کے نزدیک کر دیا ہوتا ہے۔ ان کے لئے خلوت اور مخلوقِ خدا کا اژدہام ایک برابر ہوتا ہے۔ کسی حالت میں بھی ان کا قلب ذکر اللہ سے فارغ نہیں ہوتا وہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے یادِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی بے نفسی نے انہیں ہر شے سے بے نیاز کر دیا ہوتا ہے۔ لوگوں کی عقیدت، دنیوی جاہ و جلال، ارادت مند لوگوں کا ہجوم، مال و منال ان کے قلبِ اطہر پر ذرّہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ان کو طمانیتِ قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے جو دنیا کی تمام نعمتوں اور لذّات سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ کثرتِ ذکر نے ان کو دنیا کے تمام مسائل، دنیا کی دلچسپیوں، دنیا کے تمام جھمیلوں سے فارغ کر دیا ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یاد آ گیا۔ آپ بغداد تشریف لائے۔ اس دَور کے جلیل القدر محدّث تھے اور محدّثین میں بلند مقام رکھتے تھے۔ بغداد کی آبادی ذوق و شوق سے ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آ گئی، ہزاروں کا مجمع تھا، ہر ایک کے ہاتھ میں قلم دوات اور کاغذ تھا، تشنگانِ علم کی یہ آرزو تھی کہ یہ جلیل القدر محدّث حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کوئی حدیث بیان فرمائیں اور یہ اس کو ان کے الفاظ میں لکھ کر اپنے لئے سعادت کا سامان مہیّا کریں۔ ہر شخص شوق کا پیکر، ہر انسان مجسّم انتظار، ہر آنکھ زیارت کے لئے بیتاب تھی، ان کے چہرے شادمانی و مسرت کے آئینے تھے۔ ان کی بے تابی ان کے خلوص کا مظہر تھی۔ عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ دنیوی اعتبار سے جاہ و جلال کے مالک نہ تھے۔ مگر ان کے قلب میں نور کا خزانہ موجود تھا ان کے پاس وہ دولت تھی جس کے لئے شاہانِ زمانہ ترستے تھے۔ یہ عزّت و احترام حضورِ اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت کی وجہ سے تھا، شاہانِ زمانہ کے مقابر مٹی کے ڈھیر بن کر رہ جاتے ہیں۔ مگر غلامانِ بارگاہِ رسالتؐ مرکزِ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں ان کے مزار عقیدت کے مراکز، ان کی خانقاہیں رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن جاتی ہیں۔ خلیفۂ وقت کی بیگم زبیدہ نے عقیدتمندوں کی یہ کیفیت دیکھی تو خلیفہ ہارون الرشید سے کہا کہ بادشاہ تو یہ فقیر ہے ———

طلبِ حق کی منزل سے لے کر رضائے حق کی منزل تک کا سفر ایک داستانِ طویل ہے۔ ہمارے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ سفر کے آغاز سے لے کر محبوبیت کے اس مقام تک کن کن مجاہداتِ نفس اور محنتِ شاقہ سے گزرے ہیں اس کی داستان بہت طویل ہے۔ ان کی زندگی کے حالات سے ان کی عظمت، ان کی بے نفسی، ان کی اپنے مرشد سے بے پناہ محبت و عقیدت، خدمت کے جذبے اور مسلسل طلب کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ" کے عنوان سے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے حالات مستند طور پر درج کر دیئے ہیں جس کی ایک ایک سطر، جس کا ایک ایک واقعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بلندی درجات کی نشاندہی کرتا ہے۔

آپ کا آبائی وطن ڈھڈیاں شریف ہے۔ کس کو معلوم تھا کہ دُور افتادہ دیہات کا ایک لڑکا جب سلوک کی منزلیں طے کرے گا اور اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی خدمت اس خلوص، اس انہماک سے کرے گا کہ شیخ کے باطنی ورثہ کا وارث ہوگا، بڑے بڑے مشائخ، جلیل الشان محدث، مفسرین کرام اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھیں گے، اور اس کی صحبت کا ایک ایک لمحہ ان کیلئے اکتسابِ فیض کا باعث ہوگا۔ غالباً اس دور میں علمائے کرام کا ایک گروہ جو حضرتؒ کے دامنِ کرم سے وابستہ رہا کسی اور بزرگ سے وابستہ نہیں رہا۔ ہر بزرگ دامنِ طلب لیکر آتا اور اپنے دامن میں مرادوں کے گہر لیکر لوٹتا۔ اس حلقے میں خطیبِ اعظم سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود ہوتے، مولانا سید ابوالحسن ندوی جیسا عالمِ دین بھی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا جیسا عظیم المرتبت انسان بھی، مجھ جیسا عاصی و خاطی بھی۔ یہ مقام صرف علم کا مرہونِ منت نہیں اس کے لئے شب و روز کا ذکرِ الٰہی، خواہشاتِ دنیوی کا ترک

Marfat.com

کرنا اور رجوع الی اللہ کے بلند مقام کا حصول ضروری ہے۔

خانقاہ شریف میں حضرتؒ کے معمولات کا پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک انسان عبادات و وظائف کو کس درجہ پورا کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے حضرت کی خدمت کس انداز سے کرتا ہے۔ مولانا منظور صاحب نعمانی نے خود حضرتؒ کے حوالے سے لکھا ہے۔

"فرماتے تھے کہ مسلسل دس سال ایسے گزرے کہ ہم لوگوں کو جو طالبین کی حیثیت سے خانقاہ میں رہتے تھے ایک دن میں صرف ایک روٹی ٹکیہ کی ملتی تھی اور وہ بھی درمیان سے بالکل کچی ہوتی تھی جو صاحب پکانے والے تھے انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ روٹی سکی یا نہیں سکی سالن یا دال ترکاری کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ گاؤں سے کسی دن چھاچھ آجاتی تو کھانے پینے کے لحاظ سے ہم خانقاہ والوں کے لئے گویا عید کا دن ہوتا" فرماتے تھے۔ اس علاقہ (یوپی) کے ہمارے ساتھی تو وہی ایک روٹی آدھی آدھی کر کے دونوں وقت کھاتے تھے بچپن میں پنجاب کا رہنے والا تھا اس لئے ایک ہی وقت میں کھا لیتا تھا اور دوسرے وقت بس اللہ کا نام"۔

خانقاہی زندگی کی داستان بیان کرتے کرتے فرمایا" اسی طرح جب چائے کی پتی بچ جاتی، میں اس کو سکھا لیتا جو گڑ رکھے رکھے پرانا اور خراب ہو جاتا میں اس کا شربت پکا کر اس کا شیرہ چائے میں ڈال کر اس سے روٹی کھا لیتا تا کہ جلدی لیٹ جاؤں اور حضرت (شاہ عبدالرحیم نور اللہ مرقدہٗ) کے اٹھنے سے پہلے ایک بجے حاضر ہو جاؤں۔

رہائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا" رہائش کیلئے حافظ یوسف علی صاحب کے چھپر میں جہاں ان کی گھوڑی بندھتی تھی ان کی اجازت سے ایک طرف صاف کر کے اس پر اپنا بستر لگا دیا۔ ایک گھوڑے پر سے ایک پھٹا ہوا کمبل ملا تھا اس کو دھو کر وہاں بچھا دیا۔ یہی بستر تھا اس کو اتنی تہیں دیں کہ اس کے سوراخ بند ہو گئے۔ چودہ سال تک یہی بستر رہا" یہی جائے نماز، خانقاہ میں اس وقت ایک ہی لالٹین تھی۔ وہ حضرت کے حجرے میں رہتی۔ دوسری لالٹین تھی ہی نہیں"۔

رائے پور شریف میں سانپوں، بچھوؤں اور حشرات الارض کی کثرت ہے، فرماتے تھے کہ میں نے ایک ٹوٹا ہوا بانس اٹھا لیا۔ وقتاً فوقتاً اس کو بجاتا رہتا تھا کہ کوئی کیڑا اور سانپ نہ آئے۔ بحمد اللہ سوائے ایک مرتبہ کے کہ۔ ایک کنکھجورا آیا کبھی کوئی اور واقعہ پیش نہیں آیا۔

Marfat.com

ایک مرتبہ فرمایا کہ سردی کا موسم تھا میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھانے کا نہیں تھا، شام کو مغرب سے لے کر عشا تک وضو کے لیے جہاں پانی گرم ہوتا تھا وہیں بیٹھا رہتا تھا اور اپنا وظیفہ پڑھتا رہتا تھا۔ پھر نمازِ عشا کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی میں اپنے آپ کو لپیٹ لیتا تھا۔ مگر اس میں بھی پاؤں اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر چٹائی میں رہ کر اس سے باہر نکل آتا تھا اور ذکر شروع کر دیتا تھا اور ساری رات ذکر کی گرمی سے گزارتا، اسیطرح سارا موسم سردی کا ختم ہوگیا مگر نہ میں نے کسی سے ذکر کیا اور نہ کسی پر ظاہر ہوا۔ فرماتے تھے کہ سردی تو اس طرح گزر گئی مگر اس کے بعد کوئی سردی ایسی نہیں آئی، جس میں کم از کم ایک رضائی نئی نہ آئی ہو۔

اس مختصر سے مضمون میں مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات نہیں لکھنا ہے، مذکورہ بالا دو چار واقعات اس لئے ضروری تھے کہ جویانِ حق کو طالبانِ رضائے الٰہی کو کن کن مشکلات، کن کن کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جہاں بہت سوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ بہت سے منزل ہی میں پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، بعض کے حوصلے جواب دے جاتے ہیں۔ مگر خداوندِ کریم کا جس شخص پر خصوصی کرم ہوتا ہے وہ اس طلب کی چنگاری کو باوجود نامساعد حالات کے باوجود دشوار گزار منزلوں کے روشن سے روشن تر کرتا رہتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قیام لاہور ہوتا تو سارے پاکستان سے عقیدت مند پروانوں کی طرح اس شمع معرفت کے گرد جمع ہو جاتے، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ہمرکاب مفسّرینِ کرام اور فقہائے عظام کا گروہ ہوتا۔ جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ قیام فرماتے وہاں کی فضا نورانی ہو جاتی۔ شب و روز اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہوتا رہتا خدائے واحد و قدّوس کی یاد سے فضا منوّر رہتی۔ سب کی نگاہوں کا مرکز اس بزرگِ جلیل کا چہرہ ہوتا۔ اس مبارک چہرے کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے، اس کا قرب حاصل کرنے، اس سے اکتسابِ روحانی کرنے کا ہر شخص خواہش مند ہوتا۔ وہ مبارک چہرہ تقویٰ و طہارت کے نور سے منوّر رضائے الٰہی کی خوشبو سے معطّر، جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی کا جمال لئے آنکھوں کو بصیرت اور دلوں کو مسرّت و شادمانی کی دولتِ فراواں تقسیم کرتا رہتا۔ علمائے کرام اس حلقۂ نور سے اکتساب کر رہے ہیں۔ مفسّرینِ کرام

Marfat.com

ارشادات سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہیں، قلوب دنیا کی آلائشوں سے پاک ہو رہے ہیں، دلوں کا زنگ دُور ہو رہا ہے۔ ذہن کی کثافتیں ڈھل رہی ہیں، خیالات کا رُخ، افکار کا دھارا، جذبات کی رَو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی یاد سے جگمگا اُٹھی ہے، علما کا مجمع ہے، حفّاظ کا گروہ ہے۔ متقی لوگوں کا اجتماع ہے۔ مجھ جیسا گنہگار بھی موجود ہے۔ سب جھولیاں بھر رہے ہیں۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک حرف کو حرزِ جاں بنا رہے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا ایک ایک لمحہ ان کے لیے زندگی کی متاعِ عزیز ہے۔ وہ ان لمحات کو اس گفتگو کو ذہنوں کے اوراق پر تحریر کر رہے ہیں۔ مجمع ادب و احترام کی تفسیر ہے۔ آواز تو کیا سرگوشی کا انداز بھی نہیں۔ روحیں بیدار ہو رہی ہیں۔ قلب کی دھڑکنیں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی توصیف میں مصروف ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجاہدے اپنی ریاضت کی دولت تقسیم فرما رہے ہیں۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شب و روز کی محنت نے مجاہدۂ نفس کی آخری منزل کو چھُو لیا ہے۔ اس بے ثبات دنیا کی طرف رغبت کا تصوّر بھی مفقود ہو چکا ہے، یہ پیکرِ تقویٰ، یہ مردِ بزرگ، یہ درویشِ خدامست کام و دہن کی لذّتوں سے نا آشنا ہو چکا ہے۔ اس کو ذکرِ الٰہی میں میں جو لذّت نصیب ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس کو شب بیداری میں جو راحت ہے اس کا کون تصوّر کر سکتا ہے۔ اس کو اللہ کی طرف لَو لگانے میں جو روحانی تسکین میسّر ہے۔ اس سے کون باخبر ہو سکتا ہے ——

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات، ان کی روحانی عظمت، ان کی بزرگانہ رفعت کے واقعات سن چکا تھا، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ممتاز علمائے دین، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں کا ذکر والہانہ انداز میں کرتے تھے اور ان کی صحبت کے ایک ایک واقعہ کو بڑے فخر سے بیان کیا کرتے تھے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی نسبت کو انتہائی خوش بختی کی دلیل سمجھتے تھے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کا انداز، ان کی شریعتِ مطہرہ پر کامل پابندی، ان کی دنیا سے بے رغبتی کے واقعات، سُن سُن کر اشتیاقِ زیارت فزوں ہو گیا، اس گنہگار کو مدّت سے ایک درویشِ کامل ایک عالمِ باعمل ایک فقیرِ خدامست کی جستجو تھی۔ جس کی بیعت سے دل کی تاریکیاں دُور ہوں

Marfat.com

جس کی صحبت سے دل کا زنگ اُتر جائے جس کی خاص توجہ سے باطن صاف اور منزّہ ہو جائے۔

ایک روز مجھے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی فیصل آباد میں آمد کی اطلاع ملی، یوں معلوم ہوا کہ دل کی کلی کھل گئی۔ جستجو کی منزل دکھائی دی۔ آرزوؤں کے گلشن میں یکایک بہار آگئی۔ ایک رفیقِ محترم کے ساتھ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے خالصہ کالج کی مسجد میں پہنچ گیا۔

زندگی میں بیشمار بزرگوں کی صحبتوں میں رہا "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" ہر مجلس سے کچھ نہ کچھ اخذ کیا ——— میری زندگی کے اوراق پر بے شمار تحریریں رقم تھیں۔ ان میں سے کچھ مدّھم پڑ گئی تھیں، کچھ دھندلا گئی تھیں۔ کئی تحریروں کے حروف مٹ چکے تھے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ گزری ہوئی صحبتوں کے نقوش مٹتے اور بنتے رہے۔ مگر نظر کو جس بزرگ ہستی کی جستجو تھی، جس پیکرِ تقویٰ کی تلاش تھی، اس کی زیارت سے نگاہیں محروم تھیں اس تلاش میں جانے کتنی جگہ پڑاؤ کیا، مگر دل کہیں نہ اٹکا، روح کی تشنگی برقرار رہی، اس کشمکشِ حیات میں زندگی کے اٹھتیس سال گزر گئے، آخر جذبہ رنگ لایا۔ امّید کی کرن افق سے نمودار ہوئی اور وہ صبحِ سعادت نمودار ہوئی جس کی تمنّا میں زندگی کا بیشتر حصّہ گزر چکا تھا۔

مسجد میں داخل ہوتے ہی دل و نگاہ کی دنیا آباد ہو گئی، باہر کی زندگی کے نقوش یکسر غائب ہو گئے۔ روحانیّت کی فضا تھی، پاکیزگی کا ماحول تھا، چہروں پر عبادت و ریاضت کا نور، لباس پر اتقا کا رنگ، گفتگو میں دین کی خوشبو، دلوں میں اخلاص کی مہک، نشست و برخاست میں اتباعِ سُنّت، مجاہدۂ نفس کے چلتے پھرتے پیکر، خشیتہ اللہ کی تفسیریں، عشقِ الٰہی کی تصویریں نظر آئیں۔ گویا مسجد کے اندر کی مخلوق باہر کی مخلوق سے ہر لحاظ سے مختلف تھی ——— ایک بزرگ کی صحبت میں ہر شخص رنگا ہوا تھا ——— ایک ہی روپ کے سینکڑوں انداز ———

بجانے کونسا قبولیّت کا لمحہ تھا جب بارگاہِ ایزدی میں گڑگڑا کر دعا کی کہ اے ربِّ ذوالجلال اے خالقِ کائنات مجھے اُس نیک سیرت بزرگ کے دامن سے وابستہ کر دے۔ جس کو تیری رضا حاصل ہو، دعا قبول ہوئی، دل نے گواہی دی کہ یہی تیری منزل ہے آنکھوں نے تصدیق کی کہ جس کی تلاش میں تو مدّت سے سرگرداں تھا۔ وہ یہی بابرکت شخصیّت ہے، وہ یہی بزرگ ہستی ہے۔ اس کے دامن سے خود کو وابستہ کر لے۔ دین و دنیا کی کامرانیاں تیرے قدم چومیں گی اس

Marfat.com

پاکیزہ ہستی سے رشتہ جوڑلے تیری دنیا اور عقبیٰ سنور جائے گی۔ اس کی صحبت سے فیضیاب ہو تمام عمر کی کلفتیں دور ہو جائیں گی، فرطِ شوق اور حصولِ مقصد کی مسرّت سے آنکھوں سے برسات برسنے لگی، مسرّت و شادمانی نے گفتار پر پابندی لگادی ادب و احترام نے قدم آہستہ رکھنے کی تلقین کی ——

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ کمرے میں تشریف فرما تھے۔ معتقدین، مریدین مختلف حلقوں میں ذکر میں مصروف تھے، ان کی صدا دامنِ دل کھینچ رہی تھی۔ اپنے معبودِ حقیقی سے لَو لگائے ہوئے دنیا و ما فیہا سے بے خبر یہ حلقے نور کے دائرے معلوم ہوتے۔ معلوم ہوتا تھا انوار کا نزول ہو رہا ہے یہ کیفیات دیکھ کر اپنے قلب کا جائزہ لیا۔ خلا ہی خلا تھا، زندگی کے اتنے سال بے مقصد گزر گئے۔ خدا تعالےٰ کو پکارنے کا انداز بھی نہ سیکھا۔ کیسی غفلت تھی، زندگی ویرانوں میں بسیرا کرتی رہی۔ میں حیرت و استعجاب سے، ندامت و شرمندگی سے اپنی گزری ہوئی زندگی پر پشیمان ان مقبولانِ بارگاہ کی طرف دیکھ رہا تھا، ماحول کا حسن، خانقاہ کا سا انداز صرف ایک وجود سے وابستہ تھا —— یہ اس کی چشمِ التفات اور توجّہ باطنی کا اعجاز تھا جس نے دلوں کو اللہ تعالےٰ کے ذکر کی طرف رجوع کر رکھا ہے۔ ان کے استغراق کا یہ عالم ہے کہ وہ باہر کی دنیا سے دنیا کی گرد کو اپنے دامن سے جھاڑ کر پاکیزہ فضا کا حصّہ بن چکے ہیں، ہزار ہا خیالات نے دل و دماغ کو گھیر لیا —— میں اسی محویّت کے عالم میں تھا کہ کسی نے مولانا آزاد فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کمرے تک میری رہنمائی کی ——

مولانا آزاد فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے مستقل امام تھے۔ سفر میں حضر میں، وہ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہوتے۔ حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد دنیوی امور کو تج کے، تمام مشاغل کو ختم کر کے رائے پور شریف کی خانقاہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے ایک لمحے کی جدائی گوارا نہ تھی۔ بڑے بڑے جیّد علماء اس خوش بخت انسان کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں زمانے کے مشہور قرّاء حضرات بھی تھے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کا شرف مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا مقدر بن چکا تھا۔ یہ شرف کی انتہا اور خوش قسمتی کی معراج تھی کہ ایک مخدومِ زمانہ، ایک یگانۂ روزگار

Marfat.com

بزرگ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا میں بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو،

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چہرے پر طمانیتِ قلب کا نور تھا، گفتگو نستعلیق، کمرے کی ہر شے نفاست اور حضرت مولانا کی لطافتِ طبع کی آئینہ دار تھی۔ ایک بزرگ سے نسبت کی وجہ سے مولانا آزاد کی شخصیت بڑے بڑے جیّد علماء کی توجّہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔
شب و روز ان کے کمرے میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کا ایک حلقہ موجود رہتا۔
ہر شخص مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پُرکشش گفتگو سے متاثّر ہوتا۔ ان کی ضیافت سے محظوظ ہوتا۔
مؤدّبانہ سلام کر کے ایک طرف دو زانو ہو کر بیٹھ گیا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے التفات فرمایا، نام پوچھا عرض کیا اس گنہگار کو سراج الحق کہتے ہیں، فیصل آباد ہی کا رہنے والا ہوں۔
محتاجِ کرم ہوں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کی کشش کھینچ لائی ہے۔ اس دوران نجانے کس نے شاعر کی حیثیت سے میرا تعارف کرا دیا۔ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر تبسّم کی ضیا پھیل گئی، فرمایا کبھی ہم بھی شعر کہا کرتے تھے۔ پھر ماضی کے اوراق الٹنے لگے، مشاعروں کے تذکرے، جگر مراد آبادی کے ساتھ گزاری ہوئی بیسیوں محفلوں کا ذکر کیا، مشاعروں میں شرکت کے قصّے سُنائے۔ ان کی گفتگو ادیبانہ حسن لئے ہوئے تھی۔ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی جاذب شخصیت تھی کہ ایک بار ملاقات کے بعد ان سے ملنے کی تمنا بیدار رہتی تھی۔ دینداری کے لباس میں ایک مشفق وجود میرے سامنے تھا۔ گھنی داڑھی، کشادہ سینہ، نفیس لباس، شُستہ گفتگو، مہذّب لہجہ، خانقاہی آداب سے کماحقہٗ آگاہ، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی حلقہ بگوشی پر نازاں ـــــ
ان کے دامن سے وابستگی کے بعد تمام ادبی مصروفیتیں یک قلم موقوف کر دیں شاعری جو کبھی ان کی زندگی کا خوبصورت ترین مشغلہ تھا ختم ہو گیا، دل بیدار ہو چکا تھا، دنیا کی حقیقت آئینہ ہو گئی تھی، چند روزہ زندگی کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ زندگی ابدی زندگی کی تیاری کے لئے وقف کر دی۔
ایک اللہ والے سے وابستگی نے دنیا ہی بدل ڈالی ـــــ میں سوچ رہا تھا کہ جس نے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے دامن کو پکڑا ہر غم سے آزاد ہو گیا۔ ـــــ

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نماز کے اوقات کے بعد اپنے کمرے میں تشریف لے جاتے تھے سارا دن اس پاکیزہ ماحول میں گزرا۔ یہ پہلا دن زندگی میں شمار ہوا۔ یہ لمحات حاصلِ حیات ہو گئے۔

Marfat.com

زندگی دن رات کے پیمانے سے نہیں ناپی جاسکتی زندگی ایک نصب العین کے تحت گزارنے کو کہتے ہیں۔ جس شخص کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو وہ بے مصرف زندگی گزارتا ہے ——

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مجھے آج تک یاد ہے۔ جامع مسجد چشتیہ میں کلام پاک سنا رہا تھا۔ اس حاضری کی شب مجھے اٹھائیسواں پارہ تلاوت کرنا تھا۔ دو رکعت کے بعد یہ احساس متشکل ہو کر سامنے آگیا کہ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کلامِ پاک کی سماعت فرما رہے ہیں تلاوت کا لطف دوچند ہو گیا۔ عجیب کیفیت پیدا ہوئی، سرشاری کا عالم تھا۔ رات کو حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے قرب سے نوازا، دلی تمنا بر آئی، رات مہک اٹھی، میرے ستارے نے خوش بختی کی معراج حاصل کر لی تھی۔

نمازِ فجر سے فارغ ہو کر پھر دارِ راحت میں پہنچ گیا۔ یہ آخری جمعۃ المبارک کا دن تھا —— رمضان المبارک کا مہینہ ویسے ہی اپنے جلو میں رحمتوں، برکتوں اور ساعتوں کی گھڑیاں لیے ہوتا ہے۔ آج مجھے وہ اعزاز نصیب ہونے والا تھا جو میرے لیے وجہِ ناز تھا۔ ہر طرف عشاق کا ہجوم تھا۔ دُور دُور سے معتقدین حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہونے، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کی غرض سے حاضر ہو رہے تھے۔ میں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود ضعیف العمری کے مولانا اُٹھے مجھے گلے لگا لیا۔ مجھ کو ابدی راحت کی نوید مِل گئی۔ ایسے محسوس ہوا کہ آج حلقہ بگوشی کا شرف نصیب ہونے والا ہے ——

جمعہ کی نماز ادا کی گئی۔ جب مجھے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی محفلوں میں باریابی نصیب ہوئی، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ معذور ہو چکے تھے۔ عمر بھر کی ریاضت، مجاہدات اور ذکر و فکر سے اعضا جواب دے چکے تھے۔ اُٹھنے بیٹھنے تک کی سکت نہ رہی تھی، مگر اس معذوری کی حالت میں بھی تبلیغ کا جذبہ، دین کی خدمت کا شوق انہیں لیے پھرتا تھا۔ ان کو وضو کرانے اٹھانے بٹھانے کی خدمت بھی خدام ہی سرانجام دیتے تھے۔ ان دنوں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ بات بھی بہت کم کرتے تھے، اس کمزوری اور نقاہت کے باوجود معمولات میں فرق نہ آیا تھا۔ ذکر و اذکار، اوراد و وظائف اسی طرح جاری تھے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ حضرتِ اقدس

Marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ یادِ الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ یادِ الٰہی ان کی زندگی کا جزدان کی روح کی غذا تھی۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی معمولی لباس پہنتے تھے۔ دھوتی، سادہ کرتہ معمولی سی کپڑے کی ٹوپی یہ مختصر سا لباس تھا۔ اس لباس میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ سب سے وجیہہ سب سے خوبصورت نظر آتے تھے۔ مجمع کی نگاہوں کا مرکز یہی چہرۂ انور تھا۔ سارے دلوں کی دھڑکنوں میں اسی ایک مقدس انسان کی محبت کے نغمے تھے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ شریف میں حضرت شاہ عبدالرحیم نوراللہ مرقدہٗ کی جو خدمت جس جذبے، جس خلوص، جس محبت و عقیدت سے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کہن سالی اور معذوری میں اس کا کئی گنا صلہ عطا فرمایا۔ خدام حضرت کی ہر خدمت کو اپنی خوش بختی تصوّر کرتے تھے۔ ان کے معمولات کا خاص خیال رکھتے تھے، ان کی خدمت میں پہروں خاموش بیٹھے رہتے تاکہ حضرتؒ کسی خدمت کے لیے ارشاد فرمائیں تو وہ تعمیلِ ارشاد کریں — راقم الحروف نے معزز شخصیتوں، بیشمار بندگانِ خدا کے خدّام کو دیکھا۔ یوں تو بزرگوں کی محفل کا ہر خادم خلوص کا پیکر ہوتا ہے۔ مگر ہمارے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خدّام کا حال عجیب تھا۔ وہ خلوص سے بڑھ کر عشق کے درجے تک پہنچا ہوا تھا۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کا فیضان اور اپنے مرشد و مربی حضرت شاہ عبدالرحیم نوراللہ مرقدہٗ کی دعاؤں کا ثمرہ تھا ——

نمازِ جمعہ کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ چشمۂ فیض جاری ہوگیا، پیاسی روحیں سیراب ہونے لگیں، بارگاہِ خداوندی میں گناہوں کی معافی کے لمحات تھے۔ خوش بختوں کی ایک جماعت حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی منتظر تھی۔ اس روزِ سعید بہت سے لوگوں کو حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی کا اعزاز ملنے والا تھا۔ یہ فقیر بھی دامن پھیلائے کرم کا طالب تھا۔ ہر آدمی سائل تھا۔ یہ بھیک روحانیت کی بھیک تھی۔ یہ التجا دلوں کے زنگ کو دور کرنے کی تھی، یہ درخواست اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی دلوانے کی تھی، یہ دامن نیکیوں کو سمیٹنے کے لئے پھیلائے تھے۔ یہ آنسو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بہہ رہے تھے۔ ان کے قرب کے لمحات پر مادّی دنیا کی پرچھائیاں بھی نہ پڑی تھیں۔

آخر وہ سعادت کی گھڑی آئی۔ جب اس گنہگار نے اپنا ہاتھ ایک بزرگِ کامل کے ہاتھ

Marfat.com

میں دیا۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے دھیمی آواز میں گناہوں سے توبہ کرائی، پندو نصائح کیے۔ نماز باقاعدگی سے پڑھنے کی تلقین فرمائی، صبح و شام کے اوراد و وظائف بتاتے، دعائے خیر کی۔ ان چند کلمات سے قلب و نظر جگمگا اٹھے، روح پر انوار کی بارش معلوم ہوئی، زندگی کے کاندھوں پر کثافتوں کا بوجھ ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔ ندامت کے آنسو چہرے پر بکھر گئے، گناہوں کا غبار آنسوؤں میں بہتا نظر آیا۔ دل کو سکون کی دولت میسّر ہوئی، برسوں کی جستجو ایک خوبصورت موڑ پر آکر ختم ہوگئی۔ مجھے میری کاوش، میری جستجو کا انعام مل گیا، شاہراہِ زندگی جگمگا اٹھا۔ میرے ساتھ اور بہت سے خوش نصیبوں کو حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ ان میں علمائے کرام بھی تھے مجھ جیسا عاصی بھی، ایک بچّے نے بھی اپنا ہاتھ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور دعا کے لیے عرض کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، "تم تو معصوم عن الخطا ہو۔ تم مجھ گنہگار کے لیے دعا کرو"۔ یہ الفاظ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اس انداز میں کہے کہ ساری محفل آبدیدہ ہوگئی، دل میں خیال گزرا کہ ایسا پاکیزہ انسان جس کے دامن کے ساتھ پاکیزہ لوگوں کی ایک جماعت وابستہ ہے۔ وہ خشیتِ الٰہی کے کس مقام پر ہے یہ خشیتِ الٰہی بھی بلندیٔ درجات کا سبب ہوتی ہے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ میں انکسار اور عجز انتہا کو تھا ان کو اپنی پیری، اپنی بزرگی، اپنی عظمت کا ذرّہ بھر بھی احساس نہ تھا۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ کے قرب نے ان کی شخصیت کے کئی پہلو اجاگر کر دیے، بیعت کے بعد جو روحانی مسرّت اور قلبی اطمینان نصیب ہوا، وہ زندگی میں کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ اس کو الفاظ میں بیان کرنا کسی طرح ممکن نہیں، طبیعت میں سرشاری کا عالم تھا حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس برخاست ہوئی، گھر تک آتے آتے نجانے کتنے شعر ہوگئے، میں شعر گنگناتا جاتا تھا، مسرّت کے آنسو بہہ رہے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے سلسلے میں تھے کہ خداوندِ کریم نے اپنے فضل و کرم سے زندگی کو برباد ہوتے سے بچا لیا۔ زندگی کو عافیت کا کنارا نصیب ہوا ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

دو چار اشعار ابھی تک حافظے میں محفوظ ہیں ؎

وہ جس کی آرزو نے مدّتوں بیتاب رکھا تھا | خدا کا شکر ہے آنکھوں کو وہ جلوہ نظر آیا
چلو تم پر ہی اس کا فیصلہ ٹھہرا تمہیں کہہ دو | کہو ایمان کی تم کو کوئی ایسا نظر آیا

Marfat.com

ہوئی ہے جب سے نسبت عبدِ قادر سے مجھے حافظؔ
دلِ بیمار کو آرامِ جاں کیا کیا نظر آیا

سعادت کی دولت سمیٹ کر، دل کا بوجھ ہلکا کرکے، گناہوں سے تائب ہو کر جب مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے کمرے میں پہنچا تو آپ نے فرمایا کہو کیا حال ہے۔ کرم ہی کرم ہے آنکھوں سے چشمہ رواں ہو گیا۔ میری حالت دیکھ کر کہنے لگے مبارک ہو۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بعد میں اس روحانی فضا کا حصّہ بن گیا ہوں۔ مولانا انیس الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ خانقاہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جہاں اللہ ہُو، اللہ ہُو کی صدائیں بلند ہوتی رہتی تھیں، خدائے واحد و قدوس کی کبریائی سے فضا گونجتی رہتی تھی۔ آواز کے زیر و بم کے ساتھ دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو گئیں۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ طالبین و سالکین کی تربیّت ان کی طبیعت، ذوق و شوق مشاغل، ضرورت صحّت، تحمّل اور استعدادِ ترقّی کی صلاحیّت کا لحاظ کرکے مناسب تغیّر اصلاح فرمانے اور ہر ایک کے رجحان کے مطابق اس کو ذکر کی تلقین کرتے ایک مسترشد لکھتے ہیں :-

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ تربیّت بھی جداگانہ اور نرالا تھا۔ بعض لوگوں کو تو صرف درود شریف اور تیسرا کلمہ ہی بتایا اور ان کو ذکر کی اجازت مانگنے پر بھی ذکر کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اسی کو بڑھانے کے لئے فرمایا۔ بعض حضرات کو ذکر اور مراقبہ اور بعض کو کئی کئی چلّے بھی کرائے۔ اور بعض کو صرف تلاوتِ کلام پاک ہی کے لئے فرمایا کہ یہی تمہارا وظیفہ ہے اور بعض کو فرمایا کہ اب نوافل پڑھنا ہی تمہارا وظیفہ ہے۔ حضرتؒ کے ہاں یہ نہیں تھا کہ ذاکر کو ایک ہی مراقبہ یا شغل بتایا جائے بلکہ کسی کو کچھ مراقبہ اور کسی کو کچھ مراقبہ بتلایا۔

دوسری جگہ ماسٹر منظور محمّد صاحب حضرت کے شانِ اجتہاد اور طریقِ تربیّت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

میں نے اپنے فن میں ماہر ایسا پیرِ طریقت کہیں نہیں دیکھا، کوئی کیفیّت کوئی شخص بیان کرے حضرت رہنمائی فرماتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سب مقامات تفصیلی طور پر طے کئے

Marfat.com

ہوئے ہیں"۔

اورادو وظائف، ذکرواذکار، مراقبہ وغیرہ کا مقصود یقین کا پیدا ہو جانا ہے۔ جب کوئی سالک اپنی کیفیت کا ذکر کرتا تو یہی فرماتے کہ اصل کیفیت یقین ہے۔

ایک دفعہ گوجرہ میں ماسٹر منظور محمدؐ صاحب سے ملاقات کی غرض سے گیا۔ وہ بھی حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بگوش ہیں۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر با برکت ہوتا رہا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ماسٹر صاحب نے یقین کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بہت مشکل گھاٹی ہے۔ پھر فرمایا یقین کی دولت ہمیں بھی برسوں بعد نصیب ہوئی۔

بہرکیف حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے روحانی معالج تھے کہ ہر شخص کی افتادِ طبع، اس کے حالات اس کی استطاعت، اس کی لیاقت، اس کی مصروفیات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے "نسخہ شافی" تجویز فرماتے تھے۔ یہ ہر کسی کا کام نہیں اس کے لئے باطن کی روشنی، احوال سے مکمل واقفیت اور مرض کی صحیح تشخیص ضروری ہے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس سلسلے میں کمال کے درجے پر پہنچایا ہوا تھا۔ اس لئے ہر طبقے، ہر ماحول اور ہر استطاعت کے لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور دامن میں گوہر مراد لے لوٹتے تھے اس درسِ روحانیت میں جید علماء، مفسر حضرات، فقیہہ بھی شامل تھے۔ سلوک کی منزل علمِ ظاہری سے مختلف ہوتی ہے۔ علم ذہن کا اجالا ضرور ہوتا ہے۔ باطن کا نور سلوک کے راستے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سلوک کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے شیخ الحدیث مولانا محمدؐ زکریا صاحب نے بھی ہمارے حضرت کی طرف ہی رجوع کیا ——— اور حضرت ہی کے ارشاد پر "تبلیغی نصاب" لکھا جو لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوا۔ ہزاروں مساجد اور مقامات پر اس کا باقاعدہ درس ہوتا ہے۔ ان گنت لوگوں نے اس کتاب سے اکتسابِ فیض کیا۔ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی قبر کو کشادہ اور عنبریں رکھے۔ آمین

بیعت کے بعد جتنے روز حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ کا فیصل آباد میں قیام رہا۔ ہر روز حاضری کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ حضرتؒ کی مجلس تو نمازِ عصر کے بعد جمتی۔ خدام حضرتِ

Marfat.com

اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی چارپائی مسجد کے صحن میں لے آتے، خدّام، معتقدین حضرت کی چارپائی کے گرد حلقے میں بیٹھ جاتے، ہر شخص نظریں جھکائے ادب و احترام کا پیکر بنے خاموش درس کا حصہ بنا ہوا ہے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی توجّہ سے دلوں کو ہدایت کا نور نصیب ہو رہا ہے۔ ہر شخص اس نعمت سے مالا مال ہو رہا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی خادم کو کتاب پڑھنے کے لئے فرماتے۔ زیادہ تر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واقعات ہوتے ــــ یا بزرگانِ دین کی زندگی کے حالات، اس دوران بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجّہ جاری رہتی۔

میرے ایک ہم جماعت تھے۔ کالج میں چار سال اکٹھے رہے۔ کمیونزم کے مطالعہ اور غلط صحبت کی وجہ سے مذہب سے دوری ہو گئی۔ ملحدانہ خیالات بلکہ کفر کے کلمات زبان سے نکالتا۔ گھر والے اس کے اس رویّے سے سخت نالاں تھے۔ اس کی دریدہ دہنی کے سبب اس سے ملنا جلنا بھی ترک کر دیا تھا۔ ایک روز سفر کے دوران اس نے یہ واقعہ سنایا۔

میرے بھائی جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بگوش تھے۔ مجھے زبردستی حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ ڈرتے بھی تھے کہ کہیں یہ اُن کی مجلس میں بدتمیزی نہ کر بیٹھے، ان کا یقین تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں اس کے احوال کی درستی ہو جائیگی وہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو حضرتؒ صحن میں جلوہ فرما تھے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی جستجو میں ہوتے ہیں وہ تلاش کی منزل میں ہوتے ہیں لوگ انہیں ملحد کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ الفاظ سن کر اس شخص کی دنیا بدل گئی، نیازمندی کی ایک لہر دیدہ و دل پر چھا گئی، مرض دُور ہو گیا، معالج سامنے تھا، مرض کی تشخیص ہو چکی تھی، برسوں کا مرض ایک ہی جملے سے دُور ہو گیا، مجلس کے خاتمے کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ خاموشی سے چل رہا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے کہا کہ میں تو حضرتؒ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ میں اندھیرے میں تھا، یکدم دل و دماغ میں اجالا ہو گیا، گمراہی کا راستہ ہدایت کی منزل کی طرف مڑ گیا، گم کردہ راہ کو منزل کے چراغ نظر آنے لگے، یہ ایک ہی نظر کیمیا اثر کا کرشمہ تھا جس نے دل کی دُنیا ہی بدل ڈالی۔ اس مقام پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا ؎

سخت مشکل ہے مگر لُطفِ نظر ہونے تک
ایک پل چاہیئے قطرے کو گہر ہونے تک

Marfat.com

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مقامات، بلندیٔ درجات کا علم ہوا۔ وہ رائے پور شریف کی خانقاہ کے حالات سناتے اور حضرت کے مراتب بیان کرتے تو حیرت ہوتی کہ یہ مقامِ بلند ایثار و قربانی کی کیسی کیسی مشکل منازل طے کرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے

مولانا آزاد فتح پوری مجھ سے غزلیں اور نعتیہ کلام سُنتے۔ مولانا کا ادبی ذوق شعر فہمی اور تنقیدی نظر قابلِ رشک تھی۔ شعر میں اگر سقم ہوتا تو وہ برملا اس کا اظہار کرتے اس میں کبھی رُورعایت کے قائل نہ تھے۔ مشہور شعرا کے کلام پر تبصرہ فرماتے تو ان کی شعری بصیرت کے جوہر کھُل کر سامنے آجاتے فرماتے کہ غلط شعر کی داد دینا ادبی بد دیانتی ہے۔ اچھّے شعر پر داد نہ دینا بُخل ہے۔ مولانا کبھی کبھی فرمائش پر اپنی کوئی پرانی غزل سناتے تو ان کی قادر الکلامی، مضمون آفرینی اور جودتِ طبع کا پتہ چلتا مولانا آزاد کے شعر پڑھنے کا انداز جگر مراد آبادی جیسا تھا آواز اور انداز جگر صاحب سے ملتے جلتے تھے۔ اگر آپ کا حضرت سے تعارف نہ ہو تو معلوم ہو کہ جگر صاحب نغمہ طراز ہیں ——— میں نے ان کی مجلس میں شعری رموز سیکھے ان سے استفادہ کیا۔

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے نعت سنتے تو تعریف فرماتے۔ میں نے اپنا پہلا نعتیہ مجموعہ ان کی خدمت میں ارسال کیا، جب ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میں نے سرسری طور پر مجموعہ پڑھا سوچا کہ حفیظ جالندھری نے دوستی کی بنا پر تعریف کر دی ہے۔ پھر میں نے ناقدانہ نظر ڈالی۔ فرمایا الحمد للہ مجھے کوئی سقم نظر نہیں آیا۔ ان کا یہ فرمان میرے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنی پہلی حاضری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قیام لکھنو تھا۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں وضو کر رہا تھا سامنے حضرت وضو فرما رہے تھے "ایک نظر مجھے دیکھا لرزہ طاری ہو گیا۔ ایک نادیدہ خوف نے مجھے گھیر لیا۔ رواں رواں کانپنے لگا۔ جیسے اچانک شیر کے آنے سے دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔ حضرت نے دوسری نظر مسکراتے ہوئے ڈالی۔ خوف کی جگہ محبّت کے جذبات پیدا ہو گئے، پہلی ہی نظر میں گرفتاری ہو گئی" ——— دامن پکڑ لیا۔ باقی ماندہ زندگی ان کے قدموں میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دن سے آج کے دن تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درِ کرم پر پڑا ہوں۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا آزاد سے بہت محبت تھی۔ ان کی ایک روز کی جدائی

Marfat.com

بھی گوارا نہ تھی، جہاں بھی تشریف لے جاتے مولانا ان کے ہم رکاب ہوتے، راز و نیاز کی اکثر باتیں مولانا ہی سے کہتے، مولانا کی یہ انتہائی خوش قسمتی تھی کہ ایک مقربِ بارگاہِ خداوندی نے ان کو قرب کی لذتوں، رفاقت کی حلاوتوں اور دعاؤں کی نعمتوں سے نوازا ــــــ

رائے پور شریف کی خانقاہ کا ذکر چل پڑا تو مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ ایک رئیس جنہیں راؤ صاحب کہا جاتا تھا۔ انہوں نے خانقاہ کے مکینوں کی دعوت کی۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ معذوری کی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکتے تھے۔ میرے لئے اجازت لینے کے لئے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی مولانا آزادؒ کو بھی اجازت دیجئے کہ وہ بھی دعوت میں شریک ہوں۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم مولانا کو کیا کھلاؤ گے۔ پھر ہنستے ہوئے فرمایا کہ میں مولانا کو اس سے دس گنا پکوا کر کھلاؤں گا۔ میں مولانا کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتا وہ تو میری جان کے ساتھ ہیں۔ یہ واقعہ بیان کر کے مولانا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، کہا کہ حافظ صاحب حضرتؒ کی یہ محبّت ہی میرا سرمایہ ہے اور میرے پلے کیا ہے ــــــ

لکھنؤ میں بیعت ہونے کے بعد مولانا آزادؒ اور حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی خانقاہ شریف میں آگئے، وہیں مستقل رہنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ شریف میں ذکر کرتے ہوئے اشعار پڑھنے کی ممانعت کر رکھی تھی۔ مولانا کے دامن سے ابھی شاعری کی خوشبو لپٹی ہوئی تھی۔ وہ ذکر کرتے کرتے اپنے مخصوص ترنّم کے ساتھ اشعار پڑھتے۔ خدّام نے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ مولانا جو آپ کے ساتھ لکھنؤ سے آئے ہیں۔ ذکر کرتے کرتے ترنّم سے اشعار پڑھتے ہیں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ان کو اجازت ہے۔

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ شریف میں بزرگوں کی آمد، خلقِ خدا کا رجوع، شاہ عبدالرحیم قدس سرہٗ کی زندگی کے واقعات، حضرتِ اقدس سے تعلقِ خاطر، ایثار اور شیفتگی کے قصّے سنائے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمّد زکریا قدس سرہٗ کی باقاعدہ حاضری ــــــ یہ سب مولانا مزے لے لے کر سناتے، بیان کرتے وقت ان کے چہرے کے تاثرات سے ان کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا ــــــ

Marfat.com

ایک روز مری کے رومان پرور ماحول میں حضرت سے میں نے غزل کی فرمائش کی، مسکرا کر فرمایا! تم آجاتے ہو تو شاعری درمیان میں آجاتی ہے ورنہ مجھے تو شعر پڑھے مہینوں گزر جاتے ہیں پھر اپنے مخصوص انداز میں غزل کے چند اشعار سنائے ؂

نظر پھیرے ہوئے دامن کشیدہ　　وہ گزرے تو مگر کچھ آبدیدہ
محبت میں ترا کیا ذکر اے دوست　　تصور بھی ترا صیدِ رمیدہ
وہی مرجھا گئے ہیں لالہ و گل　　چمن میں جو کھلے تھے چیدہ چیدہ
وہ جلوے طور کے میں بھی تو دیکھوں
"شنیدہ کے بُوَد مانندِ دیدہ"

سامنے مری کی پُر فضا وادی تھی، بادلوں کے ٹکڑے پہاڑوں پر اپنے نقوش بنا رہے تھے۔ خنک ہوا کے جھونکے دلوں کو راحت اور آنکھوں کو طراوت مہیا کر رہے تھے اس بہار پر مستزاد حضرت کا ترنم اور غزل۔ یہ کیفیت آج بھی جوں کی توں نہاں خانۂ دل میں محفوظ ہے ———

حضرت کے وصال کے بعد مولانا بجھے بجھے سے رہنے لگے، فرمایا کرتے تھے اب زندگی میں کیا مزا ہے۔ زندگی کی بہار تو حضرتؒ اپنے ساتھ لے گئے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خادم اپنے حضرتؒ سے جا ملا ———

حضرتؒ کا دستِ سخا بہت کشادہ تھا، لاکھوں آتے' آتے ہی تقسیم فرما دیتے۔ اتنی بڑی خانقاہ کے انتظامات کے لئے، مقیمین کے خورد و نوش کے لئے کبھی فکر نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اسباب مہیا کر دیتا۔ حضرتؒ کی نظر میں روپے پیسے کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ان کے استغنا اور غنا کے واقعات جن کی آنکھوں کے سامنے گزرے ہیں۔ وہ آج بھی موجود ہیں۔ حضرتؒ کے دل میں کسی شے کا خیال گزرتا تو دوسرے ہی لمحے کوئی نہ کوئی نیاز مند وہ شے وافر مقدار میں لے کر حاضر ہو جاتا۔ خانقاہ شریف میں ہر شے کی کثرت تھی۔ اس سلسلے میں حاجی فضل الرحمٰن خان کہتے ہیں کہ صرف ان کے ہاتھوں سے کئی لاکھ روپے حضرتؒ نے دوسروں کو دلوائے — جو رقم نیاز مند معتقدین پیش کرتے ان کو رات تک کبھی پاس نہ رکھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ" میں ایسے متعدد

واقعات کا ذکر کیا ہے جب حضرتؒ نے اپنے ہاتھوں سے لاکھوں روپے تقسیم فرمائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ توکل کے اونچے درجے پر فائز تھے۔ یقین کی منزل جب ہاتھ آجاتی ہے تو آدمی ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تمام امور کو خداوند تعالیٰ کے سپرد کر کے ہر شے سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

حضرتِ اقدسؒ سے قلبی اور ذہنی وابستگی کے بعد دل کی دنیا بدل گئی۔ عبادات میں لذّت اور بزرگوں کی صحبتوں میں کیف محسوس ہونے لگا۔ جب کسی مرید کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے۔ حضرت نے چند جملے فرمائے، تمام شکوک و شبہات، اور وساوس فوراً زائل ہو گئے۔ بزرگ مریض دلوں کے معالج ہوتے ہیں۔ ان کی نظر دلوں کے احوال پر ہوتی ہے وہ ہر نسبت رکھنے والے کے احوالِ باطنی سے باخبر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو مریض اور مرض کی پہچان عطا کر دیتا ہے مریدی کیا ہے۔ روحانی امراض کا عبادت و ریاضت سے علاج اور بندوں کا رشتہ اللہ تعالےٰ سے مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ ایک خاصا دنیا دار جب کسی اللہ والے کا دامن تھام لیتا ہے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا فکر پیدا ہو جاتا ہے۔ خیالات کا رخ دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف مڑجاتا ہے۔ یہی انقلاب ازلی وابدی فلاح و بہبود کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے۔ روحانی تربیّت کا ہر آدمی محتاج ہوتا ہے۔ چاہے وہ علمِ دین کے کتنے ہی ارفع مقام پر ہی کیوں نہ ہو۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کئی بار فیصل آباد تشریف لائے، کئی رمضان المبارک فیصل آباد میں گزرے، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی سے اس بابرکت مہینے کا کیف دوچند ہو جاتا تھا۔ خالصہ کالج کی مسجد میں جہاں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قیام رہتا تھا۔ ساری رات عبادت کی شمعیں روشن رہتیں، تراویح کے بعد حفّاظِ کرام نوافل میں تلاوتِ کلامِ پاک کرتے۔ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے سیّد عطاء المنعم حضرتؒ کو نوافل میں تین سیپارے سنایا کرتے تھے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی تلاوت میں نور نظر آتا تھا۔ راقم الحروف بھی تراویح سے فارغ ہو کر محترمی افتخار احمد چشتی صاحب کے ہمراہ حاضری دیتا۔ سیّد عطاء المنعم ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ کلامِ پاک کی تلاوت کرتے نور کی برسات ہوتی معلوم ہوتی۔ معلوم ہوتا کہ

Marfat.com

علقۂ نور میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ کلامِ پاک کا اعجاز اور حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی توجّہ کا اثر تھا۔

احترام کے درجات ہوتے ہیں، ہر موقع محل پر احترام کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی بادشاہ کا قرب ہے تو احترام کا رنگ مختلف ہوگا، اگر اُستاد کی خدمت کا موقع میسّر آئے تو احترام ایک خوش کن کیفیّت لئے ہوگا۔ والدین کے ادب میں دلی احترام کا وافر حصّہ موجود ہوگا۔ اس ضمن میں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔

حضرتِ اقدسؒ کا خالصہ کالج کی مسجد میں قیام تھا۔ پروگرام کے تحت نمازِ عصر کے بعد لاہور کے لئے روانگی تھی۔ انتظامات مکمّل ہو چکے، بستر بندھ گئے، ٹرک آگئے، کاریں تیار کھڑی تھیں صوفی عبدالحمیدؒ صاحب حضرتؒ کے خدّام میں سے تھے۔ انہوں نے لاہور اپنی قیام گاہ پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کی اطلاع دے دی۔ انہوں نے فون پر ہدایت کی کہ حضرتِ اقدسؒ کے لئے اور حضرتؒ کے رفقائے سفر کے لئے تمام انتظامات مکمّل ہوں۔ فیصل آباد کے خدّام حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے اکٹھے ہو گئے، ارد گرد کے شہروں کے معتقدین بھی حضرتِ اقدسؒ کو الوداع کہنے، ان سے مصافحہ کرنے، ان سے خیر و برکت کی دعا کرانے کے لئے حاضر ہو گئے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی چارپائی مسجد کے صحن میں لائی گئی، زیارت کے لئے عشّاق اور جاں نثاروں کا ہجوم تھا۔ خیال تھا کہ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نماز سے فارغ ہوتے ہی لاہور کی روانگی کا اعلان کر دیں گے۔ اللہ تعالےٰ کے بندوں کی باتیں اور مصلحتیں خداوندِ کریم ہی کو معلوم ہوتی ہیں دنیادار انسان اس راز سے واقف نہیں ہو سکتا۔ ان کی تو ہر حرکت اللہ تعالےٰ کے فرمان کے تابع ہوتی ہے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے خادمِ خاص کو بلایا اور فرمایا کہ اگر ہم چند روز اور فیصل آباد میں قیام کرنا چاہیں تو کیا ہمارے ویزے میں توسیع ہو سکتی ہے۔ حضرتؒ کے خدّام میں سرکاری اعلیٰ عہدے کے لوگ اور مقتدر ہستیاں تھیں یہ کام تو کوئی مشکل ہی نہ تھا خادم نے عرض کی تعمیلِ ارشاد میں کوئی شے مانع نہیں۔ حضرتِ اقدسؒ نے لاہور کی روانگی ملتوی کر دی۔ حضرتؒ کا یہ فرمانا تھا کہ مسرّت کی لہر نے ساری فضا کو گھیر لیا۔ دلوں میں مسرّت و انبساط کے چشمے پھوٹ بہے۔ مریدین، معتقدین ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ لوگ شوقِ فراواں سے ایک دوسرے سے معانقے کرنے لگے۔ چہرے خوشی سے تمتما اُٹھے۔ ذوق و شوق، مسرّت و

Marfat.com

خوشی کا عالم دیدنی تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دامن سے وابستگی کے سینکڑوں انداز چند لمحوں میں ظاہر ہو گئے۔ ہر شخص خوش تھا کہ اس کو کچھ روز اور حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتِ مقدسہ سے مستفیض ہونے کے مواقع میسر آجائیں گے۔ تربیتِ قلب و نظر ہوگی، وجدانی کیفیت تھی، چہروں کے جذبات، قلبی کیفیات، روحانی مسرت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ محسوسات کی تصویر کھینچنا، جذبات کو اظہار کا جامہ پہنانا، کیفیات کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ احساسات کو کون مقید کر سکتا ہے۔ خوشبو کے جھونکے کو کس نے مٹھی میں بند کیا، عقیدت کی وسعتوں اور محبت کے رشتوں کو فکر کی بلندی، تخیل کی پرواز میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ منظر تو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دردمند دل ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے چند روز اور فیصل آباد میں قیام کیا معلوم ہوتا تھا کہ جاتی ہوئی بہار لوٹ آئی۔ بہارِ زندگی میں چند دنوں کا اور اضافہ ہو گیا۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوا، خاموش درس کا آغاز ہو گیا، دل کی کیفیت بدلتی ہوئی نظر آئی۔ احساسِ ندامت نے گریہ کی صورت اختیار کر لی، دامن اشکوں سے بھیگ گیا۔ یہ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کا اثر اور فیض کی درخشاں نشانی تھی یہ توجہ کا حسین انداز تھا۔ بزرگانِ دین کی توجہ دلوں میں یقین کا بیج بوتی ہے، جیسا کہ اوپر تحریر کیا جاچکا ہے یقین کی منزل بڑی ہی جانفشانی ریاضت مجاہدۂ نفس اور ذکر اللہ سے ہاتھ آتی ہے۔

بزرگوں کی روایات میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ عمر کا بیشتر حصہ ارتکابِ گناہ، فسق و فجور، لہو و لعب میں گزرا، مگر جب کسی بزرگ کی توجہ ہو گئی تو یہی مٹی چمک کر کندن بن گئی، خاک کے بکھرے ہوئے ذرے موتی بن کر چمکنے لگے، ایک ہی نظر نے پتھر دل کو پارس کر دیا۔ یہ خوش قسمتی کی علامت، یہ کرمِ خاص کی دلیل ہے۔ یہ نگاہِ کیمیا اثر کی تاثیر ہوتی ہے کہ ساری ذہنی، جسمانی کثافتیں ایک پل میں ختم ہو جایا کرتی ہیں اور نئی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے جلائے ہوئے چراغ ملک کے طول و عرض میں روشن ہیں۔

Marfat.com

ان کے خدّام حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں میں حاصل کی ہوئی روحانیت کو، ان کے فیضان کو، ان کے ارشادات کو، ان کے روحانی کمالات کے ورثے کو طالبانِ حق کے دامنوں میں ڈال رہے ہیں حضرت مولانا عبدالعزیز مدّ ظلّہ نے روحانی فیض کا سلسلہ جاری رکھّا ہوا ہے۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے۔ ۳۰ اپریل کو رائے پور شریف سے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی پاکستان کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ سفر، سفرِ آخرت کی تمہید تھی۔ حضرت پر رِقّت کا غلبہ تھا۔ عصر کی مجلس میں حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی قدّس سرّہٗ کے مجموعۂ مواعظ (فیوضِ یزدانی) کا دَور ہوتا، کتاب کے ختم ہونے کے ساتھ ہی پھر شروع کرنے کا حکم فرماتے۔ کمزوری اور نقاہت بہت بڑھ گئی تھی ــــ خدّام ان کی حالت دیکھ کر پریشان رہتے تھے۔ آخر وہ گھڑی آئی جو ہر ذی روح کا مقدّر ہے، جو نبیوں ولیوں اور ہر فردِ بشر کے لئے ربّ العزّت نے مقرّر کر رکھی ہے۔ جس گھڑی کا علم خداوند قدّوس کے سوا کسی کو نہیں، ۱۶ اگست کو حضرتِ اقدس اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ــــ زندگی کے ہر موڑ پر ایسے ایسے تابندہ نقوش چھوڑ گئے جو آنے والوں کو منزل کا نشان دیتے رہیں گے۔ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ہر لمحہ رہنمائی کا مینار تھا ان کی صحبتیں دلوں کے ویرانوں کو آباد کرتی تھیں ان کی توجّہ دلوں کے زنگ کو دور کرتی تھی، ان کے ارشادات سے ان گنت لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔ وہ علماء کے لئے، مفسّرین کے لیے، محققین کے لئے، روحانیت کا سرچشمہ اور ہزاروں طالبانِ حق کے ذہنوں کا اجالا تھے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ــــ اللہ تعالےٰ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی قبرِ مبارک کو اپنی لازوال رحمتوں سے بھر دے۔ اسے کشادہ و عنبریں کرے اور ہر لمحہ ان کے درجات کی بلندی کا سبب ہو۔ آمین ــــــ

Marfat.com

حضرت پیر سیّد غلام محیُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ

ــــــــ گولڑہ شریف

حضرت غلام محی الدّین رحمۃ اللہ علیہ سلف کی یادگار، قرونِ اُولیٰ کا حسین نقش، تقوٰے و پرہیز گاری کا پیکر، خوش خلقی و سادگی کا مرقّع، عجز و انکسار کی تصویر، ہمدردی و مروّت کا مظہر، اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مثالی انسان تھے۔

مخدومی حضرت غلام محی الدّین بابوجی کے لقب سے مشہور تھے۔ زبان میں تاثیر، گفتگو میں بادِ صبا کا لوچ، لہجے میں محبّت کا رس، چال میں میانہ روی، عمل میں استقامت، نگاہ میں کشش، شخصیّت میں جاذبیّت ــــــ ایک وجودِ گرامی، ایک مقبولِ بارگاہِ خداوندی جو نگاہوں کو سیراب کرتا چلا جاتا تھا ــــــ

پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کی تفسیر، ان کے باطنی کمالات کا وارث، منزلِ سلوک سے آشنا، طریقت کا ہر عمل سُنّتِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے تابع، اسلام کی تبلیغ و اشاعت مقصدِ حیات، لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلانے میں کوشاں ــــــ یہ حضرت غلام محی الدّینؒ تھے۔

زندگی میں بہت کم بزرگ ایسے دیکھے جن سے مل کر دل کی گرہیں کھلتی اور نگاہیں ان کی روحانیّت کے نور سے سیراب ہوتی ہوں۔ قبلہ بابوجی علیہ الرّحمۃ وجیہہ و شکیل انسان نہ تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کی گفتگو میں عجیب تاثیر تھی۔ ان کے چہرۂ انور کو دیکھ کر تسکینِ جاں حاصل ہوتی تھی۔ ان کی صحبت میں غمِ دنیا بھُول جاتے تھے۔ یہ سب کچھ بابوجی علیہ الرّحمۃ کی اس عبادت و ریاضت کی وجہ سے تھا جو ان کے روز و شب کے معمولات تھے۔ سحری کے وقت سے لے کر رات کے دس بجے تک خدمتِ خلق کرنا، روز کے معمولات کو اسی انداز میں پورا کرنا، پیرانہ سالی کے باوصف لوگوں کے جمِّ غفیر کو خندہ پیشانی سے ملنا معمولی بات نہیں۔ یہ استقامت ان کی کرامت

Marfat.com

کا ایک حصّہ تھی۔

صبح ۱۱ بجے قوالی میں شریک ہوتے ــــــ یہ دربارِ عام تھا، ایک طرف مرد باادب بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف عورتیں خاموش بیٹھی ہیں۔ خدام حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے ہر ایک کو خاص نشستوں پر بٹھا رہے ہیں ــــــ کوئی آواز نہیں۔ ہر شخص عقیدت و احترام کا پیکر بنا ہوا ہے۔ نگاہیں نیچی ہیں دلوں کا رجوع حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔ قوالی حظِ نفس کے لیے نہیں بلکہ دلوں کو رقت سے اور نگاہوں کو اشکوں سے پاک کرنے کے لئے ہے۔

آج سے بیس برس پہلے قبلہ پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ کے عرسِ مبارک پر قبلہ بابوجی علیہ الرحمہ کی زیارت سے پہلی بار مشرف ہوا۔ والدِ محترم سے پیر مہر علی شاہ صاحب کے باطنی کمالات کا ذکر بارہا سُنا تھا۔ والدِ محترم نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی زیارت کی تھی۔ یہ برگزیدہ ہستی اس دور میں مرجعِ خلائق تھی۔ باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھی۔ مجاہدات نے علم و فضل کو روحانی کمالات سے ملا دیا تھا۔ اس دور کے علماء، مفسرین آپ سے اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ بڑے بڑے جید علماء آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بیعتِ اوّل اسی مقبولِ بارگاہِ الٰہی سے تھی۔ دقیق مسائل کے لئے علمائے کرام آپ سے رجوع کرتے تھے علمائے فرنگی محلی تو ایک مسئلہ دریافت کرنے پر خط کے ذریعے آپ سے بیعت ہو گئے تھے۔ دعا میں عجیب تاثیر تھی۔ بارگاہِ ربّ العزت میں جس شخص کے لئے ہاتھ اٹھائے وہ مرادوں کے پھولوں سے دامن بھر کر لوٹا۔ ایسی باکمال یکتائے روزگار ہستی کی گود میں قبلہ بابو جی علیہ الرحمہ نے تربیت پائی، تربیت کا ایک ایک لمحہ حضرت بابو جیؒ کے لیے روحانی منزل کا رہنما تھا۔ یہ پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ کی توجہ، فیض اور تربیت کا اثر تھا کہ لاکھوں بندگانِ خدا نے آپ کے دستِ حق شناس پر بیعت کر کے اپنی زندگیوں کو دین کے سانچے میں ڈھالا۔

یہ غالباً ۱۹۶۹ء کا ذکر ہے۔ سرگودھا سے کچھ احباب حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمہ کے عرسِ مبارک میں شرکت کے لئے راولپنڈی تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے بھی اس عرس میں شرکت کے لئے کہا۔ یہ گولڑہ شریف میں میری پہلی حاضری تھی ــــــ عرس کی تقریبات شروع ہو چکی تھیں۔ پہلے مزارِ مبارک پر چادر چڑھائی گئی۔ لوگ چادروں کو عقیدت و احترام سے سروں پہ

Marfat.com

اٹھائے مزار شریف کی طرف بڑھ رہے تھے۔ بے پناہ ہجوم تھا۔ جس کے سر پر چادر رکھ دی جاتی وہ خود کو انتہائی منحوش قسمت تصور کرتا۔ قوال اشعار پڑھتے جا رہے تھے اور مجمع آہستہ آہستہ مزار شریف کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگوں کا اشتیاق دیدنی تھا۔ آخر مزارِ مبارک پر چادر چڑھائی گئی ——— ختم شریف کا آغاز ہُوا۔ سارا مجمع خاموش ہو گیا۔ کلامِ پاک کی تلاوت نے لاکھوں انسانوں کو پیکرِ احترام بنا دیا۔ صاحبزادہ غلام نصیر الدّین نے تلاوت کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آواز اور فنِ قرأت کے حسن سے نوازا ہے۔ قرآن کی برکات کا نزول ہو رہا تھا۔ ہر لفظ دلوں پر نور کی بارش کر رہا تھا ——— میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت صاحبِ مزار کے دل سے دعائیں نکلتی ہوں گی جن کی ساری زندگی قرآنی تعلیمات میں بسر ہوئی۔ جو کلامِ پاک کے رموز و معارف سے کماحقّہٗ آگاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے انشراحِ صدر سے نوازا تھا۔

اس ضمن میں امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نوّر اللہ مرقدہٗ نے ایک واقعہ سنایا تھا فرمایا کہ میں ایک دفعہ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا۔ حضرت درسِ قرآن دے رہے تھے۔ معارفِ قرآن سے محفل نورانی ہو رہی تھی، مجھے بھی کہیں قدموں میں جگہ مل گئی۔ حضرت اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کر رہے تھے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(سورۃ مائدہ پارہ ۷، آیت ۱۱۸) شاہ جی نے فرمایا کہ اس آیتِ شریفہ کا ترجمہ یہ تھا۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اگر مغفرت کر دے۔ تو قوی اور حکمت والا ہے۔ حضرتؒ نے ایک لفظ کے اضافے سے اس آیتِ کریمہ کا ترجمہ یوں کیا۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہی تو ہیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا اس "ہی" کے اضافے سے ترجمے میں جو حسن پیدا ہُوا وہ حضرت ہی کا حصّہ تھا اس "ہی" میں اپنائیت کا جو حُسن تھا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مَیں مجمع میں کھڑا ہو کر حضرتؒ کو داد دے رہا تھا ——— اور کہہ رہا تھا کہ اس لفظ نے مغفرت کے دروازے کھول دیے ہیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تو علم کے بحرِ ذخّار تھے، ان کے علمی معرکے، ان کے علمی کمالات، ان کے ارشادات، ان کی حیاتِ طیّبہ کے حالات تفصیل کے ساتھ "مہرِ منیر" میں درج ہیں یہ بات تو اس تذکرے کے ساتھ ذہن میں آ گئی جو شاید کسی تحریر میں نہیں۔

Marfat.com

بات ختم شریف کی ہو رہی تھی۔ ختم شریف سے فارغ ہو کر دعاؤں سے مجمع کو سرشار کر کے قبلہ بابوجی علیہ الرحمۃ قوالی کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ مریدین، معتقدین، زائرین جنبشِ لب کے منتظر تھے۔ ہر نگاہ کا مرکز قبلہ بابوجی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ والا صفات تھی۔ ہر آنکھ انہی کے دیدار کی تمنائی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی ذاتِ گرامی ایک ایسا سرچشمۂ فیض ہے جو روحوں کو ضیا، قلوب کو جِلا اور آنکھوں کو روشنی دیتا جا رہا ہے۔ بابوجی علیہ الرحمۃ کی زندگی سادگی کا مرقع تھی۔ نہ سجادگی کا احساس، نہ اپنے مرتبے پر ناز، نہ اپنی عظمت کا خیال، نہ اپنے روحانی کمالات کا اظہار تھا۔ خاموش طبع انسان جو اپنی باطنی توجہ سے دلوں کو نور اور روحوں کو طمانیت کی دولت تقسیم کر رہا تھا۔ اصلاحِ ذات کے لئے، دلوں کے زنگ کو دُور کرنے کے لئے، خیالات کو پاکیزہ بنانے کے لئے لمبی چوڑی تقریر درکار نہیں ہوتی یہ دولت تو بزرگانِ دین کی توجہ اور خاموش درس سے حاصل ہوتی ہے۔ لاکھوں کے مجمع میں یہ بزرگ سب سے بلند، پُر عظمت اور پُر وقار نظر آ رہے تھے۔ اگرچہ اس اجتماعِ عظیم میں بہت سی مقتدر ہستیاں بھی تھیں۔ ان میں علمائے کرام بھی تھے، مشائخ عظام بھی، سجادگان بھی تھے معتقدین بھی۔ متقی و پرہیز گار بزرگ بھی تھے اور مجھ جیسے گنہگار بھی۔ بابوجی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی سب کے لئے مرکزِ خیر اور روحانی اطمینان کا باعث تھی ——————

قوالی کا آغاز ہوا۔ درگاہ شریف کے مستقل قوال محبوب نے ساز کے تار درست کرنا شروع کئے روح کے تار لرز اُٹھے، محبوب قوال کی بے پناہ مقبولیت اس خانقاہ سے وابستگی ہے۔ یہ خوش قسمت انسان کئی بار شہرِ رحمت و برکت میں حاضر ہو چکا ہے۔ ہر سال روضۂ اقدس پر حاضری کا شرف کرمِ خاص کی دلیل ہے۔ ان گنت انسان حاضری کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ محبوب قوال پر یہ کرمِ خاص حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور قبلہ بابوجی علیہ الرحمۃ کے دامن سے وابستگی کی وجہ سے ہے۔ جب کسی اللہ والے سے دامن وابستہ ہو جاتا ہے تو خیر کے دروازے کُھل جاتے ہیں۔ سعادتوں کی منزلیں آسان ہو جاتی ہیں، رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے —— بابوجی علیہ الرحمۃ ہر سال محبوب کو اپنے ساتھ حجازِ مقدس کے سفر پر لے جاتے تھے۔ حرمین شریفین میں قوالی نہیں ہو سکتی بلکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کسی جگہ سماع کی محفل کا انعقاد نہیں ہو سکتا۔ محبوب کا کام صرف یہ تھا کہ آہستہ آہستہ بارگاہ نبویؐ میں مواجہہ شریف پر بابوجیؒ کی معیت میں سلام پیش کرے ——————

Marfat.com

بات قوالی کی ہو رہی تھی ۔ محبوب قوال آٹے کی گولیاں بنا بنا کر چڑیوں کو ڈال رہا تھا۔ ہزاروں کے مجمع میں چڑیاں آزادی اور اطمینان سے آٹے کی گولیاں کھا رہی تھیں ۔ بزرگوں کی صحبت میں پرندوں کو بھی امن کا احساس ہو جاتا ہے ۔

محبوب قوال نے بتایا کہ اس کا حافظہ بہت کمزور تھا۔ کوئی شعر یاد نہ ہوتا تھا۔ بابو جی علیہ الرحمہ رات کو اسے شعر یاد کرایا کرتے تھے ۔ ایک روز دعا کے لئے بابوجی نے ہاتھ اٹھائے۔ حافظے کے دروازے کھل گئے ۔ بغیر کوشش کے شعر یاد ہونے لگے، عربی، فارسی، پنجابی اور پوربی کے بے شمار اشعار کا ذخیرہ محبوب کے دماغ میں محفوظ ہوتا گیا ۔ یہ بابوجیؒ کی کرامت تھی ۔ بابوجیؒ کی کرامات کے ذکر کے لئے دفتر درکار ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو مستجاب الدعوات بنایا تھا۔ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیض اور حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضت وعبادت کی وجہ سے خداوند کریم نے ان کی ہر دعا کو شرفِ قبولیت بخشا ۔ مگر بابوجیؒ نے تمام عمر اپنے باطنی کمالات کو چھپایا ۔ یہی ان کی عظمت کی دلیل تھی ۔ فقیر روحانیت کے بلند سے بلند مقام پر پہنچ جائے اس کے دل میں احساسِ برتری کا شائبہ بھی نہیں گزر سکتا ۔ یہی فقر ہے، فقر اپنے وجود کی تمام خواہشات کو مٹا دینے کا نام ہے ۔ فقیر تو فنا فی اللہ کے مقام پر ہوتا ہے ۔ اگر اس کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی بات کی لاج رکھتا ہے ۔ اور اسے پورا کر دیتا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

بات دور چلی گئی، بزم میں سوز و ساز کا آغاز ہوا، روحیں متلاطم ہو گئیں، زندگی کا جمود ٹوٹ گیا ۔ دل کے آبگینے چھلک اٹھے ۔ آنکھوں کے چشمے پھوٹ بہے ۔ ساز کی آواز دل کے پردوں سے ٹکرانے لگی ۔ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ کا قرب، بابوجی کا فیضانِ نظر، کیف و مستی نے محفل کو گھیر لیا ۔ رقت اور سوز کی شمعیں روشن ہونے لگیں ــــــــــــ فیضانِ چشت عام ہو گیا ۔ خانوادۂ چشت کے چشمۂ فیوض و برکات سے مجمع سیراب ہونے لگا ۔ قبلہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے کوئی محروم نہ رہا ۔ سب کے دامن بھر گئے ۔ چند ساعتوں میں کتنی کیفیتیں دیدہ و دل پر گزر گئیں ــــــ کرم کا جھونکا سب کے قلوب کو سیراب کرتا ہوا گزر گیا ۔ معلوم ہوتا تھا وقت کی رفتار ساز کی صدا میں گم ہو گئی ہے ۔

Marfat.com

خود فراموشی کا عالم تھا، بیخودی نے اپنے وجود اور وقت کے احساس دونوں کو ختم کر دیا تھا۔ باوجی علیہ الرحمۃ جب قوّال کو نذرانہ پیش کرتے تو زائرین قطار در قطار نہایت خاموشی اور ادب و احترام سے قوّال کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے جاتے۔ ایک شخص نذرانہ وصول کر رہا تھا۔ قوّال تو عجیب و غریب کیفیت کا حصّہ بنا ہوا تھا۔ اسے نذرانے کی پرواہ تھی نہ اپنا ہوش ــــــ میں بھی نذرانہ پیش کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ نذرانہ پیش کرنے کے بعد جناب راز مراد آبادیؒ نے مجھے اپنے پاس بلالیا جو پہلی صف میں بیٹھے تھے اور اس خانقاہ کے ارادتمندوں میں سے تھے ــــ قوّالی ہوتی رہی۔ دلوں کے تار لرزاں رہے۔ آخر باوجی علیہ الرّحمہ نے اشارہ کیا۔ ساز کی صدا بند ہوگئی، ساری محفل میں خاموشی تھی۔ باوجی علیہ الرّحمہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ قبولیتِ دعا کا وقت تھا آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بجانے اس خاموش دعا میں کیا تاثیر تھی کہ ہر آدمی پر عجیب و غریب کیفیت طاری تھی۔ آہوں کی آوازیں آنے لگیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ربّ العزّت نے رحمتوں کے دروازے کھول دیے ہیں ــــــ

سماع کے بعد لوگ باوجی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کے لئے آگے بڑھے۔ پروانے اس طرح شمع پر نثار نہ ہوتے ہونگے۔ جس محبّت کے ساتھ معتقدین، مریدین اور زائرین باوجی علیہ الرّحمہ کی جھلک دیکھنے، ان سے مصافحہ کرنے، ان سے خیر و برکت کی دعا کرانے کے لیئے بڑھ رہے تھے، یہ درویش کی شان ہے کہ دل اس کی طرف بے محابا کھنچے چلے جاتے ہیں، یہ فقر ہی کا مقام ہے کہ لوگ اس کے قدموں میں بیٹھنا قسمت کی معراج اور سعادتِ دارین تصوّر کرتے ہیں۔ سب ان کی نگاہِ کرم کے محتاج ہوتے ہیں اور وہ بارگاہِ ربّ العزّت میں جھولی پھیلائے ہوتا ہے۔ شاہوں کو یہ اعزاز و منصب کہاں نصیب ہوتا ہے جسموں پر ان کی حکمرانی ہوتی ہے۔ مگر روحوں کی دنیا ان کی دسترس سے باہر ہوتی ہے۔ دلوں پر ان کے پہرے نہیں لگ سکتے۔ انکی سلطنت محدود ہوتی ہے۔ مگر فقیر کی سلطنت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کی سلطنت حدود و قیود سے باہر ہوتی ہے۔ مشرق سے مغرب تک اس کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اس کے وجود سے دلوں کی دنیا آباد ہوتی ہے، روح کی پہنائیوں میں اس کی محبّت کی قندیلیں روشن ہوتی ہیں ــــ کسی بادشاہ نے دھڑکتے دلوں سے خراج وصول کیا؟ ان کی طرف نگاہیں اس ادب و احترام

Marfat.com

سے کب اٹھیں ؟ ــــــ فقر کی حکومت کی اساس پیار پر ہوتی ہے ۔ بادشاہ کی حکومت کی بنیاد خوف وہراس پر ہوتی ہے ــــــ فقر کی شاہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی میراث ہے ۔ جس فقیر، جس بزرگ کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دامنِ کرم سے وابستگی ہو جاتی ہے وہ محبوبِ کائنات ہو جاتا ہے ۔ وہ جو شمعیں جلاتا ہے اس کی روشنی دلوں کو منوّر کرتی چلی جاتی ہے ۔ جو وہ کہتا ہے دلوں کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے ۔ وہ جب نظر اٹھاتا ہے ۔ زندگیوں میں انقلاب آجاتا ہے ــــــ بلاشبہ حضرت قبلہ بابوجی نوّر اللہ مرقدہٗ ایسے ہی بزرگوں میں سے تھے جن کے فیض نے لاکھوں انسانوں کے تشنہ قلوب کو سیراب کیا ۔

تصوّف اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے ۔ صوفیائے کرام کی واردات قلبی کا شعر ہی ذریعۂ اظہار ہو سکتا تھا ۔ جو بات وہ اپنے ارشادات اور اقوال میں تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے تھے اس کے لئے ایک شعر یا ایک مصرع ہی کافی ہوتا تھا ۔ شعر وارداتِ قلبی اور جذبات کے اظہار کا موثّر ذریعہ ہے ۔ اسی لئے بیشتر صوفیائے کرام نے سینے کے سوز کو شعر کے حسن میں بیان کیا ۔ ان کے مصرعے اور اشعار سلوک کی منزلوں کے ترجمان بن گئے ۔ سینکڑوں برسوں کے بعد بھی ان کے اشعار کے حسن، ان کی مقبولیت ان کے استعمال اور ان کی تاثیر میں فرق نہیں آیا ۔ وہ اشعار جو صداقت اور سچے جذبات کے عکّاس ہوتے ہیں، صوفیا کی محفلوں میں شمعیں روشن کرتے ہیں حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو قدّس سرّہ العزیز کا یہ مصرعہ ؎

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے

آج بھی دلوں کی بے پناہ گہرائی اور بے پناہ جذبات کی وسعت کا پتہ دیتا ہے ۔ حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرّحمہ نے بھی دوسرے صوفی شعراء کی طرح اشعار میں وارداتِ قلبی کی ترجمانی کی ہے ان کی یہ نعت ؎

اَج سِک متراں دی ودھیری اے
کیوں جندڑی اداس گھنیری اے

نے تو بخانے کتنے دلوں کو سوز کی نعمت عطا کی ہے ۔ قبلہ بابوجی علیہ الرّحمہ نے بھی اشعار کہے ۔ ان کے صاحبزادے حضرت غلام معین الدّین سجّادہ نشین گولڑہ شریف فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر

Marfat.com

ہیں۔ شاعری اس علمی وادبی و روحانی خاندانِ جلیلہ میں وراثتاً چلی آ رہی ہے۔ ان دنوں موجودہ سجادہ نشین حضرت غلام معین الدین صاحب کے صاحبزادے جناب غلام نصیرالدین نصیر نغز گو شاعر ہیں۔ ان کا فارسی ذوق، فارسی دواوین کا مطالعہ، فارسی شاعری قابلِ رشک ہے۔ انہوں نے سب سے مشکل صنفِ شاعری رباعی کو اظہارِ خیال کا وسیلہ بنایا جو جامعیت اور اختصار کی متقاضی ہے۔ حال ہی میں ان کی رباعیات کا دیوان "آغوشِ حیرت" شائع ہوا ہے۔ جس پر ڈاکٹر عبدالغنی اور صوفی محمد افضل فقیر نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ پاکستان کے علمی و ادبی حلقوں نے انہیں خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ اس عمر میں یہ بہت بڑا ادبی کارنامہ ہے۔ رباعیات تمام عمر کی مشقِ سخن اور ریاضت کے بعد تصنیف ہوتی ہیں۔ "آغوشِ حیرت" میں جدّتِ افکار، علوِ تخیّل، مضمون آفرینی نے اہلِ قلم حضرات سے بے پناہ داد وصول کی۔ اب ان کا اردو شاعری کا دیوان زیرِ طبع ہے۔ غرضیکہ شاعری کی روایت اس مذہبی و علمی خاندان کا طرّۂ امتیاز ہے۔

محفلِ سماع کے بعد لنگر تقسیم ہوا۔ لاکھوں انسانوں کو بروقت کھانا تقسیم کرنا کرامت سے کم نہیں۔ گولڑہ شریف میں کوئی ہوٹل نہیں، آس پاس کوئی تنور نہیں، آبادی بہت دور ہے۔ سب حضرت پیر مہر علی شاہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ سب کو لنگر تقسیم ہو رہا ہے۔ خدّام ہر زائر کے خادم ہیں، سب کی دلداری ہو رہی ہے، کوئی شور، کوئی ہنگامہ نہیں۔ لوگ قطار اندر قطار لنگر کا کھانا کھا رہے ہیں۔ کمروں میں جو لوگ مقیم ہیں انہیں وہاں کھانا پہنچ رہا ہے۔ خدّام صبح سے شام تک خدمتِ خلق میں مستعد نظر آتے ہیں۔ یہ نوابوں اور رئوسا کا دستر خوان نہیں یہ فقیر کا لنگر ہے، جہاں کسی چیز کی کمی نہیں اگر شاہی سلسلہ بھی ہو تو کچھ مدت بعد بند ہو جاتے۔ یہ لنگر تو خدا کے برگزیدہ متوکّل علی اللہ کا لنگر ہے۔ یہ برسوں سے جاری و ساری ہے اور انشاءاللہ جاری و ساری رہے گا۔
یہ لنگر تو اللہ تعالیٰ کے کرم کا مظہر ہے ——— اللہ تعالیٰ کے کرم کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

پاکستان میں متعدد خانقاہوں پر حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ بزرگانِ دین کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ سب خانقاہوں کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوا۔ سب کے انوار سے لوگ قلوب کو منوّر کرتے ہیں۔ مگر لنگر کا یہ وسیع انتظام، خدمتِ خلق کا یہ جذبہ، زائرین سے یہ حسنِ سلوک کہیں اور نظر نہیں آیا، سینکڑوں زائرین کی صبح سے شام تک خدمت کرنا معمولی

Marfat.com

بات نہیں۔ سب کی رہائش کا انتظام اور خوراک مہیا کرنا عبادت کا ایک حصّہ ہے۔ قبلہ بابو جیؒ سے بڑھ کر تالیفِ قلوب کون کر سکتا تھا۔

ایک روز قبلہ بابو جی علیہ الرّحمہ سے کسی نے استفسار کیا کہ آپ امراء کو، افسرانِ بالا کو کمروں میں ٹھہراتے اور ان سے امتیازی سلوک کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ خانقاہوں میں حاضری کے وقت یہ سوال ہر دل میں پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ مگر بابو جی علیہ الرّحمہ نے جو جواب دیا وہ ایک بزرگ کی روحانیّت کا مظہر ہے۔ فرمایا، مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ خداوندِ کریم ان کو گھروں میں عمدہ رہائش اور اعلیٰ طعام عطا کرتا ہے۔ میں اگر ان سے ایسا سلوک نہ کروں تو خدائے کریم سے شرمندگی ہو گی ــــــ یہ لنگر بھی اسی خوانِ نعمت کا حصّہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات پر پھیلایا ہوا ہے۔

میں اور میرے ساتھی ایک کمرے میں تھے۔ خانقاہ کے خدام میرا نام پکارتے ہوئے آئے۔ میں حیران تھا کہ میں تو خانقاہ میں کسی کو نہیں جانتا یہ طلبی کیسی ہے۔ میں نے ایک خادم سے کہا کہ حفظ لدھیانوی مجھے ہی کہتے ہیں۔ اس نے نہایت ادب سے کہا کہ صاحبزادہ غلام نصیر الدّین نصیرؔ صاحب یاد فرما رہے ہیں ــــــ محفلِ سماع کے اختتام پر جنابِ راز مراد آبادیؒ نے صاحبزادہ صاحب سے میرا تعارف کرا دیا۔ غائبانہ طور پر انہوں نے میرا نام سُن رکھا تھا۔ اخبارات و رسائل میں میرا کلام بھی نظر سے گزرا تھا۔ صاحبزادہ صاحب مکتب کے دوسری طرف ایک کمرے میں اپنے ادبی احباب کے ساتھ تھے ــــ شاعری کا دور شروع تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بڑے تپاک سے ملے، بغلگیر ہوئے، اپنے قریب بٹھایا ــــ زیبا ناروی غزل سنا رہے تھے۔ صاحبزادہ صاحب کی داد قابلِ داد تھی۔ اچھے شعر پر بیساختہ داد دیتے، بار بار پڑھواتے، چند مخصوص احباب کا حلقہ تھا۔ مجھے بھی غزل سنانے کی فرمائش کی، میرا غزل گوئی کا دَور تھا۔ میرا غزلیہ مجموعہ "خامۂ مژگاں" شائع ہو چکا تھا۔ صاحبزادہ صاحب اور دوسرے احباب محظوظ ہوتے۔ یہ اس خانقاہ سے میرا پہلا تعارف تھا۔ اس خانقاہ سے، قبلہ بابو جی علیہ الرّحمہ سے، صاحبزادہ غلام نصیر الدّین نصیرؔ صاحب سے اور اس ماحول سے قلبی تعلق پیدا ہو گیا۔ یہ چند نقوش اسی قرب کی یادگار ہیں۔

صاحبزادہ غلام نصیر الدّین نصیرؔ صاحب کے کتب خانے کو دیکھ کر ان کے شعری میلانات

Marfat.com

ان کا کثرتِ مطالعہ ان کا ادبی رجحان اور ان کے فارسی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ فارسی شعراء کے دواوین، نایاب کتب، قلمی نسخے، متقدمین کی کلیات ان کے ذوقِ شعری کی آئینہ دار ہیں، کتابوں کی جلد بندی ان کی ترتیب، ان کی علم دوستی کی مظہر ہے ـــــ کتابوں کو اس انداز میں آراستہ کیا ہے کہ گلشنِ ادب کی سیرگاہ ہو، مہکتے ہوئے اس گلستانِ ادب سے کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سجادگان کے ذوق مختلف ہوتے ہیں۔ مگر اس خانقاہی ماحول میں ادب اور تصوّف کی ہم آہنگی امتیازی شان کی حامل ہے۔ اسی لئے ادیبوں کو، شاعروں کو، اہلِ علم اور اہلِ ذوق حضرات کو اس خانقاہ سے خصوصی تعلّق اور نسبتِ خاص ہے۔

اس ملاقات کے بعد کرم کے دروازے کھل گئے، قبلہ بابوجیؒ سے تعارف زندگی کی حسین ساعتوں کی یادگار بن گیا۔ پہلی ہی ملاقات میں قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و منزلت کے نقوش قلب و ذہن پر مرتسم ہو گئے۔ ان کا وجود ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت تھا۔ روحانیت کا ہالہ ان کے چہرے کو گھیرے رہتا تھا۔ کوئی شخص بھی قبلہ بابوجیؒ کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا، خواہ وہ کسی منصب، کسی عہدے، کسی مرتبے کا ہو ـــــ شعر قدرِ مشترک ہونے کی وجہ سے جلد ہی قربِ خاص نصیب ہوا۔ قبلہ بابوجیؒ سے جب بھی ملاقات ہوئی انتہائی محبت و شفقت سے پیش آئے، اور خصوصی کرم سے نوازا۔ ان کے طفیل صاحبزادگان سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا، حضرت غلام معین الدّین (موجودہ سجّادہ نشین) سے تعارف ہوا۔ صاحبزادہ عبدالحق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مختصر یہ کہ میں غزل کے دروازے سے خانقاہ میں داخل ہو گیا۔ اس دن مجھے شعر کے محاسن سمجھ میں آئے۔ ورنہ شاعری مشاعروں کی ہنگامہ آرائی سے آگے نہ بڑھی تھی۔

اس خانقاہ شریف کی سب سے بڑی خصوصیت شرک و بدعت سے مکمل اجتناب ہے، شریعتِ مطہّرہ کی پاسداری مقصدِ اوّلین ہے۔ اگر کوئی خلافِ شریعت بات نظر آتی تو قبلہ بابوجیؒ سختی سے محاسبہ کرتے اور ناراضی کا اظہار فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ کے انوار سے خانقاہ میں ایک خاص جاذبیّت اور کشش نظر آتی ہے۔ اپنی ہر مجلس میں شریعتِ مطہرہ کی پابندی کی تلقین فرمایا کرتے تھے شریعت کے راستے سے سلوک کی منزل آسان ہو جاتی ہے اور بھٹکنے کا خدشہ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ شریعت صراطِ مستقیم پر چلا کر طریقت کی منزل قریب کر دیتی ہے۔ اس ضمن میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔

Marfat.com

گولڑہ شریف کی حاضری میں راقم الحروف نے "چادر" کے عنوان سے اٹھائیس اشعار لکھّے یہ اشعار ایک ہی نشست میں ہوگئے تھے۔ میں نے "چادر" کے یہ اشعار فریم کرا کے پیش کئے۔ چند روز بعد قبلہ بابوجیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا کہ نصیرالدین سے آپ کے اشعار سُن کر مسّرت ہوئی پھر خود ہی فرمایا کہ اشعار کے حسن کے علاوہ ان اشعار میں شرک کا شائبہ تک نہیں۔ یہی بات میری پسند کا موجب ہوئی۔ میں نے ادب سے عرض کی کہ حضرت یہ سب اس خانقاہی ماحول کا اثر ہے۔ جہاں خلافِ سُنّت کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ سماع کے دوران اگر کوئی شخص بلا وجہ حال کی کیفیت ظاہر کرتا تو آپ فوراً خدّام سے کہہ کر اسے محفلِ سماع سے باہر بھجوا دیتے۔ اگر جذبہ صادق ہوتا اور صاحبِ حال واقعی صاحبِ حال ہوتا تو تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوتے۔ اور تمام مجمع آپ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ——— بہرکیف ہر بات شریعت کے دائرے کے اندر رہتی۔

قبلہ بابوجیؒ کے معمولات کا ذکر ان کی شخصیّت کو جاننے، اُن کی استقامت کو دیکھنے اور ان کی ریاضت و مجاہدہ کو سمجھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس پیرانہ سالی میں یہ روزانہ کی مصروفیت خاص توفیقِ الٰہی کا مظہر تھی۔ تہجّد کے وقت قبلہ بابوجیؒ خدائے عزّ وجل کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے۔ یہ تنہائی میں اپنے خالق سے لَو لگانے کا وقت ہوتا ہے یہ وقت ایسا ہوتا ہے جب خالق و مخلوق کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ یہ عبادتِ بے ریا اور اخلاص فی العمل کا ہنگام ہوتا ہے۔ یہ دلوں کے خلوت کدوں کو نورِ معرفت سے روشن کرنے کے لمحات ہوتے ہیں۔ دن کی مصروفیات کا آغاز خدا کی بندگی سے نوافل سے اور دعاؤں سے ہوتا۔ تہجّد کی نماز سے فارغ ہو کر روزانہ کے اوراد و وظائف مکمل کرتے۔ اس ذکر و اذکار میں نو دس بجے کا وقت ہو جاتا۔ اس دوران بھی مشتاقانِ دید کا ہجوم رہتا عقیدت مند آپ کی زیارت ہی سے آنکھوں کی پیاس بجھاتے ——— دس بجے کے بعد شرفِ باریابی بخشتے۔ ہر زائر اپنی معروضات پیش کرتا اور قبلہ بابوجیؒ انتہائی تحمّل، بردباری اور خندہ پیشانی سے ہر ایک کی بات سنتے، تشفّی کے کلمات کہتے۔ یہ چند جملے زائر کے دل کو اطمینان کی دولت عطا کرتے اور اسے یقین ہو جاتا کہ قبلہ بابوجیؒ کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی خداوندِ کریم ضرور لاج رکھیں گے اور اس کی دلی مراد پوری ہوگی۔ عقیدت و محبّت ایک سہارا ہے جو انسان کو کسی حال میں تنہا نہیں رہنے دیتا ——— گیارہ بجے کے قریب پروگرام کے مطابق محفلِ سماع میں شرکت کے لئے تشریف لے جاتے۔

Marfat.com

اس دوران ایک خادم خطوط پڑھتا، آپ ہر ایک خط کا جواب لکھواتے۔ سماع جاری رہتا جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ خدّام محفل ہر ایک کو مرتبے اور مقام کے مطابق بٹھاتے اور ہمہ وقت کھڑے رہتے۔ ہر خادم قبلہ بابوجیؒ کے فرمان کا منتظر رہتا۔ اس خدمت میں اسے ازلی سرور میسّر آتا۔ وہ اس خدمت کو بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے کرم سے تعبیر کرتا۔ خدّام بابوجیؒ کے ابرو کے اشارے سے مفہوم سمجھ جاتے محبوب کے اشارے کو سمجھنا ہی محب کی کامیابی کا راز ہے۔ یہ تعلّقِ خاطر حرف و صوت کا محتاج نہیں ہوتا بقول تاثیرؔ مرحوم ؎

ہزار ہم سخی ہو ہزار ہم نظری
مقامِ جنبشِ ابرو نکل ہی آتے ہیں

عقیدت مند قبلہ بابوجیؒ سے مصافحہ اور دعا کے بعد مزارِ مبارک پر کلامِ پاک کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے۔ نمازِ عصر کے بعد پھر جلوہ افروز ہوتے۔ گیراج میں یہ مختصر سی مجلس منعقد ہوتی۔ دور دراز سے حاضر ہونے والے اجازت طلب کرتے اور سفر پر روانہ ہو جاتے، اس محفل میں قبلہ بابوجیؒ اپنے ارشاداتِ گرامی سے نوازتے۔ ایک ایک جملے سے ذہن کی گرہیں کھُلتیں۔ اسرار و رموز سمجھ میں آتے، دلوں کو بصیرت کی دولت نصیب ہوتی ایک روز حضرتؒ ایک خط پڑھ رہے تھے۔ خط پڑھتے پڑھتے مسکرائے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ کسی صاحب نے لکھا ہے کہ میری زندگی کولھو کے بیل کی طرح ہے آپ نے تبسّم فرماتے ہوئے کہا کہ کولھو کا بیل اگر چکر نہ لگائے تو تیل کہاں سے نکلے۔ اس جملے کی تہہ میں مطالب و معانی کی دنیا آباد ہے۔ آپ کا مطلب تھا کہ ہر عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بغیر نتیجے کے کوئی عمل بھی نہیں ہوتا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نمازِ مغرب کے بعد پٹرول پمپ پر تشریف لے جاتے۔ یہ پٹرول پمپ صدر میں واقع ہے۔ قبلہ بابوجیؒ اپنے والدِ محترم کی پیروی میں اسی معمول پر تا زندگی قائم رہے۔ نقشِ قدم پر چلنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ عمل ہی باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے اور دل میں اسلاف کی محبت کی شمعیں روشن کرتا ہے۔ وہ عقیدت مند جو مصروفیت یا دُوری کی وجہ سے گولڑہ شریف حاضر نہ ہو سکتے وہ اس جگہ صحبت سے فیض یاب ہوتے یہ روزانہ کا سفر ہی دراصل معتقدین سے محبّت کی دلیل تھا تاکہ کوئی محروم نہ رہے۔ اس نشست میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا، گرمی ہو یا سردی، آندھی ہو یا بارش پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور قبلہ بابوجی

Marfat.com

علیہ الرحمہ کے اس معمول میں کوئی چیز سدِ راہ نہ ہوئی۔

گولڑہ شریف میں ایک مخالف گروپ تھا جس کا مقصد ہی اس بزرگ کو بلاوجہ تنگ کرنا تھا۔ جب اللہ کا غضب کسی پر نازل ہوتا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں سے عداوت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے قبلہ بابوجیؒ حسبِ معمول اپنے رفقاء کے ساتھ صدر جا رہے تھے کہ اس مخالف گروہ نے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ کار رک گئی، ساتھی خوفزدہ ہو گئے مگر ایک دل تھا جو مطمئن تھا۔ ایک وجود تھا جس پر خوف و ہراس کا سایہ بھی نہ پڑا تھا۔ ایک چہرہ تھا جو اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کی تفسیر تھا۔ یہ وجود قبلہ بابوجی علیہ الرحمہ کا تھا ــــــ جب انسان رضا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ ہر امر کو قضائے الٰہی سے تعبیر کرتا ہے۔ یہی ولایت کی پہچان ہے، اور ہر حادثے کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت سمجھتا ہے تو اس کا دل نتائج سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اور قلبِ مطمئنّہ نصیب ہو جاتا ہے۔ قبلہ بابوجیؒ نے فرمایا کار کی بتّیاں روشن کر دو، اُدھر سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ ادھر قبلہ بابوجیؒ خالقِ اکبر کی طرف متوجّہ ہوئے، گولیوں کے چھرّے کار میں گرے مگر کسی ساتھی کو خراش تک نہ آئی۔ بابوجیؒ فرماتے تھے کہ توجّہ اِلی اللہ کا یہ سرور زندگی بھر نصیب نہ ہُوا تھا۔ یہ چند ساعتیں حاصلِ حیات تھیں۔ ذہن و دل گرد و پیش سے یکسر منقطع ہو کر یادِ خدا میں اس درجہ محو ہُوا کہ وقوعہ کا احساس تک نہ ہُوا۔ ایمان و یقین کی ایسی بہت ہی کم مثال ملے گی۔ یہ واقعہ قبلہ بابوجیؒ کے روحانی درجات، ایمان و یقین کی معراج اور تسلیم و رضا کا بیّن ثبوت ہے۔

قطبِ دوراں حضرت پیر مہر علی شاہ نوّر اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو بارگاہِ ربّ العزّت میں دعا قبول ہوتی ہے۔ غلام محی الدّین کے دل میں خیال گزرتا ہے تو خداوندِ کریم اسے پورا فرما دیتے ہیں۔ یہ اس بزرگ ہستی کا ارشاد ہے جو فنافی اللہ کے مقام پر تھا۔ جس کی اک نظرِ التفات نے کئی خوش قسمت انسانوں کو منصبِ ولایت پر فائز کر دیا ــــــ

قبلہ بابوجیؒ انتہائی مخیّر بزرگ تھے۔ ان کے واقعات سے ان کی سخاوت کی شان اور در پردہ خدمتِ خلق کا پتہ چلتا ہے۔ وہ محتاج اور نادار لوگوں کی پوشیدہ خدمت کیا کرتے تھے تاکہ ان کی عزّتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچے اور وہ آبرومندانہ طریقے سے زندگی بسر کر سکیں۔ ان کی سخاوت کا

Marfat.com

مقصود رضائے الٰہی تھا۔ نام و نمود کو وہ ناپسند فرماتے تھے بلکہ اپنی ذات کے بارے میں ایسے جملے کہہ جاتے تھے جس سے اپنی عظمت کا انکار اور خود کو بے مایہ اور عاجز انسان ثابت کرنا ہوتا تھا مدینہ منوّرہ کے قیام میں جذبۂ خدمتِ سکّانِ مدینہ اپنے پورے عروج پر ہوتا۔ اس دور میں خوشحالی نہ تھی، ہر طبقے کے لوگ مالی زبوں حالی میں مبتلا تھے۔ قبلہ بابوجیؒ نے مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کے ہر طبقے، ہر گروہ کے لوگوں کی مالی امداد کی ——— طلباء، مشائخِ عظام، خدّامِ حرمین شریفین ساکنانِ مکّہ مکرّمہ کی اعانت کی جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اگر والیٔ ریاست بھی ہوتا تو وہ بھی اس طرح ایثار و محبت کا اظہار نہ کر سکتا۔ یہ فقیرِ خدامست کا ہاتھ تھا جس سے سخاوت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ جس کے دل میں مقدّس مقامات کے مکینوں کے لئے احترام و عقیدت کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ کپڑے سلوا کر غرباء اور مستحقین میں تقسیم کئے ——— پولیس (شرطہ) کو تنخواہیں نہ ملنے پر پریشانی کا سامنا تھا۔ آپ نے ان کی بھی امداد فرمائی۔ غرضیکہ بابوجی علیہ الرّحمہ سخاوت کا پیکر تھے۔

قبلہ بابوجی علیہ الرّحمہ ہر سال حج اور حرمین شریفین کی حاضری سے مشرّف ہوتے ——— وہ باب السّلام کے قریب روضۂ اطہر کی طرف رُخ کر کے درود و صلوٰۃ میں مصروف رہتے ——— پاکانِ بارگاہ تو ایک قدم بھی آگے بڑھانے سے ڈرتے ہیں۔ کئی بزرگ تو سالہا سال تک باب السّلام سے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہیں سے جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں سلام پیش کر کے لوٹ گئے۔ کائنات میں حرمِ نبویؐ ایسی جگہ ہے۔ جہاں انسان کو ادب ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے ——— یہ قلب و نظر کا نہایت نازک معاملہ ہے۔ یہ محبوبِ ربّ العٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آرام گاہ، یہ ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مزارِ مقدّس، یہ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مسکن ہے۔ یہاں تو ملائکہ بھی ادب و احترام سے حاضری دیتے ہیں ——— احسان دانش مرحوم کا شعر ہے ؎

آہستہ سانس لے کہ خلافِ ادب نہ ہو
نازک ہے آئینے سے طبیعت حضورؐ کی

قبلہ بابوجیؒ انہیں آداب کے پیشِ نظر انتہائی محتاط طریقے سے حاضری دیتے تھے گھنٹوں

Marfat.com

باب السلام پر بیٹھے ہوئے روضۂ اطہر کے انوار سے قلب و نظر کو سیراب کرتے رہتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے، نظریں جھکائے، عقیدت کا پیکر بنے' ڈرتے ڈرتے مواجہہ شریف تک پہنچتے تھے۔ محبوب قوّال ان کے ہمراہ ہوتا۔ باؔبوجی غلامانہ انداز میں ہاتھ باندھے محبوبِ کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے، محبوب قوّال آہستہ آہستہ درود و سلام پیش کرتا۔ قبلہ بابو علیہ الرحمہ پر ان لمحات میں کیا کیفیّت گزرتی ہوگی، اس کو قلم کیسے رقم کر سکتا ہے۔ میرا ہی ایک شعر ہے ؎

اے زائرِ درگاہِ نبیؐ جائے ادب سے
آئے نہ ترے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر والا معاملہ ہے۔ اس مقام کے آداب کو تو پاکانِ بارگاہ ہی جانتے ہیں۔ ہم سے تو قدم قدم پر لغزشیں ہوتی ہیں —— ان کی کریمی کے سہارے اور عفو درگزر کے بھروسے پر حرمِ نبوی میں حاضری دیتے ہیں۔

حرمین شریفین کی حاضری کے بعد بغداد شریف قیام رہتا۔ غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانی نوّر اللہ مرقدہٗ کی درگاہ سے فیوض و برکات سمیٹتے اور دوسرے بزرگانِ دین، اولیائے عظام مقربانِ بارگاہِ خداوندی کے مزارات پر حاضری سے برکتیں حاصل کر کے واپس ہوتے۔

قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ دورانِ علالت سول ملٹری ہسپتال زیرِ علاج رہے۔ پیرانہ سالی اور ریاضت و مجاہدے کی وجہ سے نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی فرائض کی ادائیگی ہوتی رہی۔ اس کمزوری، بیماری میں بھی ان کو خانقاہ کے زائرین کا خیال رہتا۔ صاحبزادگان کو تلقین فرماتے کہ زائرین کا خیال رکھنا، ان کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچانا۔ فرماتے کہ یہ مخلص جیسے میلوں کا سفر کر کے' دور دراز سے چل کر، مشکلاتِ سفر کے باوصف خانقاہ میں حاضری کے لئے آتے ہیں۔ ان کی دلداری کیا کرو، ہمارے بزرگوں کا حسنِ سلوک اور محبّت ان کو کشاں کشاں دربار میں لے آتی ہے۔ یہی عمل خدا کو محبوب ہے۔ یہ تلقین کے کلمات قبلہ بابوجی علیہ الرحمہ کی زائرین سے بے پناہ محبّت کی روشن مثال ہیں۔

قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اللہ سے واصل ہو گئے، مگر ان کی یاد' ان کا ذکر اب بھی دلوں کے لئے وجہِ تسکین ہے۔ پیر مہر علی شاہ نوّر اللہ مرقدہٗ کے پہلو میں یہ ان کا فرزندِ جلیل' یہ ان کا صحیح

Marfat.com

جانشین، ان کے کمالات کا صحیح وارث، مقبولِ بارگاہِ خداوندی آسودہ خواب ہے۔ ان کو تمام عمر کی کاوش کا انعام، خدمتِ خلق کا صلہ یہ ملا کہ اپنے والدِ محترم قطبِ دوراں کے پہلو میں ابدی نیند سونے کی جگہ مل گئی۔ ان کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ ہزاروں زائرین اس پیکرِ محبت، اس بزرگ کے روضے پر حاضری دے کر روحانی سکون اور اطمینانِ قلب حاصل کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ فیوض و برکات شب و روز جاری رہتا ہے۔

قبلہ بابوجی نوّر اللہ مرقدہ، نے زائرین کے آرام و آسائش کے لئے کمرے تعمیر کرائے۔ خانقاہ کی عمارت کی توسیع کی، محفلِ سماع کے لئے ایک بہت بڑا ہال تعمیر کرایا۔ اپنے والدِ محترم کی خانقاہ کو مثالی خانقاہ بنانے کی جدّ و جہد کرتے رہے۔

قبلہ بابوجی علیہ الرحمہ نے مزارِ مبارک کے ملحق ایک نہایت شاندار مسجد تعمیر کرائی جس میں بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کی خوشبو، ان کے طبع کی نفاست، ان کے ذوقِ جمیل کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اس خانۂ خدا کی تعمیر پر بے بہا رقم خرچ کی۔ یہ مسجد سنگِ مرمر کی خوبصورت تعمیر ہے۔ یہ مسجد سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونوں، حسنِ ذوق کی تفسیر اور زیبائی کی مظہر ہے۔ محراب مسجد کو سنگِ مرمر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے سجایا گیا ہے۔ قرآنِ پاک کی آیاتِ مبارکہ انتہائی خوش خطی میں سنگِ مرمر میں کندہ کی گئی ہیں۔ مسجد کی پیشانی سنگِ مرمر کے کتبوں سے آراستہ کی گئی ہے۔ مسجد کا مینار دُور سے قبلہ بابوجی علیہ الرحمہ کی مسجد سے عقیدت اور محبت کا پرچم اٹھائے نظر آتا ہے۔ اس مسجد کے چپّے چپّے میں قبلہ بابوجی علیہ الرحمہ کے خلوص کی مہک آتی ہے۔ ابھی مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام جاری ہے ـــــــــ

اللہ تعالیٰ اس مرکزِ فیوض و برکات، اس چشمۂ خیر و برکت، اس دارِ رحمت و راحت کو تا ابد قائم و دائم رکھے، پیر مہر علی شاہ قدّس سرہ العزیز اور ان کے جانشین قبلہ بابوجی نوّر اللہ مرقدہ کی سعیٔ جمیلہ کو، خدمتِ دین کو، جذبۂ تبلیغ کو قبول و منظور فرمائے اور بطفیل سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے صاحبزادگان کو بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے اور اس روحانی مرکز کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

Marfat.com

حضرت مولانا خان محمدؒ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

محترمی پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب جامعہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد حضرت محمد حسین قیس چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ مبارک کے پاس بیتابی سے ٹہل رہے تھے۔ اور بار بار جامعہ چشتیہ کے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میرا اچانک گزر جامعہ چشتیہ کی طرف سے ہوا۔ چشتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور جامعہ چشتیہ میں بے وقت حاضری اور اضطرابی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا۔ اشتیاقِ فراوان کے سارے انداز ان کے چہرے پر بکھر گئے۔ انتہائی مسرت و شادمانی کے عالم میں فرمایا، کہ میرے مرشد حضرت قبلہ خواجہ خان محمدؒ صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں۔ ان کا ہی انتظار ہے۔ وقت بہت کم تھا۔ آپ تک پیغام نہ پہنچا سکا۔ حضرت خواجہ خان محمدؒ صاحبؒ نے فون پر اپنی آمد کی اطلاع دی تھی چند احباب کو اطلاع دے سکا۔ پھر اسی بے تابانہ انداز میں فرمایا بس چند منٹوں میں حضرتؒ تشریف لانے والے ہیں۔ حضرتؒ کی آمد کے بارے میں ان کا وجود خوشخبری کی علامت بن گیا تھا۔

مملکتوں کے سربراہ سرکاری یا ذاتی دورے پر دوسرے ممالک میں آتے ہیں، راستے خوبصورت دروازوں سے سجائے جاتے ہیں، رنگ برنگ جھنڈیوں سے، خوبصورت پھریروں سے، بینڈ باجے سے "گارڈ آف آنر" سے مہکتے ہوئے گلاب کے ہاروں سے ان کا استقبال کیا جاتا ہے۔ طمطراق اور شان و شوکت کے سب سامان مہیا کئے جاتے ہیں ان کے اعزاز میں دعوتیں ہوتی ہیں۔ پورے ملک میں ان کی آمد کی دھوم مچ جاتی ہے۔ یہ سب کچھ درست ہے مگر جس شانِ بیتابی، جس حسنِ اضطراب، جس کیفیتِ قلب فرد روح سے محترمی پروفیسر افتخار احمد چشتی اپنے ہادی مرشد، اپنے مربی حضرت خواجہ خان محمدؒ صاحبؒ کا

Marfat.com

انتظار فرما رہے تھے۔ اس پر شاہانہ استقبال کے سارے انداز قربان کر دیئے جائیں، یہ چشم و جاں کا معاملہ نہ تھا یہ قلب و روح کا معاملہ تھا۔ بعض خوشیاں جسم کی دیواروں سے چمٹ کر رہ جاتی ہیں۔ بعض مسرتیں محدود وقت کے لئے ہوتی ہیں، مگر بعض انبساط و شادمانی کے ایسے بھی لمحات ہوتے ہیں۔ جو زندگی پر محیط ہو جاتے ہیں۔ ایک ایک لمحہ کیفیتوں کی کتنی دنیائیں لئے ہوتا ہے ـــــــــ

میں ابھی حضرتؒ کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا۔ ابھی وہ لمحۂ سعید میرا مقدر نہ بنا تھا کہ میں حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کی روحانی صحبت سے فیضیاب ہوتا مگر محترمی چشتی صاحب سے حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ کے فیوضِ باطنی، ان کے زہد و تقویٰ، ان کی پرکشش شخصیت، ان کی ریاضت و عبادت اور ان کی روحانی مجالس کی کیفیتوں کے بارے میں سن چکا تھا۔ چشتی صاحب کے اشتیاق میں میرا وجود بھی شامل ہو گیا۔

خوشبو جب پھیلتی ہے تو اس کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس کی خوشبو اس کی لطافت ایک عالم کو گھیرے میں لے لیتی ہے۔ اگرچہ چند احباب کو حضرتِ اقدس کی آمد کا علم تھا۔ مگر حضرتؒ کی آمد کی خبر فصلِ بہار کے جھونکے کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ احباب نے ایک دوسرے کو خوشخبری سنائی۔ اس طرح کافی احباب کو حضرتؒ کی آمد کا علم ہو گیا۔ محترمی چشتی صاحب کے حلقۂ احباب اور حلقہ مریدین و معتقدین میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ہیں، ان میں پروفیسر صاحبان، کاروباری لوگ مختلف عقائد و نظریات رکھنے والے سبھی قسم کے احباب شامل ہیں۔ مشتاقانِ دید کا ایک گروہ جامعہ چشتیہ پہنچ چکا تھا۔ دلوں کا اضطراب عقیدت کا نشان بن گیا۔ سب دروازے کے قریب حضرتؒ کی آمد کے منتظر تھے کہ وہ حضرتؒ کی زیارت سے پیاسی روحوں کو سیراب کریں۔ ابھی حضرتؒ تشریف نہ لائے تھے کہ سیال شریف سے خواجہ قمر الدین نور اللہ مرقدہٗ کے فرزند خواجہ حمید الدین سیالوی تشریف لے آئے خواجہ شمس الدین سیالوی نور اللہ مرقدہٗ کے خانوادے کا یہ فرد بھی اسی انداز سے حضرتؒ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

آخر حضرتؒ کی کار جامعہ چشتیہ میں داخل ہوئی۔ دھڑکنوں نے اٹھ اٹھ کر حضرتؒ کا

Marfat.com

استقبال کیا۔ مسرت کے آنسو دامن کی دولت بن گئے۔ ہر آدمی وفورِ شوق سے حضرتؒ سے مصافحہ کر رہا تھا۔ خواجہ قمرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے خواجہ حمیدالدین سیالوی نے قدم بوسی کی۔ آپ پیچھے ہٹ گئے۔ مریدین، معتقدین میں سے جب کوئی قدم بوسی کرنا چاہتا تو آپ سختی سے منع فرماتے اور کہتے بھلے آدمیو مجھے گنہگار نہ بناؤ اور خلافِ شریعت کام نہ کرو۔ حضرتؒ نے متبسم لبوں سے ہر ایک کی خیریت پوچھی شفقت و محبت کے انداز قلب و نظر پر چھا گئے۔

حضرتؒ مولانا خان محمدؒ صاحب کا چند گھنٹے کا قیام تھا۔ جامعہ چشتیہ میں ایک کمرہ جسے حجرہ کہنا زیادہ موزوں ہے حضرتؒ کے آرام و قیام کے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔ ارادتمند حلقے میں مؤدب بیٹھ گئے۔ چشتی صاحب دروازے سے لگ کر اپنے مربّی و مرشد کی زیارت کر رہے تھے۔ اچانک حضرتؒ کی نظر دروازے کی طرف اٹھی۔ چشتی صاحب کو اندر تشریف لانے کے لئے فرمایا، چشتی صاحب نے آتے ہی دستِ مبارک کو بوسہ دیا پیچھے ہٹ کر دو زانو ہو کر نظریں جھکا کر بیٹھ گئے۔ چشتی صاحبؒ کا وجود ادب و احترام کی تفسیر بن گیا۔

خواجہ خان محمدؒ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے روحانی وراثت کے علاوہ حسن و جمال سے وافر حصّہ عطا فرمایا تھا۔ ایسی شخصیتیں تعارف کی محتاج نہیں ہوتیں، ان کا نورانی چہرہ، ان کے تقویٰ کا نور، ان کی پرہیزگاری کا حسن خود تعارف بن جاتا ہے —— دراز قد، سرخ و سفید جسم، متناسب اعضاء، سفید داڑھی، ستھرا لباس، گفتگو میں نرمی، ریاضت میں استقامت، بات میں اثر، چال میں عجز، محبت و شفقت کا پیکر، اتباعِ سنت رسول اللہ کا مظہر ایک جاذب شخصیت —— خواجہ محمدؒ سلیمان تونسوی نور اللہ مرقدہٗ کے روحانی ورثے کا صحیح وارث، رشد و ہدایت کا پیکر محبت و اخلاق کا سرچشمہ، عبودیت کی شان، خشیت اللہ کی تفسیر —— یہ اس مردِ بزرگ، مقبول بارگاہ خداوندی کا نامکمل سا خاکہ ہے ——

بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ لکھتے ہوئے اپنی بے بضاعتی، کم علمی کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ بزرگ و محترم بھی انہی مقربانِ بارگاہِ الٰہی میں سے تھے جن کے بارے میں کچھ رقم کرتے ہوئے قلم عجز کے سجدے گزارتا ہے، فکر کی بلندی،

Marfat.com

تصوّر کی وسعت، خیال کی رنگینی ان کے کمالات ان کے روحانی درجات کا احاطہ نہیں کر سکتی ان کے بارے میں لکھتے ہوئے تشبیہ دامن سمیٹ لیتی ہے، استعارے عاجز آجاتے ہیں۔ خداوندِ کریم نے ایسی محبوب شخصیتوں کو ہر جہتِ زندگی میں مکمّل، ہر میدانِ عمل میں یکتا، ہر قول و فعل میں یگانہ بنایا ہوتا ہے۔ ان کا ایک ایک لفظ زندگی کی گرہیں کھولتا، ظلمتوں کو دور کرتا، روح کی بیماریوں کو شفا بخشتا ہے۔ قبلہ و مکرّم مولانا خان محمّد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ ایسی ہی بزرگ شخصیتوں کے کمالات کا مظہر تھے۔ ایک دنیا ان کے سامنے سر جھکائے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتی مگر ان کے عجز و انکسار میں فرق نہ آتا۔ دل میں برتری کا شائبہ بھی نہ گزرتا۔ تقویٰ انسان کے دل سے تکبّر، نخوت اور خود پرستی کی جڑیں اکھاڑ پھینکتا ہے، عظمت و احترام، برتری و فوقیّت کے تمام اثرات مٹا دیتا ہے۔ ایسے بزرگوں کا تو ہر لمحہ حضوری میں گزرتا ہے ریاضت و عبادت ان کی روحانی غذا بن جاتی ہے، وہ علائق دنیا سے اس طرح دامن سمیٹ لیتے ہیں کہ پھر دنیا کے غبار کا کوئی ذرّہ ان کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت خواجہ خان محمّد صاحب قدّس سرّہٗ العزیز کی مجلس میں دل کی حالت بدل جاتی تھی ان کے چہرۂ انور کی زیارت سے دل کی کثافت مٹتی نظر آتی تھی۔ ان کی گفتگو سے خیالات میں نورانیت پیدا ہو جاتی۔ آپ ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتے، جب گفتگو فرماتے تو پاکیزگی نطق کے بوسے لیتی، زُہد کا نور مجلس کو گھیر لیتا۔ آپ مختصر سے کلمات ادا کر کے پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کا زیادہ وقت درود شریف کے ورد میں گزرتا کہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت کو پختہ کرتا ہے۔ قرب کے انعام سے نوازتا ہے اور روحانی درجات کی بلندی کا موجب ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین میں جتنی خانقاہیں ہیں سب چراغِ حرم سے روشن ہیں۔ جتنی نسبتیں ہیں سب اسی نسبتِ مطہرّہ کی ضیا پاشیاں ہیں۔ ہر جگہ وہی نور جلوہ گر ہے۔ وہ محبوبِ کائنات ہر دل کی دھڑکن ہے۔ اسی نسبت سے بزرگانِ دین مرجع خلائق ہیں۔

حضرت مولانا خان محمّد رحمۃ اللہ علیہ نے چند گھنٹے اس کمرے میں قیام کیا یہ چند گھڑیاں زندگی کی حسین ترین یادگار بن گئیں۔ بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا تصوّر صدیوں پر پھیل جاتا ہے۔ خواجہ غریب نواز قدّس سرّہٗ العزیز نے حضرت داتا گنج بخش نوّر اللہ مرقدہٗ کے

Marfat.com

مزارِ اقدس پر چلّہ کیا۔ یہ چالیس دنوں کا تصوّر انمٹ ہوگیا۔ اسی طرح جہاں جہاں بزرگانِ دین کے نقشِ پاے مبارک پڑے وہ جگہ روحانی انبساط کا نشان بن گئی۔ ان کے نقوشِ مبارک کی ہزار ہا یادگاریں آج بھی تابندہ و درخشاں ہیں۔ حضرت خواجہ خان محمّد نوّر اللہ مرقدہٗ کے قیام کی چند گھڑیاں آج بھی نہاں خانۂ دل میں اجالا کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک عجیب کیف محسوس ہوتا ہے۔ ان کے قیام کا تصوّر زندگی سے ہم آہنگ ہوگیا۔

حضرت خواجہ خان محمّد نوّر اللہ مرقدہٗ نے نماز ادا کی۔ اگر تقویٰ کی صحیح صورت دیکھنا ہو تو کسی بزرگِ کامل، کسی ولی اللہ کو خداوندِ قدوس کے حضور رکوع و سجود کرتا دیکھے۔ ان کے رکوع و سجود سے اتنے بڑے دربار کی حاضری کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے۔ وہ احسان کے مقام پر ہوتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے دربار میں ان کی خشیّت، ان کی عبدیّت، ان کا عجز و نیاز، ان کی محویّت، بندے اور خدا کے تعلّق کی تفسیر ہوتی ہے۔ میں خواجہ خان محمّد نوّر اللہ مرقدہٗ کو خدائے واحد و قدّوس کے حضور کھڑے سجدہ ریز ہوتے دیکھ رہا تھا، میرے دل پر ان کے باطنی کمالات، ان کے روحانی درجات کا شعور ابھر رہا تھا ــــــ روحانیّت خدا کو راضی کر لینے کا نام ہے، اس کا صحیح بندہ بننے کو کہتے ہیں۔ جب انسان اپنا ہر عمل، اپنی ہر حرکت، اپنا ہر قول رضائے الٰہی میں ڈھال لیتا ہے تو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ خواجہ محمّد معصوم سرہندی نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے مکتوب میں تحریر کیا ہے۔ بندگی نام ہے گردن نہادن کا اور اپنے ارادے سے باہر آجانے کا اور مرضئ خدا کے ساتھ وابستہ ہو جانے کا۔ جو کچھ محبوب سے پہنچتا ہے محبوب ہوتا ہے انعام ہو یا تکلیف محب فدائے محبوب ہوتا ہے۔

یہ مقامِ رضا بڑی مشقّت اور ریاضت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کی نزدیک ترین منزل صحبتِ شیخ ہے۔ صحبتِ شیخ سے ذکر الٰہی سے لذّت نصیب ہوتی ہے۔ اتباعِ سنّت جزوِ زندگی بن جاتی ہے یہی وہ ذریعہ ہے جس سے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ قبلہ خواجہ خان محمّد نوّر اللہ مرقدہٗ ایک عظیم الشّان درگاہ کے سجّادہ نشین تھے۔ گویا روحانی فیض ان کو قطبِ زماں مخدومِ جہاں حضرت خواجہ محمّد سلیمان تونسوی قدّس سرّہٗ العزیز سے براہِ راست نصیب ہوا

Marfat.com

بزرگانِ دین، اولیاء اللہ مقربانِ بارگاہِ خداوندی وراثت میں دولت نہیں چھوڑتے کہ یہ فانی شے ہے مگر روحانی وراثت خود منتقل ہوتی رہتی ہے۔ بشرطیکہ اس شجرۂ نسب میں کوئی اس کا اہل ہو۔ حضرت خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی زندگی کے ہر عمل کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ڈھالا اور خاندانی وراثت کے حقدار ہو گئے۔

انبیاء علیہم السلام کی وراثت علم ہوتا ہے۔ وہ علم جو مخلوقِ خدا کو بھلائی اور خیر کا راستہ دکھائے۔ جنت کا وارث بنائے۔ بزرگانِ دین بھی علم کا حصول اس مقصد کے لیے کرتے ہیں کہ بندگانِ خدا کو فائدہ پہنچے۔ وہ اپنے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے والوں کو صراطِ مستقیم پر چلائیں اور رشد و ہدایت سے ان کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ ہمارے سامنے ایسی بیشمار مثالیں ہیں کہ کسی شخص نے اپنا ہاتھ کسی بزرگ، کسی ولی اللہ کے ہاتھ میں دیا۔ اس بزرگ نے چند جملے کہے، تبلیغ کی، گناہوں سے توبہ کرائی، کچھ وظائف بتائے۔ آئندہ نیک کاموں کے کرنے کی تلقین کی تو اس کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ گناہوں سے اجتناب کرنے لگا اور نیکیوں کی طرف طبیعت مائل ہو گئی، یہ تبدیلی، یہ انقلاب تب ہی ممکن ہے جب مرشد خود عالمِ دین ہو اور اتباعِ سنّت پر سختی سے کاربند ہو۔ بغیر عمل کے علم انسان کو ابلیس بنا دیتا ہے۔

قبلہ خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اساتذہ سے دینی علوم کا اکتساب کیا۔ آپ کے چار استاد تھے۔ مولوی فخر الدین صاحب جراح، مولوی عبد اللہ جکھڑولی صاحب، مولوی شیخ غلام رسول صاحب اور مولوی احمد بخش صاحب گدائی والے ——— مولوی فخر الدین صاحب سے آپ نے فارسی، مولوی جکھڑولی صاحب سے صرف و نحو، مولوی شیخ غلام رسول صاحب سے تصوف اور مولوی احمد بخش گدائی والے صاحب سے فلسفہ و منطق کی تعلیم حاصل کی۔ مثنوی شریف آپ نے اعلیٰ حضرت خواجہ محمد سلیمان شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی اجازت سے شروع کی۔ یعنی خواجہ غلام حسین مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو استخارے میں اعلیٰ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے بشارت ہوئی کہ مثنوی شریف پڑھنے کی اجازت ہے۔

یہ تو ظاہری تعلیم تھی، جس سے دینی مسائل سے آگاہی ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث کا

Marfat.com

نور سینے میں اترتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا انشراحِ صدر کر دیتا ہے۔ دینی تعلیم جب روحانیت کی منزلوں سے گزرتی ہے تو انوارِ الٰہی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی دینی تعلیم سالک کے لیے راہِ حق اور معرفتِ حق کی پہلی منزل ہے۔ دینی تعلیم کا چراغ سلوک اور مجاہدے کی منزلوں میں آفتاب بن کر چمکتا ہے۔ اگر دینی علم نہ ہو تو شیطان گمراہ کرنے کے سو راستے تلاش کر لیتا ہے۔ مگر عالم کا علم ہر قدم، ہر منزل پہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور شیطانی وساوس سے بچاتا ہے۔

کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ نسبتِ نبوّت حاصل ہو جاتی ہے۔ ان بزرگوں کو لوح و قلم کی حاجت نہیں ہوتی۔ ایسے کئی بزرگوں کے حالات نظر سے گزرے جنہوں نے مدرسے میں تعلیم حاصل نہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے معرفتِ الٰہیہ اور قرآنِ پاک کے اسرار و رموز ان پر منکشف کر دیے ان پر ظاہری اور باطنی علوم کے تمام دروازے کھول دیے۔ وہ مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق فقہی مسائل کا ایسا عالمانہ اور مدلّل جواب دیتے تھے کہ اس دَور کے علماء حیران رہ جاتے تھے اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دینی مسائل میں رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ ان بزرگوں پر نبوّت کی تجلّی پڑتی ہے جو ان کے سینے کو علوم کا خزینہ بنا دیتی ہے۔ کسی بھی نبی کا کوئی استاد نہ تھا سب تلمیذ الرحمٰن تھے کسی کا شعر ہے ؎

نہ رفت خواجۂ بمکتب نہ خوند حرفِ کتاب
کتاب خواندہ اُو را مگر جواب نہ شُد

بہرکیف مرشد کے لئے عالم ہونا ضروری ہے خواہ وہ اکتسابِ علم کرے یا اسے عطیۂ ربّانی ہو۔

قبلہ خواجہ خان محمد نوّر اللہ مرقدہٗ سے ان کے مریدین، معتقدین دینی مسائل دریافت کرتے، آپ قرآن و حدیث کے حوالے سے چند جملوں میں ان کی تشفّی کر دیتے تھے کہ مزید کسی تحقیق کی گنجائش باقی نہ رہتی تھی ____

کلّم النّاس علیٰ قدرِ عقولِھم کے مطابق آپ ہر شخص سے اس کی ذہنی استعداد اس کے علم اور اس کے فہم کے مطابق گفتگو فرماتے۔ علم کی بات بے علم کو سمجھانا ہی

Marfat.com

بلاغت کا کمال ہے۔ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ سوال کرنے والے کے فہم کے مطابق جواب دے کر اس کی تسلّی کر دیتے تھے۔

مقرّبانِ بارگاہِ ربّ العزّت کی پاکیزہ مجالس میں ویسے ہی ذہن کے جالے، دل کی ظلمت اور خیال کی پراگندگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ان بابرکت صحبتوں کا فیضان ہوتا ہے کہ فہمِ دین آسان ہو جاتا ہے۔ اشکال خود بخود رفع ہوتے جاتے ہیں۔ وساوس گناہ کی تاریکی کا نتیجہ ہوتے ہیں جب انسان کسی بزرگ کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو دل کے بند کواڑ خود بخود کھل جاتے ہیں اور دین کی سمجھ آسان ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ارشادِ گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو جاتا ہے اسے تفقّہ فی الدّین عطا کر دیتا ہے۔ خواجہ خان محمدؒ صاحب کی مجلس میں قلب و روح کی یہی کیفیّت ہوتی تھی کسی مسئلے کے اشارے سے ہی سارا مسئلہ سمجھ آجاتا تھا۔

دنیا کی ہر شے اپنے اثرات رکھتی ہے، چاندنی سکون کا موجب ہوتی ہے۔ دھوپ کی تمازت جسم کو حرارت پہنچاتی ہے، پھول کی خوشبو فرحت پیدا کرتی ہے۔ جب یہ مادّی اور غیر مرئی چیزیں طبیعتوں پر اپنے اثرات مرتّب کرتی ہیں تو ایک اللہ کے نیک بندے کی صحبت میں تقویٰ کی خوشبو، دل کا اطمینان، دین سے رغبت، اعمال میں پاکیزگی، کردار میں نفاست اور اخلاق میں بلندی ضرور پیدا ہوگی۔ قبلہ خواجہ خان محمدؒ نوّر اللہ مرقدہٗ کی صحبتِ اقدس میں یوں محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کی ساری پریشانیاں دور ہوگئی ہیں۔ تفکّرات کے تمام جال ٹوٹ گئے ہیں۔ دنیوی علائق کی کثافت سے نجات مل گئی ہے۔ یہ چند گھڑیاں روحانی اہتزاز، سکونِ قلب اور رجوع الی اللہ کی گھڑیاں ہوتی تھیں۔

شام کو خواجہ خان محمدؒ رحمۃ اللہ علیہ کی سیّال شریف کے لئے روانگی تھی۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ چند گھڑیاں چشم زدن میں گزر گئیں ؏

حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد

آپ نے رخصت ہونے سے پہلے دعائے خیر فرمائی۔ آپ تین بار دعا فرماتے تھے، یہی سنّت طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سائل بننے میں خیر ہی خیر ہے اس دربار میں جتنی التجا کی جائے جتنا مانگا جائے کم ہے۔ چشتی صاحب نے آگے بڑھ کر نعلین پہنائے۔ اس ادائے عاجزانہ سے نسبتِ شیخ

Marfat.com

اور محبتِ شیخ کے کئی ابواب کھل گئے ———

صحبتِ شیخ تو انعامِ الٰہی ہے اگر صحبتِ شیخ میسّر نہ ہو تب بھی خالی محبت سے شیخ کی توجّہ سے بقدرِ ظرف بہرہ یاب ہو سکے گا۔ لیکن صحبت یافتہ اور غیر صحبت یافتہ میں بڑا فرق ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے، کہ فنا فی الشیخ ہونا ہی فنا فی اللہ کا مقدمہ ہے" ——— اقتباس از مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدّس سرّہٗ العزیز"۔

بات شیخ سے عقیدت و محبّت کی ہے۔ جب تک دل کے نہاں خانے میں عقیدت و محبتِ شیخ کا چراغ روشن نہ ہوگا ظلمتیں ڈیرہ جمائے رہیں گی، دل کی سیاہی دُور نہ ہوگی، چراغِ محبت و اخلاص کے روشن ہوتے ہی باطن کے در و بام جگمگا اٹھیں گے، خلوتِ جاں میں چراغاں ہو جائے گا۔

ہم نے بارہا سنا کہ کوئی مرید اپنے شیخ کی خدمت میں برسہا برس رہا۔ مگر ہنوز روزِ اوّل کا ہی معاملہ رہا۔ ایسا بھی ہوا کہ کوئی طالبِ حق شیخ کی بیعت ہوا، اسی روز خلافت سے سرفراز کر دیا گیا۔ چند روز کی روحانی تربیت کے بعد اسے صاحبِ ارشاد بنا دیا گیا۔ بات باطن کی صفائی، روح کی پاکیزگی اور اخلاصِ نیّت کی ہے۔ اگر لیمپ میں بتّی اور تیل موجود ہو تو دیا سلائی دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخ کی محبّت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دنیا کے تمام رشتے دنیا تک ہیں۔ شیخ اگر کامل ہے صاحبِ مقام ہے تو آخرت میں بھی وسیلۂ شفاعت ہوگا۔

شیخ سے جتنی محبت ہوگی اتنا ہی وہ شیخ کی توجّہ کا مستحق ہوگا۔ سلوک کی منزل میں تو ہر وقت، ہر قدم شیخ کی توجّہ درکار ہے ورنہ بھٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ سلوک کا راستہ ترکِ خواہشات کا راستہ ہے۔ دنیوی لذّات سے کنارہ کش ہو کر، دنیوی آلائشوں سے پاک و صاف ہو کر اللہ کی ذاتِ بابرکات کی طرف ہمہ تن متوجّہ ہونے سے سلوک کی منزل روشن ہوتی ہے بعض بزرگ اپنے مرید سے فرماتے تھے کہ تو جب گھر سے چلا تھا ہم تیرے ساتھ تھے۔ پھر گھر سے ان تک پہنچنے کے واقعات بیان کرنا شروع کر دیتے تھے ——— شیخ کی ہی توجّہ معرفت کی منازل میں رہنما ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ خان محمّد صاحبؒ رخصت ہو گئے۔ آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ انسان روز

Marfat.com

احباب کو رخصت کرتا ہے۔ عزیز و اقارب کو الوداع کہتا ہے۔ مگر پریشانی کا کوئی تاثر یا بچھڑنے کا کوئی ملال ظاہر نہیں ہوتا مگر اپنے مرشد اپنے مربّی کی جدائی اشکوں میں ڈھل جاتی ہے۔ کسی کا کیا خوب شعر ہے ؎

انہیں دیکھو وہ رخصت ہو رہے ہیں
مجھے دیکھو میں رخصت کر رہا ہوں

مولانا خواجہ خان محمدؒ نور اللہ مرقدہٗ دوسری بار جامعہ چشتیہ تشریف لائے۔ اس بار باقاعدہ پروگرام کے تحت حضرتؒ کی تشریف آوری ہوئی۔ عقیدتمند مقرّرہ وقت پر زیارت کرنے اور اکتسابِ فیض کے لئے پہنچ گئے۔ پہلی بار ان کی رخصت کے بعد فرطِ عقیدت و محبّت سے چشتی صاحب نے اس کمرے کو "کاشانۂ سلیمانی" سے منسوب کر دیا۔ خواجہ خان محمدؒ قدس سرّہٗ العزیز کی یاد کو متشکّل کر دیا۔ جب بھی اس کمرے پر نظر پڑتی ہے تو حضرتؒ کی یاد خوشبو بن کر دل کے ویرانے میں پھیل جاتی ہے۔

عقیدت کے مختلف مظاہر ہوتے ہیں کوئی اپنی عقیدت کا اظہار منقبت اور قصیدے کی صورت میں کرتا ہے۔ کوئی آنسوؤں کے ذریعے قلبی تعلّق کا اظہار کرتا ہے کوئی فرطِ حیرت سے چہرۂ انور کو دیکھ کر اپنی محبّت کی ترجمانی کرتا ہے۔ کوئی نظریں جھکا کر، دو زانو بیٹھ کر ادب و احترام کے تمام قرینے پورے کر کے اپنی نسبت، اپنی محبّت کو ظاہر کرتا ہے۔ مظاہر مختلف ہوتے ہیں۔ مقصود ایک ہوتا ہے۔ سب راستوں کے مسافر ایک ہی منزل کی طرف رواں ہوتے ہیں۔ سب کا مطلوب سب کا مقصود وہی ہوتا ہے۔

اس مجلس میں راقم الحروف نے اپنی تصنیف "جمالِ حرمین" (سفر نامۂ حجاز) حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ حضرتؒ نے واسکٹ سے چشمہ نکالا۔ کتاب کے اوراق پڑھنا شروع کیے۔ چند اوراق مطالعہ کئے، چہرے پر پسندیدگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ مجھے اپنی کاوش کا اجر مل گیا۔ دس پندرہ منٹ تک کتاب پڑھنے کے بعد تعریفی کلمات سے نوازا۔ میرے لیے یہ کلمات مقدّس سند بن گئے۔" دل سے دعا نکلی کہ اے ربّ العزّت یہ کتاب تیرے محبوبؐ، تیرے گھر کے بارے میں ہے۔ ایک بزرگ نے، تیرے نیک بندے نے اسے پسند فرمایا ہے۔

Marfat.com

اسے میرے لئے آخرت کا زادِ راہ بنا دیجو۔ کتاب رکھ کر میری طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا، محبت و شفقت کے ہزار دروازے کھل گئے۔

اس بار حضرتؒ کا شب بسر کرنے کا پروگرام تھا۔ عشاق کو ان کی صحبت سے فیضیاب ہونیکا کافی موقعہ نصیب ہوا۔ حضرتؒ کے ارشادات، توجہ، اور ان کی زیارت سے حاضرین محظوظ ہوئے۔

خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سماع کے قائل تھے۔ عرس کے موقع پر سماع کی محفل ہوتی تھی۔ یہ سماع کی محفل اپنے اندر چند خصوصیتیں رکھتی تھی۔ سماع کے آداب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا جس جگہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کی جائے اور باری تعالٰے کی حمد پڑھی جائے وہ مجلس پورے ادب و احترام سے تقدس کے تمام تقاضوں کے ساتھ منعقد ہونی چاہیئے۔ عام سماع کی مجالس میں دیکھا گیا ہے کہ ایسے اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ جو شرک کی حد تک پہنچ جاتے ہیں انتخابِ کلام کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ وہ کلام دین کی تعلیم کے منافی ہوتا ہے۔ مگر ناسمجھ لوگ انہی اشعار پر سر دھنتے اور اسے کمالِ معرفت جانتے ہیں۔

حضرتؒ کی سماع کی مجلس مریدوں کی تربیت کا ایک حصہ تھی آدابِ محفل کی تعلیم کا ذریعہ تھی۔ میں نے گولڑہ شریف میں محفلِ سماع میں بارہا شرکت کی وہی آدابِ محفل تونسہ شریف دیکھے گئے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ موزوں ہے کہ تونسہ شریف کی محفلِ سماع کے آداب گولڑہ شریف منتقل ہو گئے۔ کیونکہ روحانی فیوض کا سرچشمہ تونسہ شریف ہے۔ اسی مرکزِ روحانیت اسی چشمۂ فیوض و برکات سے خواجہ شمس الدین سیالوی نور اللہ مرقدہٗ اور پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ العزیز فیضیاب ہوئے۔

صوفیا نے سماع کے لئے چند حدود و قیود متعین کی ہیں۔ محفل میں کوئی بے وضو نہ ہو کوئی ننگے سر نہ ہو کوئی مصنوعی وجد و حال کی کیفیت طاری نہ کرے۔ دو زانو ہو کر بیٹھا جائے۔ قلب کی طرف متوجہ رہے اور دھیان کا رُخ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف رہے۔

تونسہ شریف میں سماع کے شروع ہونے سے پہلے خدام زائرین کو ان کے مرتبے اور مقام کے مطابق بٹھاتے ہیں۔ حفظِ مراتب کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ عصا بردار حضرتؒ کے اشارے

Marfat.com

کے منتظر رہتے تھے۔ برسوں کی تربیت، صحبت اور حضرتؒ کے قرب سے انہوں نے اشاروں کی زبان سیکھ لی تھی۔ جنبشِ ابرو کے مفہوم کو سمجھنا آسان کام نہیں۔ اس کے لیے عشق کی کئی منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ تاثیر مرحوم کا شعر ہے ؎

ہزار ہمسخنی ہو ہزار ہم نظری
مقامِ جنبشِ ابرو نکل ہی آتے ہیں

حمد و نعت سے سماع کا آغاز ہوتا ہے۔ ہزاروں کے مجمع میں سانس کی آواز نہیں۔ شیخ کی توجہ ہر قلب پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس توجہ کے اثر سے سوز و رقت کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکوں کی صورت اختیار کر لی۔ قوال اگر صاحبِ حال ہو تو مجلس کی اور ہی کیفیت ہوتی ہے۔ ہر جگہ کے فیوض و برکات ہوتے ہیں، ہر جگہ کا مرتبہ و مقام ہوتا ہے۔ شیخ نے بھی اپنی توجہ خواجہ محمد سلیمانؒ تونسوی کی طرف کی ہوئی ہے۔ محفل میں عجیب رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ ہر زائر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اخذِ فیض کر رہا ہے۔ سب ان کے دربار میں جھولیاں پھیلاتے ہیں۔ دائرہ فکر و خیال حرمِ نبویؐ سے باہر نہیں نکلتا۔ سماع کے دوران اسی آستانۂ عالیہ کا خیال رہتا ہے۔ خدام نذرانے وصول کر رہے ہیں۔ سب اپنی اپنی جگہ سماع سے روحانی کیف حاصل کر رہے ہیں۔ خلافِ شریعت کوئی شعر نہیں پڑھا جا سکتا۔ سماع کا اختتام بھی نعت پر ہوتا ہے مقصود دربارِ رحمۃ للعٰلمینؐ کی حاضری ہے۔ یعنی ابتدا سے آخر تک اسی ذاتِ اقدس کا تصور دل و دماغ پر چھایا رہے۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان شاہ تونسوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا نور محمد مہاروی قدس سرہ العزیز سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بیعت سے سرفراز ہو کر خلافت کا اعزاز پایا۔ اس لیے خانوادۂ سلیمانی کے بزرگ خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو پیرخانہ سمجھ کر اس خاندان کے ہر فرد کا انتہائی ادب و احترام کرتے ہیں، اپنی بزرگی عظمت اور درجات کی رفعت کے باوصف ان کے سامنے مؤدب بیٹھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام روحانی کمالات کا سرچشمہ، تمام عظمتوں کا امین ادب ہی ہے۔ حرمِ نبویؐ کا جتنا ادب و احترام ہو گا اتنا ہی دامنِ دل گلِ مراد سے مہکتا رہے گا۔ گنبدِ خضریٰ کو محبت کی ایک نظر سے دیکھنا ساری کلفتیں دور

Marfat.com

کر دیتا ہے۔ ظلمتیں مٹا دیتا ہے۔ سرور و کیف کی ایک لہر قلب و روح پر چھا جاتی ہے ؎

نظر نے دیکھا تھا جس وقت گنبدِ خضریٰ
وہ ایک پل ہی تو کیفیتِ مدام کا ہے — حافظ لدھیانوی

اسی طرح شیخ کے چہرے کی طرف محبت سے دیکھنا ایمان و یقین کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے۔

تصوّف نگہ کی تیغ بازی کا نام ہے۔ فقراء صوفیا اپنے اندر وہ قوت رکھتے ہیں کہ ایک نظر سے دلوں میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ دشمنِ جاں بن کر جو آتے ہیں۔ جاں نثار بن کر لوٹتے ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیری خواجہ غریبؒ نواز سپاہ و لشکر لے کر نہیں آئے تھے۔ فقر کی تیغ فساں ان کے پاس تھی۔ سنتے ہیں کہ اٹھارہ لاکھ ہندوؤں نے ان کے دستِ حق شناس پر بیعت کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ صوفیاء کی گفتگو واردات کے سانچے میں ڈھل کر نکلتی ہے۔ اس لئے دلوں کو متاثر کرتی ہے۔ دردمند دل سے نکلے ہوئے الفاظ تاثیر کی خوشبو ساتھ لاتے ہیں میاں محمّد رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

دردمنداں دے سخن محمّد دین گواہی حالوں
جس کنی پھل بدّھے ہوون آدے باس رومالوں

اہلِ اللہ کا وجود ہی تبلیغ کا نشان ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر عمل درس ہوتا ہے ان کی گفتگو ان کے دینی کردار، روحانی کیفیّت اور قلبی واردات کا حصّہ ہوتی ہے۔ اس میں ازلی صداقت اور ابدی حقیقت ہوتی ہے۔ ان کی گفتگو کا ہر لفظ ان کے مجاہدات و ریاضت کا نچوڑ ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ خان محمّد نوّر اللہ مرقدہٗ کی گفتگو بھی یہی تاثیر رکھتی تھی۔ ان کی گفتگو کا ہر لفظ دل میں ایمان کی شمعیں روشن کرتا چلا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ خان محمّد نوّر اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں ذکر چلا کہ بعض بزرگ بہت کم گفتگو کرتے ہیں۔ لوگ ارشادات سننے کے لئے آتے ہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک شخص عطّار کی دکان میں جا بیٹھے وہ عطر خریدے یا نہ خریدے عطر کی خوشبو تو اسے ضرور آئے گی اسی طرح ایک شخص لوہار کی دکان میں جا بیٹھے بھٹّی کی آگ سے اس کے کپڑے جلیں یا نہ جلیں دھوُاں

Marfat.com

اور تپش تو ضرور اسے پہنچے گی۔ حضرت خواجہ خان محمدؒ نوّر اللہ مرقدہٗ کم گفتگو فرماتے تھے مجھے تو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ خاموش درس کا آغاز ہو گیا ہے۔ انسان بزرگ کی ہر حرکت کو دیکھتا جائے تو یہ عملی درس ہو گا، اگر کسی بزرگ نے پانی پیا، جوتا پہنا، اس کا اٹھنا، بیٹھنا اس کا ہر عمل اس کی ہر حرکت درس ہی تو ہوتی ہے۔

ایک کتابی علم ہے جو ظن اور شک پیدا کرتا ہے۔ دلیل چاہتا ہے۔ یہ علم ذہن کو متاثر کرتا ہے۔ ایک توجّہ کا علم ہوتا ہے جو قلب و روح کو متاثر کرتا ہے۔ جو ایمان و یقین پیدا کرتا ہے جس سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے بزرگ خاموش رہ کر اپنی توجّہ سے نوازتے ہیں میرے نزدیک یہ صوتی تبلیغ سے زیادہ موثّر ہوتی ہے۔ قبلہ خواجہ خان محمدؒ رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں قلب و روح کی تربیّت ہوتی تھی۔ ان کی توجّہ صفائی باطن کا موجب ہوتی تھی۔ جو وعظ سے زیادہ افضل ہے۔

خواجہ خان محمدؒ صاحبؒ سے تیسری ملاقات بابا فریدالدّین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے عرسِ مبارک کے موقع پر ہوئی۔ آپ علی صابری رحمتہ اللہ علیہ کے ملحق حجرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مریدین حلقہ بنائے آپ کی زیارت اور توجّہ سے مستفیض ہو رہے تھے۔ آپ حسبِ معمول ذکر اللہ میں مصروف تھے۔ مجھے ان کی موجودگی کا علم ہوا۔ حاضرِ خدمت ہو کر دست بوس ہوا فرمایا کہ "جمالِ حرمین" کہیں رہ گئی، اگر کوئی نسخہ موجود ہو تو قیمتاً مجھے دے دیں۔ یہ بزرگوں کی بات کرنے کا انداز تھا وہ تو حکم دے سکتے تھے۔ یہ بھی درس تھا۔ میں نے عرض کی ابھی حاضر کرتا ہوں۔ خدا جانے میں جوتے کہاں رکھ کر بھول گیا۔ ننگے پاؤں خانقاہ سے تانگہ سٹینڈ تک آیا۔ میں ایک پرانے دوست چوہدری فرزند علی جو ریلوے میں گارڈ تھے ان کے ہاں مقیم تھا۔ کتاب وہاں سے لی اور خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ دعاؤں سے نوازا۔ اس خدمت کا سرور آج تک محسوس کر رہا ہوں۔ ان کی زبان سے "جمالِ حرمین" کا ذکر ہی میری خوش بختی کی دلیل تھا۔

حضرت خواجہ خان محمدؒ نوّر اللہ مرقدہٗ نے آٹھ حج کیے۔ ایک بار کی حاضری بھی جنت کی معراج ہوتی ہے۔ اس شخص کے علوِ درجات اور جنت کی یادری کا کیا کہنا جس کو یہ سعادت

Marfat.com

عظمیٰ آٹھ بار نصیب ہوئی ہو۔ ایک حج مجھ جیسے گنہگار کا ہوتا ہے جو احوال سے بے خبر۔ کیفیات سے نا آشنا، مقاماتِ نظر سے نابلد، حاضری کے آداب سے ناواقف، بیت اللہ کی عظمت سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ ایک حج مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کا ہوتا ہے۔ ہر قدم پر جن کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ ہر مقامِ سعادت پر ان کو روحانی بلندی نصیب ہوتی ہے۔

بیت اللہ شریف کی حاضری سے دامنِ قلب و نظر میں برکات سمٹتے رہتے ہیں۔ وہ اگر طواف کرتے ہیں تو شیفتگی و وارفتگی کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر احرام باندھتے ہیں تو علائق دنیا کے لباس کو اتار پھینکتے ہیں۔ وہ حرمین شریفین کے فیوض و برکات سے شب و روز مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان دو مراکزِ کرم سے جو سعادتیں، برکتیں سمیٹتے ہیں وہ واپس آکر اپنے معتقدوں میں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ کائنات میں خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس یہی دو سعادت کی منزلیں ہیں جن کا راہی محروم نہیں رہتا، یہ دونوں کریموں کے آستانے ہیں جہاں ہر ایک کی جھولی بھری جاتی ہے۔ سائل جتنا مستحق ہوگا اس پر اتنا ہی کرم زیادہ ہوگا۔ جتنی نسبت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پختہ ہوگی اتنی ہی خیراتِ کرم ملے گی، خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہٗ جیسا اگر سائل ہو تو بارانِ کرم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ حضورؐ کے آستانے پر ہر سائل معزز ہو جاتا ہے۔ خانہ کعبہ اور روضۂ اطہر یہ تجلیات کے دو مراکز ایسے ہیں۔ جہاں دیدہ و دل منور ہو جاتے ہیں ظلماتِ جاں کا نشان مٹ جاتا ہے۔ روح مجلّے اور مصفا ہو جاتی ہے۔ بزرگانِ دین تو پہلے ہی قلبِ مصفا اور روحِ مجلّے لے کر حاضر ہوتے ہیں ان پر جب انوار کی بارش ہوتی ہے، تو یہ ان کے مزید مراتب کی بلندی کا سبب ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ خان محمد صاحب درگاہِ نبوی، حرمِ پاک کے آداب ہر قدم پر ملحوظ رکھتے تھے۔ حدودِ مدینہ میں قدم رکھتے ہی اپنے مریدین کو ہدایت فرما دیتے تھے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں۔ جس سے سجادگی کا احساس ہو، وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں بھی ہاتھ باندھ کر چلتے تھے۔ حرمِ نبوی کی حاضری میں تو سراپا عجز بن جاتے تھے، نظریں جھکائے، ہاتھ باندھے رہتے تھے۔ ہر قدم پر غلامانہ آداب کا مظاہرہ کرتے۔ واقعی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربار ہی ایسا ہے، جہاں کوئی جتنا ادب ملحوظ رکھے گا اتنی ہی اسے معرفت عطا ہوگی سے

Marfat.com

تیرے دربار کے آداب نظر سے گزرے
کجکلاہوں کی غلامانہ ادا دیکھتے ہیں حافظؔ لدھیانوی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر زائر کے احوال کی خبر ہوتی ہے۔ وہ ہر ایک کی قلبی کیفیات سے واقف رہتے ہیں ؎

کون کس منزلِ الفت کا ہے راہی حافظؔ
سب کی حالت کو حبیبِؐ دو سرا دیکھتے ہیں حافظؔ لدھیانوی

حرمین شریفین میں ان کی یہ غلامانہ ادائیں بھی حلقۂ مریدین کے لیے تبلیغ کا انداز تھا۔ ہر مجلس میں بزرگ اپنے مریدین کو درس دیتے ہیں۔ اگر کسی کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر حاضری کا سلیقہ آجائے تو یہ تمام عمر کی ریاضت و عبادت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

حضرت خواجہ خان محمد نوّر اللہ مرقدہٗ جنّت البقیع کے اندر نہ جاتے، باہر سے ایصالِ ثواب کرتے۔ فرمایا کرتے کہ یہ جگہ پاکانِ بارگاہِ خداوندی کی قبورِ مبارکہ کی ہے اس میں صحابہ رضؓ مدفون ہیں یہ مشتاقانِ محبوبِؐ خدا کی آرام گاہیں ہیں۔ اس کے چپّے چپّے پر بزرگانِ دین، مقربانِ بارگاہِ الٰہی آسودۂ خواب ہیں یہ انتہائی بے ادبی ہوگی، اگر کسی قبرِ مبارک پر پاؤں آجائے۔ یہیں تابعین بھی ہیں ازواجِ مطہرات بھی ہیں —— شرم آتی ہے کہ ان کی قبورِ مبارکہ کو راستہ بنا لیا جائے۔ احترام کا یہ انداز، ادب کا یہ رُخ حضرت خواجہ خان محمد نوّر اللہ مرقدہٗ سے مختص تھا۔ یہ صاحبِ بصیرت کا ہی انداز ہو سکتا ہے۔ ورنہ ایک مخلوق جنّت البقیع کے اندر داخل ہو کر قبورِ مبارکہ پر حاضری دیتی ہے۔ یہ بھی اسی درسِ رشد و ہدایت کا ایک تابندہ حصّہ ہے۔ کسی بزرگ کے ساتھ سفر کرنے میں جو حجابات اٹھتے ہیں جو تعلیم کے انداز میسّر آتے ہیں، جو آداب سے واقفیت ہوتی ہے وہ قیام میں ممکن نہیں۔

حضرت خواجہ خان محمد نوّر اللہ مرقدہٗ کی زندگی کا ہر لمحہ تبلیغِ دین، رشد و ہدایت اور سنّتِ مطہرہ کی تلقین میں صرف ہوا۔ آپ اس ضعیف العمری میں بھی فریضۂ تبلیغ ادا کرتے رہے۔ ان کا اندرونِ ملک سفر اسی غرض سے ہوتا تھا۔ تاکہ وہ بندگانِ خدا جو تونسہ شریف حاضر نہیں ہو سکتے اس درس سے محروم نہ رہیں۔ اگر زندگی میں ایک انسان کو بھی ہدایت کا راستہ

Marfat.com

دکھا دیا جائے تو اس کے اجر و ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا جس بزرگ ہستی نے اپنی ساری عمر ہی لوگوں کو خیر کی دعوت دینے، خیر کا راستہ دکھانے، شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا کرانے میں صرف کر دی ہو اسکے اجر و ثواب کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہٗ، تمام عمر آخرت کا زادِ راہ اکٹھا کرتے رہے۔ آخر ۴ مئی بروز جمعۃ المبارک ۱۹۷۹ء کو یہ مردِ بزرگ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّآ اِلَیہِ رَاجِعُون

محمد بن سالم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اولیاء کی پہچان کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اولیاء کی علامات یہ ہیں"۔ لطفِ لسان، حسنِ اخلاق، بشاشتِ چہرہ، سخاوتِ نفس، قلتِ اعتراضات، عذر خواہ کے عذر کو قبول کرنا، تمام مخلوقِ خدا پر شفقت کرنا، خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار ——— محمد بن سالم رحمۃ اللہ علیہ نے اولیاء کی یہ تعریف کر کے خواجہ محمد خان نور اللہ مرقدہٗ کا سراپا بیان کر دیا ہے ———

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بعض مجالس ایسی ہوتی ہیں جن کی یاد سے کتابِ زندگی کے اوراق تابندہ رہتے ہیں۔ یہ مجالس ان علماء، ادباء اور اہلِ دل حضرات کی ہوتی ہیں جن کا ہر جملہ ادب پارہ، ہر لفظ حکمت کا گوہر اور ہر بات تاریخ ساز ہوتی ہے۔ عام گفتگو ہو یا علمی تبصرہ۔ سیاست کا عنوان ہو یا دینی مسائل پر اظہارِ خیال، شعر و ادب موضوعِ بحث ہو یا ذاتی واقعات و مشاہدات —— موضوع چاہے کچھ بھی ہو ان کے ایک ایک جملے سے علم و ادب کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں ہر جملہ ان کے علمی تبحر، شعری ذوق، حسنِ بیان اور دلکش اسلوب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ایسی علمی و ادبی مجالس میں شرکت ادبِ عالیہ کی درجنوں کتابیں پڑھنے سے زیادہ سود مند اور نفع بخش ہوتی ہے۔ مجھے زندگی میں جید علماء، ممتاز دانشور، معروف شعراء، مستند رہنما اور روحانی پیشوا کی صحبتوں سے مستفیض ہونے، ان سے اکتسابِ علم کرنے کے بیشمار مواقع میسر آئے، ادبی انجمنوں، تنقیدی اجلاس اور ہندوستان گیر مشاعروں میں شریک ہونے کا اعزاز نصیب رہا۔ بزرگوں کی صحبتوں نے میرے ادبی ذوق کو جلا بخشی، آداب و اخلاق کے قرینے سمجھ میں آئے، مجلسی زندگی کے نئے رُخ سامنے آئے۔ مگر جو لطف جو کیف سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں نصیب ہوا، وہ سب سے منفرد تھا۔ شاہ جیؒ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ ایک پیکر میں ہزار رنگ، ایک وجود میں بے شمار صفات ایک شخص متضاد علوم و فنون کا شاہکار تھا۔ اگر سیاست کی بات ہو تو ان کا اندازِ فکر جداگانہ، دین پر اظہارِ خیال ہو تو ان کا طرزِ بیان سب سے الگ، شاعری موضوعِ گفتگو ہو تو ان کا شعری ذوق سب سے منفرد تھا۔ ان میں انفرادیت بدرجۂ اتم موجود تھی وہ ہر مسئلے کو اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھتے تھے۔

شعر فہمی وہبی ہے۔ ہر ممتاز شاعر اچھا شعر فہم نہیں ہوتا۔ یہ ملکہ خداداد ہے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے شاہ جیؒ کو ایسی شعری بصیرت اور کمالِ ذوق سے نوازا تھا جس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ خوبصورت شعر سنتے ہی اس کی اس حسین انداز سے تشریح فرماتے کہ اہلِ ادب حضرات ان کی شعر فہمی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے۔ شاہ جیؒ کے داد دینے کا انداز سب سے نرالا اور مختلف تھا۔ شاعر شاہ جیؒ کی آنکھوں کی سجاوٹ اور ہونٹوں کی بناوٹ سے شعر کا معیار پرکھ سکتا تھا شعر کے معانی اور محاسن ان کے چہرے پر بکھرتے نظر آتے جیسے پھول کی خوشبو مشامِ جاں کو معطّر کر دیتی ہے۔ ایسی حسین داد وہی دے سکتا ہے جو شعر کی روح سے واقف ہو اور اس کی نزاکتوں سے کماحقہ، آگاہ ہو، لطافتِ شعر بے ہنگم داد کی بھی تو متحمّل نہیں ہو سکتی ــــــ شاہ جیؒ کی پسند اور ناپسند سند کا درجہ رکھتی تھی، شعر فہمی شعر گوئی سے زیادہ مشکل ہے شعر فہمی میں خداوندِ کریم نے اپنی عطائے خاص سے شاہ جیؒ کو وافر حصّہ عطا فرمایا تھا۔

شعر فہمی کا تعلّق ایک خاص وجدانی کیفیّت سے ہوتا ہے یہ وجدانی کیفیّت ہر شخص کا ورثہ نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ایک خاص قسم کا ادبی ماحول، روحانی لطافت، پاکیزگیٔ خیال اور حسنِ مطالعہ درکار ہوتا ہے۔

جب شاہ جیؒ لاہور تشریف لاتے تو ان کی قیام گاہ پر لاہور کے ممتاز شعراء حاضری دیتے ان شعراء میں صوفی تبسّمؔ، عابد علی عابدؔ، احسان دانشؔ، حفیظؔ جالندھری، عبدالمجید سالکؔ، پطرس بخاریؔ، ایم ڈی تاثیرؔ جیسے اہلِ علم ہوتے، شاہ جیؒ کی قیام گاہ اچھے خاصے مشاعرے میں تبدیل ہو جاتی اور شاہ جیؒ اس ادبی و شعری انجمن کے روحِ رواں ہوتے، ہر شاعر کی خواہش ہوتی کہ شاہ جیؒ کسی شعر پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کریں اور وہ اس کے لئے ادبی سند بن جائے۔

شاہ جیؒ غالب کی شاعری کو سراہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ غالب تو جنّت ہے اپنے ذوق کو کیا کروں اس سے کم درجے کا شاعر میرے مذاقِ سخن پر پورا ہی نہیں اُترتا شاہ جیؒ کو غالب کے فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یاد تھے۔ جب کبھی اس گلکدے کا دروازہ کھولتے تو انجمن مہک جاتی، گلِ تازہ کا حسن اور خوشبو دیدہ و دل کو منوّر کر جاتا۔ شاہ جیؒ کے شعر پڑھنے کا انداز کوئی نہ اپنا سکا۔ شاہ جیؒ کو خداوندِ کریم نے حسنِ صوت اور کمالِ ادائیگی سے نوازا تھا۔ شعر اس انداز سے پڑھتے کہ معانی اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتے،

Marfat.com

شعر کا حُسن رگ وپے میں سرایت کرتا اور ذہن و خیال کو تازگی بخشتا ہوا گزر جاتا، شاہ جی کا شعری انتخاب مثالی تھا۔ کوئی شعر معیار سے گرا ہوا لطافتوں سے معرّا، شاہ جی کی زبان سے نہیں سُنا ہر شعر فنی عروج اور حسنِ خیال کا شاہکار ہوتا۔

قحطِ بنگال پر نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا گیا۔ ساحر لدھیانوی نے نظم "بنگال" لکھی، روزنامہ آزاد کے دفتر میں شاہ جی مقیم تھے۔ ساحر چند دوستوں کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور نظم "بنگال" سنائی۔ ساحر کی نظم کے ایک بند کا شعر یہ تھا ؎

ملیں اسی لئے ریشم کے ڈھیر بُنتی ہیں
کہ دُخترانِ وطن تار تار کو ترسیں

شاہ جی نے فی البدیہہ دوسرا شعر کہا اور ساحر سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اگر پسند آئے تو اسے بھی نظم میں شامل کرو۔ دوسرا شعر جو شاہ جی نے کہا یہ تھا ؎

چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

ساحر نے شاہ جی کا یہ شعر اپنی نظم کا حصّہ بنا لیا۔

شاہ جی نے فارسی اور اُردو میں شعر کہے، جلسے جلوسوں سے اتنی فرصت نہ تھی کہ اس فن کو باقاعدہ اپناتے۔ چیدہ چیدہ اشعار کہے، جو ان کے بڑے صاحبزادے برادرم سیّد عطاء المنعم نے "سواطع الالہام" کے نام سے شائع کر دیئے۔ شاہ جی کا فارسی کا بے پناہ مطالعہ تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں فارسی اشعار ازبر تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا معروف فارسی شاعر ہو جس کے اشعار شاہ جی کو یاد نہ ہوں۔ اگر شاہ جی شاعری کو اپنا لیتے تو اس دور کے عظیم شعراء میں ان کا شمار ہوتا۔ مگر شاہ جی کی عدیم الفرصتی نے انہیں اس طرف پوری طرح متوجّہ نہ ہونے دیا ——

ایک دفعہ شاہ جی نے فرمایا کہ بچپن پٹنہ عظیم آباد میں گزرا۔ شاد عظیم آبادی جیسا قادر الکلام شاعر محاورے اور روزمرّہ کی تصحیح کے لئے ہمارے گھرانے کی طرف رجوع کرتا تھا۔ ایسی علمی ادبی اور دینی فضا میں شاہ جی کا بچپن گزرا، علماء کی صحبت سے مستفیض ہوتے گھر یلو تربیّت اور دین کے حصول نے اخلاق و آداب کے دروازے کھول دیئے۔

Marfat.com

زبان و بیان پر شاہ جیؒ کو قدرتِ کاملہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جہاں تقریر کی اہلِ زبان حضرات سے داد وصول کی، لکھنؤ میں جلسہ ہو یا دہلی میں اہلِ زبان حضرات نے میری زبان کو سند مانا میرے کسی جملے یا لفظ پر کبھی اعتراض نہیں کیا شاہ جیؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جہاں بھی تقریر کے لئے تشریف لے جاتے اس علاقے کی زبان بلکہ لب و لہجہ میں تقریر کرتے۔ سامعین تک اپنی بات ان کے لب و لہجہ اور ان کی زبان میں پہنچانے سے زیادہ موثر ذریعہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسی لئے شاہ جیؒ کی تقریر خطابت کا شاہکار تھی۔ میں نے ان کی خطابت کے بارے میں اشعار کہے تھے ؎

زبان ایسی فصاحت بھی جس پہ اتر آئے — کلام ایسا سنے جو بھی اس کو رشک آئے
ہر اک سخن میں دلِ سنگ کو گداز کرے — وہ جس پہ فنِ خطابت ہزار ناز کرے

تھی جس کے حسنِ تلاوت میں بارشِ انوار
دلوں کو چیر گئی اس کی شوخیٔ گفتار

اسی خطابت اسی فنِ تقریر میں کمال کی وجہ سے سیاسی رہنماؤں، علماء اور شعلہ بیان مقررین نے انہیں خطیبِ اعظم کے لقب سے یاد کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دَور نے شاہ جیؒ سے بڑا خطیب پیدا ہی نہیں کیا۔ ایک روز حفیظ جالندھری سے شاہ جیؒ کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ حفیظ جالندھری نے عجیب و غریب جملہ فرمایا کہا کہ شاہ جیؒ کی تقریر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی ماندہ معجزات میں سے ایک معجزہ تھی —— اس جملے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کی جھلکیاں اور شاہ جیؒ کے بخت کی معراج نظر آتی ہے۔

شاہ جیؒ جس احترام، ذوق و شوق اور حسنِ تجوید کے ساتھ کلامِ پاک پڑھتے تھے وہ انہی کا حصّہ تھا اللہ تعالیٰ نے آواز میں سوز، اور لحن میں عجیب تاثیر رکھی تھی۔ شاہ جیؒ کی تلاوت دلوں میں نور کی قندیلیں جلاتی، روحوں کو مجلّیٰ کرتی اور تطہیرِ قلب و نگاہ کرتی نظر آتی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ انوار کی بارش ہو رہی ہے دلوں کی تاریکیاں چھٹ رہی ہیں، پاکیزگی کی فضا قائم ہو رہی ہے۔ یہ تاثیر، یہ انداز یہ کمال شاہ جیؒ کے ذاتی تقدّس، قرآنِ مجید سے شیفتگی اور احکامِ خداوندی پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ تھا۔ شاہ جیؒ کی تلاوت سے کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا خواہ اس

Marfat.com

کا تعلق کسی مذہب سے ہو دوسرے مذاہب کے لوگ شاہ جیؒ کی تلاوت سننے کے لئے جلسہ گاہ میں آتے تھے اس ضمن میں شاہ جیؒ نے ایک واقعہ بیان کیا۔

شاہ جیؒ تہجد کے وقت تلاوتِ کلامِ پاک میں مصروف تھے۔ ایک بندہ اپنے خدا سے ہمکلام تھا۔ دل کے خلوت کدے کو کلامِ الٰہی کے نور سے منور کر رہا تھا۔ اس جیل کا جیلر انگریز تھا۔ شاہ جیؒ کی آواز سن کر ان کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ شاہ جیؒ کی آواز کے سوز نے اس میں رقت پیدا کر دی۔ آخر اس نے شاہ جیؒ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا کہ شاہ جیؒ تلاوت بند کر دیجئے اب رویا بھی نہیں جاتا۔ شاہ جیؒ نے مڑ کر دیکھا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

شاہ جیؒ کی حسنِ قرأت کے اور بہت سے قصّے ہیں ایک واقعہ شاہ جیؒ نے خود بیان کیا۔

دہلی میں ایک عظیم الشّان اجتماع تھا، اکابرینِ ملّت، زعمائے کرام، مقتدر سیاسی رہنما کانگرسی لیڈر اور معروف مقرّرین موجود تھے، مجمع کسی مسئلے پر متفق نہ تھا۔ مخالف گروہ کی اکثریّت تھی وہ کلہاڑیاں اور لاٹھیاں لئے جلسہ درہم برہم کرنے کو تیار تھے وہ کسی مقرّر کی تقریر سننے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو تک کو انہوں نے تقریر نہ کرنے دی۔ ابوالکلام آزادؒ نے مجمع کی یہ کیفیّت دیکھی تو ان کی نگاہِ انتخاب شاہ جیؒ پر پڑی —— ان کو معلوم تھا کہ شاہ جیؒ عوام کی نفسیات سے واقف ہیں وہ کسی نہ کسی طرح مجمع کو قابو میں کر لیں گے۔ ابوالکلام آزاد نے شاہ جیؒ کو تقریر کرنے کو کہا تعمیل میں شاہ جی اٹھ کھڑے ہوئے تاحدّ نظر امڈے ہوئے تند و تیز سیلاب کو دیکھا، شاہ جیؒ نے تلاوت شروع کی، جلسہ گاہ میں مکمّل خاموشی ہو گئی۔ شاہ جیؒ نے ایک گھنٹہ کلامِ پاک کی تلاوت کی۔ مجمع شاہ جیؒ کے حسنِ قرأت میں اپنا موقّف بھول گیا۔ شاہ جیؒ خدائے بزرگ و برتر کی آخری کتاب کی تلاوت کر رہے تھے لوگوں کے چہروں سے مخالفت کا غبار دھل رہا تھا جذبات کے شعلے مدھم ہو گئے۔ جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ جلسہ گاہ میں مکمل سکوت تھا، ہر شخص شاہ جیؒ کی تلاوت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ شاہ جیؒ نے کلامِ پاک کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر کا آغاز کیا۔ شاہ جیؒ کی تلاوت نے دلوں کو نرم کر دیا۔ وہی مجمع جو کچھ دیر پہلے زندگی اور موت کا کھیل کھیلنے آیا تھا، زندہ باد کے

Marfat.com

نعرے لگانے لگا ــــ شاہ جیؒ نے تفصیل کے ساتھ اپنا موقف بیان کیا اور اپنے نظریے کی وضاحت کر کے مخالف گروہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ شاہ جیؒ نے ایسے کئی معرکے سر کئے جن کی تفصیل کے لئے ضخیم کتاب درکار ہے۔

ایک روز میں نے شاہ جیؒ سے سوال کیا کہ آپ نے فنِ تجوید و قرأت کس سے سیکھا شاہ جی اس سوال پر مسکرائے فرمایا یہ بہت عجیب و غریب واقعہ ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ ہمارے پٹنے میں ایک عرب تھے وہ بچوں کو قرأت کا درس دیا کرتے تھے۔ میں ان کی قرأت کو غور سے سنتا اور گھر آ کر ان کی نقل اتارتا۔ ایک روز میں مسجد کے حجرے میں ان کی نقل اتار رہا تھا۔ وہ عرب قاری باہر غور سے میری تلاوت سنتے رہے۔ جب میں تلاوت کر چکا۔ اندر حجرے میں آئے ان کی اچانک آمد سے میں حواس باختہ ہو گیا۔ انہوں نے آتے ہی سوال کیا کہ تم نے فنِ تجوید کس سے سیکھا میں نے حواس مجتمع کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں تو آپ کی نقل اتار رہا تھا۔ اس عرب قاری نے فرمایا "تم سارق الطبع ہو" شاہ جیؒ نے فرمایا بس میرے فنِ تجوید میں سماعت ہی کو دخل ہے ــــ

شاہ جیؒ کا سب سے بڑا وصف حاضر دماغی اور حاضر جوابی تھا جلسے میں کوئی سوال کیا جاتا شاہ جیؒ نہایت سکون اور وضاحت کے ساتھ اس کا برجستہ اور مسکت جواب دیتے تھے۔ سوال کرنے والے کی تسلّی ہو جاتی تھی۔ اس کو مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ لاکھوں کے مجمع میں مخالفین نے شاہ جیؒ سے سوال کئے اور شاہ جی کے چند جملوں نے ان کی تشفی کر دی۔

شاہ جیؒ کی تقریر سننے اس سے مستفیض ہونے کے لئے علمائے کرام، مفسرین، مقررین سیاسی رہنما، اہلِ ادب اہلِ ذوق حضرات اور عوام الناس سبھی قسم کے لوگ آتے تھے۔ حسنِ خطابت کا کمال یہ تھا کہ دس دس گھنٹے شاہ جیؒ تقریر کرتے اور مجمع میں سے ایک شخص بھی اٹھ کر نہ جاتا۔ شاہ جیؒ جب چاہتے مجمع کو رلاتے جب چاہتے ہنساتے۔ گویا لاکھوں اشخاص کی نبضوں پر شاہ جیؒ کا ہاتھ تھا۔ وہ عوام کے چہروں سے عنوانات چن کر تقریر کو سجاتے ــــ ان کی تقریر ایک ان پڑھ کے لئے بھی اتنی ہی پرکشش تھی جتنی ایک عالم کے لئے ــــ ایک مفسرِ قرآن بھی آیاتِ کریمہ کے ترجمے اور نکات سے محظوظ ہو رہا ہے ایک ادیب اور شاعر بھی شعر کے برجستہ

Marfat.com

استعمال سے مسحور ہو رہا ہے، ہر ایک کا دامن بھرا جا رہا ہے لوگ کیسۂ دل میں یادوں کے انمول موتی لے کر لوٹتے۔

حاضر جوابی کے سلسلے میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے ایک پُر لطف واقعہ سُنا ڈیرہ غازی خاں میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ شاہ جی کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہزاروں معتقدین شاہ جیؒ کی تقریر سننے کے لئے آئے۔ مضافات میں سے میلوں پیدل چل کر جلسہ میں شرکت کی غرض سے آئے۔ اس علاقے کے لوگ بزرگانِ دین کے مزاروں سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں بعض اوقات یہ عقیدت کا جذبہ شرک کی حدوں کو چھو لیتا ہے۔ یہ عقیدت یہ مزاروں سے قلبی وابستگی ان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملی ہے۔

شاہ جیؒ کی تقریر کے آغاز ہی میں کسی نے مزاروں پر حاضری اور مزاروں کے جواز کے بارے میں استفسار کر دیا۔ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ میں حیران تھا کہ شاہ جیؒ اس نازک مرحلے سے کس طرح نکل سکیں گے اگر مزاروں کے خلاف بات کرتے ہیں تو جلسہ گاہ میں ایک ہنگامہ بپا ہو جائے گا اگر ان کے نظریات کی تائید کرتے ہیں تو عقیدے میں خلل واقع ہوتا ہے۔

یہ مرحلہ نہایت کٹھن تھا۔ سوال کرنے والے نے یہ بھی کہہ دیا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تو مدینہ منورہ میں مزار ہے۔ شاہ جیؒ نے اس نوجوان سے پوچھا کہ کیا واقعی جنابِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مزارِ مبارک ہے۔ مجمع اس سوال پر حیران تھا کہ وہی روضۂ اطہر تو قلوب کی تسکین کا مرکز، انوار کا سرچشمہ، پناہِ عالمیاں اور تشنہ نگاہوں کی سیرابی کا نشان ہے۔ شاہ جیؒ نے خطابت کے انداز میں جواب دیا کہ جب میرے آقاؐ، کائنات کے آقاؐ کا مزارِ مقدس موجود ہے تو دوسرے مزار کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے یہ شرک فی النبوۃ ہے۔ یہ بات کچھ اس انداز سے بیان کی کہ مجمع شاہ جیؒ زندہ باد، امیرِ شریعت زندہ باد، مجاہدِ اعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ لوگ اپنا عقیدہ اور مسلک بھول گئے۔

شاہ جیؒ کی تقریر مزاج کو بدل دیتی تھی، نظریات میں تبدیلی پیدا کر دیتی تھی، اعتقادات میں انقلاب برپا کر دیتی تھی۔ لوگ شاہ جیؒ کے ہمنوا ہو جاتے تھے یہ زورِ بیان، یہ حسنِ خطابت یہ اندازِ کلام بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

Marfat.com

شاہ جیؒ کی خطابت کا ایک اور معرکہ برادرِ محترم اعجاز احمد چشتی نے بیان کیا' اعجاز احمد چشتی گارڈن کالج راولپنڈی میں زیرِ تعلیم تھے۔ شاہ جیؒ کی تقریر کا اعلان ہوا۔ چشتی صاحب کے کچھ دوست کمیونسٹ ذہن کے تھے۔ چشتی صاحب نے انہیں تقریر سننے پر آمادہ کر لیا۔ وہ چشتی صاحب کے ساتھ جلسہ گاہ میں پہنچے وہ اپنے ذہنوں میں بہت سے سوال لے کر آئے تھے کہ وہ دورانِ تقریر اپنے نظریے کے مطابق شاہ جیؒ سے سیاسی نوعیت کے سوال کریں گے' ان کو اپنے مطالعے' اپنے نظریے پر ناز تھا۔ وہ تمام مسائل کا حل کمیوزم سمجھتے تھے۔ ملحدانہ عقائد نے ان کے ذہنوں کو مسخ کر دیا تھا۔ ہزاروں کا مجمع تھا۔ لوگ بے تابی سے شاہ جیؒ کی آمد کے منتظر تھے شاہ جیؒ پنڈال میں داخل ہوئے۔ ہزاروں عقیدت مند نگاہیں ان کے استقبال کے لیے اٹھیں شاہ جی زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔ شاہ جیؒ نے قرآنِ پاک کی تلاوت شروع کی مجمع خاموش ہو گیا خطبہ مسنونہ کے بعد شاہ جیؒ نے تقریر کا آغاز کیا۔ وہ کمیونسٹ طلبا محوِ حیرت بنے ہوئے شاہ جیؒ کی تقریر سن رہے تھے۔ سوالات کا نقشہ ذہن سے محو ہو گیا۔ ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا' ایک موجِ خطابت تھی کہ بہائے لیے جا رہی تھی' ایک سوز تھا کہ دل کے خلوت کدے روشن کر رہا تھا۔ خداوندِ کریم کے آخری پیغام کی تشریح و تفسیر ہو رہی تھی' دلوں کی سیاہی ڈھل رہی تھی' دلوں کا زنگ دور ہو رہا تھا۔ اعجاز احمد چشتی صاحب کا بیان ہے کہ جلسہ گاہ میں سب سے زیادہ رونے والے یہی کمیونسٹ طلبا تھے۔ جو اعتراضات کے کانٹے لے کر آئے' عقیدت و محبت کے پھول لے کر لوٹے ——

شیخ حسام الدینؒ احرار کے سرکردہ لیڈروں میں سے تھے۔ شعر و ادب کے دلدادہ' باوضع و باوقار انسان' تقریر میں گرج' مجلسی گفتگو میں لطافت' آزادی کا بے باک و نڈر سپاہی —— زندگی کی نصف صدی کی داستانوں' واقعات و حادثات' سیاسی کشمکش' قید و بند کے حالات —— دار و رسن کے قصے' انگریزوں کے مظالم' جدّ و جہدِ آزادی کی تفسیر —— یعنی شیخ صاحب کی ذات تاریخ کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی —— دورانِ گفتگو مجلسِ احرار کے معرکوں' خطابت کے انداز' مقتدر سیاسی شخصیتوں کے کارہائے نمایاں بیان کرتے تو تاریخ کے اوراق کھل جاتے۔

ایک دن دورانِ گفتگو سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو امیرِ شریعت کا لقب

Marfat.com

ملنے کی داستان شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنی، شیخ صاحب اس واقعہ کے عینی شاہد تھے۔ آپ نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی۔

شیرانوالہ گیٹ میں مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہٗ کی مسجد میں ہندوستان بھر کے علماء کا اجتماع ہوا۔ قادیانی تحریک زوروں پر تھی۔ حکومتِ افرنگیہ اس کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی تحریک کو حکومت کا خود کاشتہ پودا کہتا تھا۔ اسے حکومت کا تحفظ اور تعاون حاصل تھا۔۔۔ علمائے کرام نے اس فتنے کے رد کے لیے اس کاذب اور خود ساختہ نبوت کے مدعی کے مقابل محاذ قائم کرنا تھا۔ سید محمد انور شاہ کاشمیری قدس سرہٗ العزیز کی قیادت میں علماء کا یہ اجلاس ہوا۔ اس اجتماع میں پانچ سو سے زائد علمائے کرام نے شرکت کی۔ کسی مکتبۂ فکر کا کوئی جید عالم، کوئی محدث کوئی مفسر ایسا نہ تھا جو اس جلسے میں شریک نہ ہوا ہو، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ جیسے بزرگانِ دین بھی موجود تھے۔ سید محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ قادیانی فتنے کے رد کے لئے، اس کی نشر و اشاعت کو روکنے کے لئے لوگوں کو بے دینی سے بچانے لئے ہمیں ایک قائد منتخب کر لینا چاہیئے تاکہ منظم طریقے سے اس فتنے کا سدِ باب کیا جاسکے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے تمام علمائے کرام نے اتفاق کیا۔ اور یک زبان ہو کر کہا کہ آپ ہم سب میں بزرگ، سب سے زیادہ محترم و مکرم ہیں۔ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے ہمیں منظور ہو گا۔ آپ نے نرم لہجے میں فرمایا کہ اس اہم کام کی ذمہ داری آپ نے میرے کمزور کندھوں پر ڈال دی ہے۔ پھر حضرتؒ مراقبے میں رہے۔ کافی دیر کے بعد حضرتؒ نے مراقبے سے سر اٹھایا اور دوبارہ فرمایا کہ میں جو فیصلہ کروں گا کیا آپ حضرات کو منظور ہو گا۔ سب نے دوبارہ مودبانہ عرض کی کہ آپ کے فیصلے سے سب کو اتفاق ہو گا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت کا شہرہ ہو چکا تھا۔ نوعمری کا زمانہ تھا۔ ایسے جید علماء مفسرین، محدثین کے مقدس اجتماع میں شاہ جیؒ کی حیثیت ایک خادم سے زیادہ نہ تھی۔ سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ جیؒ کو طلب کیا، شاہ جیؒ لپک کر حاضر ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرتؒ کسی کام کے لیے فرمائیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اس کام کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور امیرِ شریعت کا لقب عطا فرمایا۔ شاہ جیؒ کی عجیب کیفیت تھی وہ بزرگ

Marfat.com

جس کی علمیت، جس کی بزرگی، جس کے تقویٰ کا ہر شخص معترف تھا۔ جو تمام علماء کا مخدوم تھا جس کی دینی خدمات بے مثل تھیں وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظِ ختمِ نبوت اور ناموس کی خاطر ایک نوجوان عالمِ دین کے ہاتھ پر بیعت کر رہا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پانچسو کے قریب علمائے دین مفسرین محدثین نے ردِ مرزائیت کے سلسلے میں شاہ جی کے ہاتھ پر بیعت کی —— پھر حضرت انور شاہ کاشمیری قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ خداوندِ کریم نے اس عظیم کام کے لئے آپ کو منتخب کر لیا ہے۔ اس کارِ خیر کی سعادت آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے —— یہ وہ جلسہ تھا جہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک جلیل القدر عالم، مہتمم دارالعلوم دیوبند اور جید علماء کے استاد حضرت سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے امیرِ شریعت کے لقب سے نوازا۔

شاہ جیؒ نے اس لقب کی لاج رکھ لی۔ سینکڑوں اجتماعات سے اس مسئلہ پر پُرزور تقریریں کیں اِس جھوٹے مدّعیٔ نبوت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دئے۔ ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے، اس دینی خدمت کے لئے ساری زندگی وقف کر دی۔ جوانی سے بڑھاپے تک اس محاذ پر لڑے، قید و بند کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں، آخر ان کی سعیِ جمیلہ، ان کی عمر بھر کی کاوش بار آور ہوئی اور مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دیا گیا۔ اور حکومت نے مرزائیوں کو اقلیت قرار دے کر اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ——

شاہ جیؒ علمائے کرام اور بزرگانِ دین کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب کسی بزرگ کا ذکر کرتے تو ادب و احترام کے تمام پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر ذکر کرتے شاہ جیؒ احرار کے دفتر میں تشریف فرما تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ شاعری کا دَور ہو رہا تھا، شورش کاشمیری نے اپنی گفتگو سے محفل کو زعفران بنا رکھا تھا۔ اچانک کسی نے مفسرِ قرآن حضرت مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہٗ کی آمد کی اطلاع دی، محفل کا رنگ یکسر بدل گیا ہر شخص احترام و عقیدت کا پیکر بن گیا۔ شاہ جیؒ نے آگے بڑھ کر حضرت کا استقبال کیا اور نہایت ادب سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ حضرت تشریف فرما ہوئے، شاہ جیؒ سے فرمایا کہ تشریف رکھئے۔ شاہ جیؒ دو زانو ہو کر

Marfat.com

نظریں جھکا کر حضرت کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ جب تک حضرت احمد علی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما رہے شاہ جیؒ اسی انداز سے بیٹھے ادب و احترام سے ان کے ارشادات سنتے رہے۔

اسی طرح شاہ جیؒ کو اپنے مرشد و مربّی حضرت عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ العزیز کی مجلس میں مؤدّب بیٹھے دیکھا لاکھوں کے مجمع کو اپنی خطابت سے مسحور کرنے والا، ہر جگہ زبان و بیان کا جادو جگانے والا خطیبِ اعظم، شعلہ بیان مقرّر خاموشی سے عقیدت سے سر جھکائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دیتا، آداب کے تمام تقاضے، احترام کے تمام پہلو، نیازمندی کے تمام رُخ سامنے آجاتے اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کوئی بات دریافت فرماتے تو مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔

خیر المدارس کا جلسۂ تقسیم اسناد تھا۔ مدرسے میں جگہ ناکافی ہونے کی وجہ سے جلسے کا انتظام کمپنی باغ میں کیا گیا۔ یہ کمپنی باغ شہر میں واقع تھا اور سیر کی بہترین جگہ تھی۔ نمازِ جمعہ کے بعد جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ چند علماء نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مدرسے کی دینی خدمت کو سراہا۔ مولانا خیر محمد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ بابرکات کو خراجِ تحسین ادا کیا۔ سب سے آخر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب تھا حدّ نگاہ تک لوگوں کا مجمع تھا۔ شاہ جیؒ نے خطبۂ مسنونہ شروع کیا ہی تھا کہ کسی نے شہد کی مکھیوں کے چھتّے کو چھیڑ دیا۔ ہزاروں لوگوں کے سروں پر مکھیوں نے چکّر لگانے شروع کر دئے۔ شاہ جیؒ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے پتّھروں کی طرح جم کر بیٹھے رہو، شاہ جیؒ کے چہرے پر مکھیوں نے ڈنک مارنا شروع کر دئیے۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ چہرے کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں مکھی نے ڈنک نہ مارا ہو۔ میں نہایت ضبط سے خطبہ پڑھتا رہا۔ ایک مکھی نے میری آنکھ کے کونے میں ڈنک مارا۔ مجھے جھرجھری سی آئی۔ مجمع میں سے ایک شخص اٹھا اس نے دونوں ہاتھوں سے مکھیوں کو چہرے سے اتارا، چہرہ سوج گیا، بخار کی شدت ہو گئی —— لدھیانہ میں احرار کا عظیم الشّان جلسہ تھا۔ دوسرے روز شاہ جیؒ اسی حالت میں لدھیانہ تشریف لائے۔ چہرہ بے حد سوج گیا تھا۔ تیز بخار تھا۔ مولانا شبیّر احمد عثمانی قدّس سرّہ العزیز کی تقریر تھی۔ حضرت کرسی پر بیٹھے تقریر فرما رہے تھے۔ مجمع نہایت احترام سے آپ کے ارشاداتِ گرامی سُن رہا تھا۔ انوار کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک وجودِ گرامی جو دین کی تفسیر

Marfat.com

تھا' خداوندِ کریم کی آخری کتاب سے خداوندِ کریم کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہا تھا۔ احادیثِ نبویؐ کے حوالوں سے ساری مجلس دائرۂ نورانیت میں آگئی۔ ایک آواز دلوں میں گھر کرتی جا رہی تھی۔ حضرتؒ کی گفتگو میں تقویٰ کا حسن، علم کی خوشبو، پاکیزگی کا جمال اور عمل کی لذت تھی۔ جب حضرتؒ تقریر ختم کر چکے تو شاہ جیؒ فرطِ شوق و محبت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرتؒ کو بلیغ انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی دے۔ آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ میری سال بھر کی تقریروں کا موضوع بن گیا۔ آپ نے علماء کے ذہنوں میں علم کے چراغ روشن کر دیئے۔ آپ نے جس انداز سے قرآنِ مجید کی تعلیمات کو ہم تک پہنچایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ میں تو حضرتؒ کا خوشہ چین ہوں ——— غرضیکہ شاہ جیؒ نے اپنی محبت و عقیدت کا حسین انداز میں اظہار فرمایا۔ جیسا کہ اوپر تحریر کر چکا ہوں کہ شاہ جیؒ کو بزرگوں سے اہل اللہ سے مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے انتہائی عقیدت تھی۔ یہ جملے بھی اسی عقیدت کے اظہار کی علامت تھے۔

ملتان کے دو سالہ قیام میں باقاعدگی سے شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ شاہ جیؒ کے علمی خزانے سے دامنِ طلب بھرتا رہا۔ مختلف موضوعات پر شاہ جیؒ کی گفتگو سنی، علمائے دین کی مجالس کی روداد، ان کے علمی کمالات، ان کی بے نفسی ان کے تقویٰ کی داستانیں شاہ جیؒ سناتے۔ مجلسی آداب کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کرتے۔ ایک روز اخلاق پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا کہ اخلاق کا سرچشمہ ادب کا مصدر تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک بار بھی مجلس میں لات پسار کر نہیں بیٹھے۔ پھر جذبے کے ساتھ فرمایا حضورؐ ایک بار لات پسار کر بیٹھتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے قدمِ مبارک کو آنکھوں سے لگاتے۔ ان کے پائے مبارک پر چہرے کو ملتے مگر اس معلمِ اخلاق اس سرچشمۂ رشد و ہدایت سے ایسی بات ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

شاہ جیؒ درویش صفت انسان تھے۔ سادہ زندگی بسر کی، ان کے دل میں دولت و ثروت کی کبھی خواہش پیدا ہی نہیں ہوئی۔ ہندوستان کا خطیبِ اعظم کرائے کے مکان میں رہا۔ جس میں برسوں سے قلعی نہ ہوئی تھی۔ جس کی مٹی گرتی رہتی تھی۔ اسی مکان میں ہندوستان بھر کے علماء شاہ جیؒ کی ملاقات کے لئے آتے، اسی مکان میں شعر و ادب کی مجلسیں آراستہ ہوتیں، سرمایہ دار

Marfat.com

اسی ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر شاہ جیؒ کے ارشادات سے مستفیض ہوئے۔ اس گھر کے دروازے رنگ و روغن سے بے نیاز رہے۔ خطیبِ اعظم کے گھر میں قالین نہ تھا، صوفے نہ تھے۔ دروازوں پر ریشمی پردے نہ تھے ایک چھوٹا سا غسل خانہ تھا جس میں نلکا لگا ہوا تھا خطیبِ اعظم اسی غسلخانے میں نلکے سے پانی نکال کر غسل کرتا۔ اس غسل خانے میں مشکل سے غسل ہو سکتا تھا —— اندر کے کمروں کا بھی یہی حال تھا۔ صحن کچّا تھا —— ایک روز میں نے شاہ جیؒ کو حیدرؔ دہلوی کا شعر سنایا۔ شعر یہ تھا ؎

چمن والوں سے مجھ صحرانشیں کی بود و باش اچھی
بہار آکر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

شاہ جیؒ کو شعر بہت پسند آیا۔ پھر اپنے گھر کے در و دیوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے۔ بہار آکر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی۔

شاہ جیؒ اگر چاہتے تو ایک تقریر میں ایک کوٹھی کے پیسے جمع کر سکتے تھے لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں ہزاروں روپیہ اکٹھا کرنا مشکل کام نہ تھا مگر شاہ جیؒ کو اللہ تعالےٰ نے توکّل اور غنا کی دولت سے نوازا تھا۔ انہوں نے مادّی دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ فقر و فاقہ کو زندگی کا حسن بنایا۔ اگر شاہ جی دولت کمانا چاہتے تو آج پاکستان میں ان کے صاحبزادوں سے زیادہ امیر کوئی نہ ہوتا۔ انہوں نے اپنی اولاد کو علم کی دولت دی، دین سکھایا، دین پڑھایا، سب کو قرآنِ مجید حفظ کرایا اس سے زیادہ بہتر ورثہ کیا ہو سکتا ہے کہ اولاد کا ہر نیک عمل والدین کے درجات کی بلندی کا سبب بنے۔

شاہ جیؒ کے مسلسل قرب سے ان کی ذاتی خوبیاں، ان کے زندگی کے بے شمار پہلو دیکھنے کا موقع ملا یہ ایسے بزرگوں میں سے تھے جن کے قرب سے ان کی عظمت کے مینار اور بلند نظر آنے ہیں۔ شاہ جیؒ اوصاف کا پیکرِ جمیل تھے۔ شاہ جیؒ کی مجلس میں گھنٹوں گزارے۔ شاہ جیؒ نے تمام عمر کسی کی غیبت نہیں کی۔ یہ بظاہر بہت معمولی بات نظر آتی ہے مگر ہماری کوئی مجلس بھی غیبت سے مبرّا نہیں۔ جہاں چند دوست اکٹھے ہو جاتے ہیں تو کسی کی برائی، عیب جوئی ضرور درمیان میں آجاتی ہے۔ شاہ جیؒ نے اپنے دشمنوں کے بارے بھی کبھی غیر محتاط گفتگو نہیں کی۔ کسی کی ذات کے بارے میں نازیبا لفظ استعمال

نہیں کئے، یہ ان کے اخلاق کا کمال اور ان کی عظمت کی دلیل ہے یہ عالی ظرفی، یہ رکھ رکھاؤ، یہ وضعداری ان سے مختص تھی۔

شاہؒ جی کی زندگی نیشب و فراز سے عبارت ہے۔ انہوں نے کسی حال میں بھی کسی معتقد کسی مرید یا کسی دوست کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ یہ فقر کی شان ہے، یہ بے نیازی کی شان، یہ غنا کا ورثہ، یہ توکل کی دولت انہیں آباؤ اجداد سے ورثے میں ملی تھی۔

ایک روز سکندر مرزا صدرِ پاکستان ملتان آئے۔ شاہؒ جی کو پیغام بھیجا کہ اگر تشریف لا سکیں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔ شاہؒ جی نے قاصد سے کہا کہ مجھے تو مرزا صاحب سے کوئی کام نہیں اگر وہ اس فقیر سے ملنا چاہتے ہیں تو دروازے کھلے ہیں بصد شوق تشریف لائیں ۔

نہ تاج و تخت میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

تیسری بات جس کا میں نے مشاہدہ کیا کہ شاہؒ جی نے ساری عمر جھوٹ نہیں بولا۔ اگر کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ بھی ہوتا تو اس کی وضاحت فرما دیتے۔ ایک روز شاہؒ جی حکیم حافظ حنیف اللہ صاحب کے مطب میں تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کی اہلیہ کی تیمار داری کے لیے جانا چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑی، زیادہ چل نہیں سکتا پھر فرمایا کہ گھر سے ارادہ کر کے نہیں نکلا تھا راستے میں خیال آیا تھا۔

حدیث شریف میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ مسلمان میں دو خصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں ایک بخل دوسرے جھوٹ، شاہؒ جی کی زندگی ان دونوں برائیوں سے پاک صاف تھی

مولانا محمد یٰسین صاحب شاہؒ جی کے حلقۂ احباب میں سے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں خانہ کعبہ کے سامنے راقم الحروف کی محترمی مولانا محمد یٰسین صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ بزرگانِ دین کا ذکرِ خیر ہوتا رہا۔ اسی گفتگو میں شاہؒ جی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر بھی آیا۔ مولانا محمد یٰسین صاحب نے شاہؒ جی کی شفقت، محبت اور حسنِ کردار کا عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا۔

مولانا محمد یٰسین صاحب کی جھنگ کے ضلع میں کچھ زمین تھی سیلاب سے زمین کو خاصا نقصان پہنچا ——— فصل تباہ ہوگئی، کچھ مویشی ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے شاہؒ جی سے سیلاب کی تباہ کاریوں کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ دوسرے روز نقصان کا اندازہ لگانے اور اس نقصان کو کسی طرح پورا کرنے کے

Marfat.com

لئے جھنگ جا رہے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جھنگ جانے سے پہلے مجھے ملنا۔ دوسرے روز روانگی سے قبل مولانا محمد لطیف صاحب جب شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ جیؒ انہیں کمرے میں لے گئے اور فرمایا، میری جیب میں ہاتھ ڈالو، جیب میں پانچ سو روپے تھے۔ شاہ جی نے فرمایا انہیں اپنے اخراجات میں لانا۔ پھر فرمایا کہ معلوم ہے میں نے آپ کو جیب میں ہاتھ ڈالنے کے لئے کیوں کہا تھا ــــــ یہ اس لئے تھا کہ میرے دوست کو ہاتھ پھیلانے کی ذلت اور شرمندگی نہ اٹھانا پڑے، یہ حسین انداز، یہ محبت کا رخ یہ حسنِ اخلاق کی ادا شاہ جی ہی کی حسنِ تدبیر کا کرشمہ ہو سکتی تھی۔

میں نے شاہ جیؒ کو ایک لاثانی خطیب، ایک شعلہ بیان مقرر، ایک محفل آرا شخصیت ایک بلند پایہ ادیب، اور ایک جید عالم کے علاوہ ایک بلند کردار، راست باز، متوکل، ہمدرد اور دوست نواز شخص بھی پایا۔ اوصاف یہ خوبیاں یہ وضع داریاں اسلاف کا ورثہ ہیں۔ یہ ورثہ اب نایاب ہوتا جا رہا ہے۔

شاہ جیؒ کی بیعتِ اوّل قطبِ دوراں حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز سے تھی۔ بعد میں وہ حضرت عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے دامنِ سعادت و کرم سے وابستہ ہو گئے۔ شاہ جیؒ نے حضرتِ اقدسؒ سے روحانی فیض حاصل کیا، ان کی خدمت میں نہایت ادب و احترام سے حاضری دیتے رہے۔ جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔

ایک روز پنجابی شاعری پر گفتگو ہو رہی تھی شاہ جیؒ رحمۃ اللہ علیہ پنجابی زبان کی وسعت اس کی جدت اور اس کی بے ساختگی کی داد دے رہے تھے۔ شاہ جیؒ نے ہیر وارث شاہ سے چند اشعار بھی سنائے، دوسرے پنجابی شعرا کا تذکرہ رہا۔ راقم الحروف نے بھی میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اشعار سنائے۔ صوفیائے کرام کی شاعری پر شاہ جیؒ نے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ان کی شاعری میں جو سوز، رقت اور وارداتِ قلبی کا اظہار ہے وہ دوسری زبانوں میں بہت کم نظر آتا ہے۔ صوفیاء کی شاعری حال کی شاعری ہے۔ وہ اپنی کیفیاتِ باطنی کو چند اشعار میں بیان کر کے اہلِ دل حضرات کو سوز کا بہت بڑا سرمایہ عطا کر جاتے ہیں۔ پنجابی کی مختلف اصنافِ شاعری کا ذکر رہا۔ آج کی مجلس پنجابی زبان کے بارے میں معلوماتی اور کیف آور مجلس تھی۔ دورانِ

Marfat.com

گفتگو شاہ جیؒ نے پنجابی زبان کے بارے میں ایک بلیغ جملہ ارشاد فرمایا۔ شاہ جیؒ نے پنجابی زبان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہا "پنجابی زبان خیال کو آنگن دیتی ہے۔"

میں نے شاہ جیؒ کو پنجابی کا ایک شعر سنایا ؎

میری گھگھری نوں گھنگرو لوا دے

جے توں میری ٹور ویکھنی۔

شاہ جیؒ کو شعر بہت پسند آیا۔ مجھے اس شعر میں کوئی جدت یا ندرتِ خیال نظر نہ آئی۔ مجھے شاہ جیؒ کی شعر فہمی کے بارے میں علم تھا۔ خاموش رہا۔

حضرتِ اقدسؒ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ فیصل آباد میں خالصہ کالج کی مسجد میں مقیم تھے۔ شاہ جیؒ بیماری کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھے۔ نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ حضرت اقدسؒ کے ارشاد پر شاہ جیؒ کو کار بھیج کر بلوایا گیا۔ عصر کے بعد حسبِ معمول حضرتِ اقدسؒ کی محفل جمی۔ شاہ جیؒ نے اپنی دھوتی کا پلّو پکڑ کر حضرتِ اقدسؒ سے مخاطب ہو کر شعر پڑھا۔ فرمایا حضرت ایک درخواست ہے، میرے بیٹے حافظ لدھیانوی نے شعر سنایا تھا۔ پھر اپنی مخصوص لَے میں مندرجہ بالا شعر پڑھا۔ آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ دو تین سو آدمی اشکبار ہو گئے۔ شاہ جیؒ شعر پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ حضرتِ اقدسؒ پر بھی کیفیّت طاری ہو گئی۔ شعر کی قسمت جاگ اُٹھی۔ اس ادا نے خلوص و محبّت، نیاز مندی، حضرتِ اقدسؒ سے وابستگی کے ہزار پہلو روشن کر دیئے۔

ابتدا میں شاہ جیؒ کو روحانی فیض اپنے والدِ ماجد قدّس سرّہٗ کی نظرِ التفات اور خاص توجّہ سے ملا۔ شاہ جیؒ نے ایک روز فرمایا کہ وہ اس زمانے میں اوراد و وظائف بہت کرتے تھے۔ طبیعت میں جلال بہت تھا۔ جب وہ چلتے تو درخت اور دیواریں انہیں پیچھے ہٹتی ہوئی معلوم ہوتیں۔ اور بھی روحانی کمالات کا تذکرہ کیا۔ شاہ جیؒ کی ساری زندگی تقویٰ، پرہیزگاری، درویشی اور توکّل پر گزری، اللہ تعالےٰ نے ظاہری حسن وجمال کے ساتھ حسنِ سیرت سے بھی نوازا تھا، ان کی طبیعت دنیا کی طرف کبھی راغب ہی نہ ہوئی۔ عشقِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہر خواہش سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ان کو اگر دُھن تھی تو یہ کہ وہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام زندگی جو ابدی نجات کا ذریعہ ہے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچا دیں۔ اس مقصد کے حصول

Marfat.com

کے لیے انہوں نے ہزاروں تقریریں کیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لاکھوں شیدائیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرایا۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس اور تحفظِ ختمِ نبوت پر جہاد باللسان کیا ـــــــ حضرت سید محمد انور شاہ کاشمیری نور اللہ مرقدہٗ نے جس مشن کے لئے آپ کا انتخاب کیا تھا اس کو تمام عمر بطریقِ احسن پورا کیا شاہ جی نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہم نے انگریزوں کے خلاف اس وقت عَلَم بغاوت بلند کیا۔ جب مائیں اپنے بچوں کو انگریز کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں۔ اس حق گوئی جذبہ حریت کی پاداش میں انہیں بارہا جیل جانا پڑا۔ مقدمات چلے مگر انہوں نے ہزاروں کے مجمع میں انگریز کے خلاف تقاریر کیں ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

شاہ جی سے لاکھوں انسانوں کو بے پناہ عقیدت تھی۔ شاہ جی کا نام ان کے دل کی دھڑکنوں میں بس گیا تھا۔ شاہ جی کے لئے ہزاروں دلوں سے دعائیں نکلتی تھیں اسی ضمن میں ایک واقعہ یاد آ گیا جو شاہ جی کی زبانی سُنا تھا۔

لدّھا رام حکومت کا رپورٹر تھا۔ حکومت نے شاہ جی کی تقریر کے متن کو مسخ کرا کے لدّھا رام سے نئی رپورٹ لکھوائی۔ یہ بہت بڑا مقدمہ تھا۔ اس مقدمے میں شاہ جی کو بڑی سے بڑی سزا دی جا سکتی تھی۔ آخری پیشی کے وقت لدّھا رام نے شاہ جی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ لدّھا رام کا مُردہ ضمیر جاگ اٹھا۔ اس نے برسرِ عدالت حقیقت کا انکشاف کر دیا، اور عدالت میں بیان دیا کہ شاہ جی کی تقریر کے متن کو مسخ کر کے اس سے دوبارہ رپورٹ تیار کرائی گئی ہے۔ جو الزامات شاہ جی پر لگائے گئے ہیں وہ بے بنیاد، فرضی اور بعید از حقیقت ہیں۔ اس طرح شاہ جی تختۂ دار تک پہنچ کر واپس آ گئے۔ یہ ان دعاؤں کا نتیجہ تھا جو لاکھوں انسانوں نے بارگاہِ ربّ العزت میں کی تھیں۔

شاہ جی نے فرمایا کہ میں ایک جلسے میں تقریر کر کے سٹیج سے نیچے اترا ایک ضعیفہ لاٹھی سے ٹیک لگائے راستے میں کھڑی تھی۔ جونہی میں اس کے پاس سے گزرا اس نے میرا نام لے کر

Marfat.com

مجھے پکارا۔ میرے قدم یکدم رک گئے۔ میں اس عفیفہ ضعیفہ کے قریب گیا۔ ادب سے سلام کیا۔ بڑھیا کہنے لگی عطاءاللہ شاہؒ تیرا ہی نام ہے' ادب سے کہا کہ اس گنہگار کو ہی عطاءاللہ کہتے ہیں ــــ بے شمار دعائیں دیں کہنے لگی کہ اس بوڑھی جان کے ساتھ سینکڑوں نفل پڑھ کے تیرے لئے دعائیں کی ہیں کہ اے خدا اس نے تیرے حبیبؐ کے ناموس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے۔ یہ حق کے لئے لڑ رہا ہے' اس کو سلامت رکھنا۔ اس کو دشمنوں پر فتح نصیب کرنا ــــ بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ میں اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا جو اس وقت مجھ پر طاری ہوئی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کے انداز ہیں۔

شاہ جیؒ کی صحبتوں کا ایک ایک لمحہ علم و ادب کے چراغ روشن کرتا رہا، شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہوئیں' مذہب کے بہت سے گوشے بے نقاب ہوئے' سیاست کے عروج و زوال کی داستانیں سنیں' بزرگوں کے روحانی درجات کے واقعات نے ذہن میں اجالا کیا۔ علمائے کرام کے تقویٰ' پرہیزگاری' ان کے علمی مقامات اور ان کی بے نفسی و خدا ترسی کے بہت سے قصے سنے' ملتان کے دو سال کے قیام کے دوران دل و نظر کی تربیت کے بے شمار مواقع میسر آئے۔

کالج کا نوجوان طبقہ شاہ جیؒ سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا۔ پروفیسر صاحبان کالج کے طلباء اور نوجوان اکثر شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے، شاہ جیؒ کی تبلیغ کا انداز منفرد تھا۔ وہ نوجوانوں پر کفر کے فتوے لگاتے' انہیں مذہب سے دور رکھنے کے حق میں نہ تھے۔ نوجوان شاہ جیؒ کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے کے لئے آتے' حالاتِ حاضرہ پر باتیں ہوتیں' سیاست زیرِ بحث آتی۔ ملکی معاملات پر تبادلہ خیالات ہوتا۔

ایک روز اسلامیہ کالج کے چند طلباء شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے' باتوں باتوں میں انہوں نے کہا کہ شاہ جیؒ کالج کا ماحول ہی ایسا ہوتا ہے' جہاں داڑھی رکھنا بہت مشکل ہے۔ شاہ جیؒ نے داڑھی رکھنے کے جواز میں کوئی حدیث نہ پڑھی نہ ہی کلام پاک کی کسی آیت کی تلاوت کی۔ فرمایا۔ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ خالصہ کالج میں داڑھی رکھنا آسان ہے' اسلامیہ کالج میں واقعی بہت مشکل ہے اس جواب سے ان کے چہرے زرد پڑ گئے' انتہائی شرمندہ ہوئے۔ ان

Marfat.com

کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ شاہ جیؒ ایسا جواب دیں گے، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ شاہ جیؒ کی تبلیغ کا انداز سب سے جدا تھا۔ یہ ان کی فراست اور حاضر جوابی کی دلیل تھی۔

شاہ جیؒ سے کسی نے تصویر کھنچوانے کے بارے میں دریافت کیا۔ شاہ جیؒ نے اسے شرعاً ناجائز قرار دیا۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ آپ کی تصاویر اخبار میں شائع ہوتی ہیں، اس کا کیا جواز ہے، شاہ جیؒ نے کہا کہ تو مجھ سے مسئلہ پوچھنے آیا تھا یا میرے گناہوں کی فہرست تیار کرنے آیا تھا۔ شاہ جیؒ نے ساری زندگی قصداً تصویر نہیں کھچوائی۔ جب جلسے میں کیمرہ مین سامنے آتا تو آپ چہرے پر کپڑا ڈال لیتے۔ مگر لوگ کسی نہ کسی طرح تصویر اتار لیتے۔ اس میں شاہ جیؒ کی مرضی کا کوئی دخل نہ تھا۔

ایسے بہت سے پر لطف واقعات ذہن میں محفوظ ہیں جو شاہ جیؒ کے منفرد اندازِ کلام کے ضامن ہیں اس مضمون میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

میرا تبادلہ فیصل آباد ہو گیا۔ اکتسابِ فیض کا یہ سلسلہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔

ایک روز جھنگ کے دورے پر تھا کہ شاہ جیؒ کی شدید علالت کی خبر سنی۔ شاہ جیؒ کو فالج کا حملہ ہو گیا تھا۔ خبر ملتے ہی شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عصر کا وقت تھا۔ برادرِ محترم سید عطاء المحسن نے میری آمد کی اطلاع دی۔ شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ عرض کی بے وقت حاضر ہو گیا ہوں۔ آپ کی علالت کی خبر سن کر طبیعت پریشان ہو گئی۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ آپ کے اوراد و وظائف کا وقت ہے۔ مگر مجھ سے رہا نہ گیا۔ آپ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ شاہ جیؒ کی زبان پر فالج کا اثر تھا۔ رک رک کر گفتگو فرما رہے تھے۔ انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: انگلیاں کام نہیں کرتیں۔ وظائف کا تسلسل ٹوٹ چکا ہے۔ یادداشت ساتھ نہیں دیتی، صحت جیسی ہے تم دیکھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس حال میں رکھے۔ شکوہ کس کا کروں۔ میں نے اپنے جسم کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں نہیں کیں۔ تین سو پینسٹھ دنوں میں چار سو تقریریں کی ہوں گی، اب اس نے اگر میرا ساتھ چھوڑ دیا تو اس کا کیا قصور —— یاد رکھو اگر کوئی حکومت اپنی رعایا سے اچھا سلوک نہیں کرے گی تو رعایا ایک نہ ایک دن ضرور بغاوت کر دے گی۔ پھر جسم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں نے اپنی رعایا کے ساتھ اچھا

Marfat.com

سلوک نہیں کیا' اس کے آرام کا خیال نہ رکھا۔ اس نے بغاوت کر دی۔

اتنی مختصر سی گفتگو کے بعد شاہ جیؒ تھک چکے تھے، کافی دیر خاموشی رہی۔ اس دوران میری نظروں کے سامنے وہ تمام جلسے آ گئے جن میں شاہ جیؒ کی سحر بیانی دیکھی تھی۔ انہیں دلوں کو مسخر کرتے اور دلوں پر قبضہ جماتے دیکھا تھا۔ ان جلسوں میں شاہ جیؒ کی بے پناہ قدر و منزلت اور احترام دیکھا تھا۔ شاہ جیؒ کو تلواروں کی سلامی دی جاتی۔ احرار کے خدام انہیں مارچ کرتے ہوئے جلسہ گاہ تک لاتے۔ شاہ جیؒ کے جلسہ گاہ میں داخل ہوتے ہی ہزاروں لوگ شاہ جیؒ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ پنڈال شاہ جیؒ زندہ باد، مجلسِ احرار زندہ باد، امیرِ شریعت زندہ باد کے نعروں سے دیر تک گونجتا رہتا۔ شاہ جیؒ کی تقریر سننے کے لئے دوسرے شہروں سے لوگ گروہ در گروہ آتے۔ سینکڑوں لوگ میلوں پیدل سفر کر کے جلسے میں شریک ہوتے۔ تقریر سے گھنٹوں پہلے لوگ سٹیج کے قریب جمع ہونا شروع ہو جاتے تاکہ دورانِ تقریر شاہ جیؒ کو دیکھ سکیں۔ مشتاقانِ دید ہمہ انتظار بنے شاہ جیؒ کی جلسہ گاہ میں آمد کے منتظر رہتے۔ بیک وقت ہزاروں نگاہیں شاہ جیؒ کے استقبال کے لئے اٹھتیں۔ شاہ جیؒ شاہانہ طمطراق کے ساتھ جلسہ گاہ میں داخل ہوتے۔

شاہ جیؒ نے خطبۂ مسنونہ پڑھا۔ تقریر کا آغاز کیا، لاکھوں کے مجمع میں سکوت کا عالم طاری ہو گیا۔ علماء شاہ جیؒ کی خطابت سے مسحور ہو رہے ہیں۔ انگریزی دان طبقہ الگ جھوم رہا ہے۔ شعر کے برجستہ استعمال پر اہلِ ذوق داد دے رہے ہیں۔ حفاظ اور قراء شاہ جیؒ کی تلاوت پر قربان ہو رہے ہیں، ہر ایک کی جھولی بھری جا رہی ہے، ہر ایک کے ذوق کی تسکین کا سامان بہم ہو رہا ہے۔ ہر ایک علم کے خزانے سے دامن بھر رہا ہے ـــــ خطابت دلوں کے تاروں کو ہلاتی اور ذہنوں کو شاداب کرتی چلی جا رہی ہے۔ مجمع دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہمہ تن گوش تقریر کے حسن میں کھویا ہوا ہے۔ ہزاروں نگاہیں شاہ جیؒ کے چہرے پر جمی ہیں۔ شاہ جیؒ کی سحر بیانی اور آتش نوائی زوروں پر ہے۔ شاہ جیؒ موضوع کی مناسبت اور موقع کی مطابقت سے قرآنی آیات وجد آفریں قرأت کے ساتھ تلاوت فرما رہے ہیں۔ تقریر کے دوران فارسی اور اردو کے اشعار روحوں کو گرما رہے ہیں۔ شاہ جیؒ اشعار اپنے مخصوص ترنم سے پڑھ رہے ہیں۔ آواز کے زیر و بم کے ساتھ

Marfat.com

معانی ومطالب کی خود بخود وضاحت ہوتی چلی جاتی ہے۔ الفاظ موضوع کے لحاظ سے تقریر کا حصّہ بن گئے۔ ہزاروں کے مجمع میں سانس تک کی آواز نہیں ایک ہی آواز ہے جو دلوں کو گرمانی، روحوں میں سماتی جارہی ہے۔ شاہ جیؒ لوگوں کے چہروں سے عنوانات چن رہے ہیں ان کا ہاتھ لوگوں کی نبضوں اور دھڑکتے دلوں پر ہے، وہ بے پناہ ہجوم کا دھارا جس طرف چاہتے ہیں موڑتے جاتے ہیں، مخالفین کی زبانوں سے واہ واہ کے نعرے بلند ہو رہے ہیں مخالفین اپنی مخالفت بھول گئے، معتقدین ایثار کے پیکر، خلوص کے مجسّمے اور فدائیت کا نشان بنے بیٹھے ہیں۔ یہ مردِ مجاہد، یہ بے لوث انسان یہ خطیبِ اعظم اپنے مخصوص انداز میں خدا اور اس کے رسول اللہ صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔ اپنے فرض سے سرخرو ہو رہا ہے۔ حق و باطل کی جنگ جاری ہے۔ دینِ خدا کا سپاہی ان سب طاغوتی طاقتوں سے تنِ تنہا نبرد آزما ہے۔ اس کو کسی طاقت کی مخالفت کی پرواہ نہیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے شاہ جیؒ کے بارے میں کہا تھا ؎

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

شاہ جیؒ کی تقریر میں جلال وجمال کا حسین امتزاج تھا۔ شاہ جیؒ کے الفاظ میں شبنم کی نرمی، شاخِ گل کی لچک، بلبل کا زمزمہ، ستاروں کی چمک اور بہاروں کا حسن تھا۔ اگر شاہ جیؒ کی زبان پر خدا اور رسول اللہ صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے دشمنوں کا ذکر ہوتا تو شاہ جیؒ کی تقریر میں بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، سمندر کا خروش، شاہوں کا جلال اور مردِ مجاہد کی شان نمایاں ہوجاتی تھی۔ وہ موضوع کے مطابق لب ولہجہ اور اندازِ بیان بدل لیتے تھے اور تقریر کو انتہائی موثر بنا لیتے تھے ——— الفاظ ہیں کہ پرے باندھے چلے آرہے ہیں دریا ہے کہ بہاؤ پر ہے، سمندر ہے کہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اور اس سمندر کی ہر موج دلوں اور ذہنوں کو بہاتے لئے جا رہی ہے۔ فرطِ جذبات سے لوگ مشتعل ہو رہے ہیں اور ہر دس پندرہ منٹ بعد فلک شگاف نعروں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد ——— امیرِ شریعت زندہ باد۔

Marfat.com

میں اُن فضاؤں میں کھویا ہوا تھا۔ اُس دَور کو تصوّر کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، اُن درخشاں تصوّرات کا سلسلہ شاہ جی کی مدّھم آواز نے توڑا۔ تمام معرکے، تمام نقشے تمام ہنگامے آنِ واحد میں غائب ہو گئے۔

خیالات کا سلسلہ ٹوٹا۔ میں نے اس سحر بیان مقرر، شیریں مقال خطیب، شعلہ نوا اور آتش بیاں عالمِ دین کو اس حالت میں دیکھا جس کی آواز مدّھم ہو چکی تھی۔ جس کی زبان سے بمشکل گفتگو ہو رہی تھی۔ جس کے قوائے ذہنی و جسمانی کمزور ہو چکے تھے۔ جس کی بینائی دھندلا چکی تھی جو ایک خستہ و شکستہ مکان میں رہتا تھا جس کی دینی و ملّی خدمات کا صلہ عزُلت و تنہائی اور جدّ و جہدِ آزادی کا انعام مسلسل پریشانی اور کسمپرسی تھا۔ جس کی صحّت جو کبھی قابلِ رشک تھی، آج وہ اُٹھنے بیٹھنے سے معذور تھا۔ آج اس کے جوڑ جوڑ اور نس نس میں نصف صدی کی تکان اور مشقّت بسی ہوئی تھی۔ جس کا ذہنی اثاثہ کافی حد تک لٹ چکا تھا۔ جس کا جسمانی سرمایہ آہستہ آہستہ گھٹ رہا تھا۔ میری نظروں میں ماضی کی درخشاں تصویر حال کے بوسیدہ چوکھٹے میں لگی ہوئی تھی۔ یہ چوکھٹا کتنا دیمک خوردہ تھا۔ کتنا بے رنگ و بے آب تھا، یہ حال کا چوکھٹا ماضی کے تابندہ و درخشاں نقوش پر اپنا گہرا سایہ ڈال رہا تھا۔

تحیّر کی اس زنجیر کو پھر شاہ جیؒ کی آواز نے توڑا۔ شاہ جیؒ نے سلسلۂ کلام شروع کیا اور لمبی آہ بھر کر فرمایا۔ یادداشت کافی حد تک جواب دے چکی ہے۔ بات کرتے کرتے بھول جاتا ہوں جب کوئی بات یاد نہ آئے تو بہت پریشانی ہوتی ہے ——— میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ میں شاہ جیؒ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ کتنا عظیم المیہ ہے کتنا اندوہناک واقعہ ہے۔ وہ شخص جس کے ذہن میں سینکڑوں احادیث پورا کلام پاک اور بیشمار عربی فارسی اور اردو کے اشعار تھے اور وہ قدرت کے اس عطیّے سے جب چاہتا جس وقت چاہتا حافظے کی قوّت اور یادداشت کے سہارے استفادہ کر سکتا تھا۔ آج وہ شخص بات تک یاد نہیں رکھ سکتا ——— اس کے دل و دماغ پر کیا قیامت گزرتی ہوگی ——— آج وہ گفتگو کرنے سے عاجز ہے، چلنے پھرنے سے معذور ملتان کے ایک کوچے میں زندگی کے المیے کی تصویر بنا ہوا ہے۔ جس کی محفلیں ہر ذوق کے انسان کے لئے انمول سرمایہ ہوا کرتی تھیں۔ آج وہ

Marfat.com

خود دوستوں کی محفلوں کو ترس گیا ہے۔

ایک بار شاہ جیؒ نے ایک نشست کے دوران فرمایا تھا۔ حافظ جی یہ کوئی زندگی ہے یہ تو زندگی کا ماتم ہے۔ گزری ہوئی زندگی کا مرثیہ ہے ـــــ میری زندگی مسلسل نوحہ بن کر رہ گئی ہے ـــــ پھر فرمانے لگے کہ زندگی کا بیشتر حصّہ علماء کی صحبت میں، شعراء کی مجالس میں، بزرگوں کی خدمت میں بسر ہوا۔ پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی صحبت سے فیضیاب ہوا۔ حضرتِ اقدس حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری قدس سرّہٗ العزیز کی باطنی توجّہ سے قلب و روح میں اہتزاز پیدا ہوتا۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وادبی خزانے سے مستفیض ہوا۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عمر رفاقت رہی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی زندگی کے ساتھی تھے۔ مولانا شبیّر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے جیّد علماء کی صحبتیں نصیب رہیں ـــــ ان میں سے اکثر داغِ مفارقت دے گئے۔ یہ بزرگ علم و عمل کے پیکر، زہد و تقویٰ کی تفسیریں اور تبلیغِ دین کے علمبردار تھے۔ یہ لوگ جہاں دین کے داعی تھے وہاں جدّوجہدِ آزادی کے رہنما بھی تھے۔ ادیبوں اور شاعروں میں ایم ڈی تاثیرؔ، حفیظ جالندھری، صوفی غلام مصطفےٰ تبسّمؔ، عابد علی عابدؔ، عبدالمجید سالکؔ، غلام رسول مہرؔ، پطرسؔ بخاری میری مجلسوں کی زینت، میری ادبی محفلوں کی رونق تھے۔ علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، ان میں سے بھی اکثر اللہ کو پیارے ہو گئے ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

شاید کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

جو موجود ہیں ان کی صورت دیکھے برسوں گزر جاتے ہیں، عبدالمجید سالکؔ تو میرے جیل کے ساتھی تھے، ایسے ہی رفیقوں کے سہارے جیل انجمنِ یاراں بنی رہی۔ فرمایا کہ ایک دفعہ صوفی تبسّمؔ جیل میں ملنے آئے عبدالمجید سالکؔ سے مل کر چلے گئے، مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میرے لئے ایک شعر چھوڑ گئے، میں نے عرض کی اگر شعر حافظے میں موجود ہو تو سنائیے پھر شاہ جیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں شعر پڑھا ؎

حیف کہ من بخوں تپم از تو سخن رود کہ تو　　اشک بدیدہ بشمری، نالہ بہ سینہ بنگری

Marfat.com

فرمایا یہ غالب مرحوم کا شعر ہے اسی غزل کا مطلع ہے

دیدہ وراں کہ تا نہد دل بشمار دلبری
گر رگِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آذری

جیل سے رہا ہو کر پوری غزل دیکھی ــــ پوری غزل سنائی۔

میں نے صوفی تبسم کا سلام پہنچایا۔ دکھ بھرے لہجے میں فرمایا وہ صحبتیں خواب ہو کر رہ گئیں، وہ محفلیں اجڑ گئیں۔ خواب تھے کہ بکھر گئے اس سینے میں کن کن صحبتوں کے داغ ہیں ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

حافظ صاحب اب تو اس محلے میں رہتا ہوں جہاں کوئی اخبار پڑھ کر بھی نہیں سنا سکتا۔ میری بینائی کمزور ہو چکی ہے۔ آپ آجاتے ہیں تو بھولی بسری صحبتوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے لاہور سے کوئی دوست آجائے تو ماضی جگمگانے لگتا ہے کمزوری اور نقاہت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ ذیابیطس سے جسم گھُل کر رہ گیا ہے۔

ایسی کئی محفلوں کے نقوش ذہن میں تازہ ہیں، کن کن صحبتوں کا ذکر کیا جائے۔ کن کن لمحات کو احاطۂ تحریر میں لایا جائے۔ کن کن واقعات کو دہرایا جائے، شاہ جیؒ کی صحبتیں میرے لئے کھلی ہوئی کتابیں ہیں۔ جن کے ایک ایک ورق میں علمی و ادبی خزانے محفوظ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی، صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جاں نثاری کے واقعات، شعرائے کرام کے تذکرے، بذلہ سنجی، خوش مذاقی ــــ انقلابِ زمانہ کی ہولناک تصویریں، دیمک خوردہ خط کے ماضی کے تابندہ نقوش، حال کی شکستہ زندگی قید و بند کی جاں سوز حکایتیں ــــ ان مجالس میں شاہ جیؒ نے کس موضوع پر اظہارِ خیال نہیں کیا۔ کونسا وہ خزانہ تھا، جس کی کلید شاہ جیؒ کے پاس نہ تھی۔ ایک شخص کے ہزار رخ، ہزار جلوے تھے مگر اس دینی، سیاسی، علمی پیکر کو مسلسل بیماری نے نحیف و نزار کر دیا تھا۔ اب اس کے ذہن میں ہنگاموں اور معرکوں کے دھندلے خاکے بھی نہیں تھے۔

عید کا روز تھا، شاہ جیؒ غسل خانے سے وضو کر کے نکلے غسل خانہ جس میں ایک آدمی اچھی

Marfat.com

طرح بیٹھ کر وضو بھی نہیں کر سکتا جس کا دروازہ نہیں تھا دروازے کی جگہ پردہ لٹکا ہوا تھا۔ غسلخانے سے نکل کر مجھے افسردہ دیکھا، فرمایا کیوں پریشان ہو۔ میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ آپ نے یہ شعر سنایا۔

نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کِشت مارا

میں شاہ جیؒ کو دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ یہ شعر کون پڑھ رہا ہے وہ شخص جس نے بے شمار ویران دلوں کی آبیاری کی۔ جس کے سائے میں ہزاروں لوگوں کو آسودگی نصیب ہوئی۔ جس نے لاکھوں دلوں میں آزادی کی شمع روشن کی۔ جس نے ان گنت لوگوں کو دین کا درس دیا۔ اللہ اکبر! کیسا حیرت کن انقلاب تھا۔ جس کے تصوّر سے روح کے تار لرزنے لگتے ہیں۔

شاہ جیؒ کا ذاتی کتب خانہ فسادات کی نذر ہو گیا بہت سے قلمی نسخے ضائع ہو گئے۔ قیمتی دواوین اور سینکڑوں اشعار کا خوبصورت انتخاب امرتسر رہ گیا جو عمر بھر کے ذوق کا ادبی سرمایا تھا۔ اس علمی خزانے کے لٹ جانے سے شاہ جیؒ پر کیا بیتی ہو گی اس کا اندازہ ادب سے شغف رکھنے والے ہی لگا سکتے ہیں۔

ایک دن فرمایا کہ آجکل نوجوانوں میں فارسی ادب کا ذوق ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ اسی لئے صحیح ادبی ذوق پیدا نہیں ہوتا، پھر مولانا گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں کا ذکر کرنے لگے مولانا گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے معراج کے واقعہ پر لکھّے ہوئے اشعار سنائے۔ فرمایا یہ اشعار مولانا گرامیؒ ہی کا حصّہ ہیں ـــــ صوتی آہنگ، تکرارِ لفظی، حسنِ معنوی، انتخابِ الفاظ اور پھر شاہ جیؒ کے پڑھنے کا دلکش انداز ـــــ عجیب کیفیّت پیدا ہوئی۔

بلا در ہر شکن پیچیدہ زلفِ نیمتابش را
اجل در یک گریبان ست چشمِ نیمخوابش را

شبے در خانۂ زیں آں امامِ انبیا آمد
قضا گیرد عنانش را قدر گیرد رکابش را

Marfat.com

قضا گیرد قدر گیرد ازل گیرد ابد گیرد
رکابش را عنانش را عنانش را رکابش را

سوارِ برق شُد ماہے فلک آمد عناں گیرش
رکابش بوسہ بر پازد ملک بوسد رکابش را

گرامی در قیامت آں نگاہِ مغفرت خواہد
کہ در آغوش گیرد جز مہلتے بے حسابش را

مولنا غلام قادر گرامی رحمۃ اللہ علیہ

فارسی ادب کا بہت دیر تذکرہ رہا۔ شاہ جیؒ نے اس روز متقدمین شعراء کے بہت سے اشعار سنائے ــــــ

شاہؒ جی باتوں باتوں میں ایسے جملے کہہ جاتے تھے جو ادب کی تاریخ ہوتے تھے کتنے ہی جو اہر پارے ہونگے جو ضبطِ تحریر میں نہ آنے کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔

ایک دفعہ حدیث کے بارے میں فرمایا "حدیث تو دعوے کی مثل ہے"۔ ایک دن فرمایا دوستی اور دشمنی کا ترازو تو صرف انبیاءؑ کے ہاتھ میں رہا ہے" حضرت مولانا محمدؐ انور شاہ کاشمیری نوّر اللہ مرقدہٗ کے بارے میں نہایت بلیغ جملہ ارشاد فرمایا، واقعہ یوں ہے کہ شاہ جیؒ کسی جلسے میں شرکت کے لئے گئے۔ سٹیشن پر لوگ ان کے استقبال کے لئے آئے، کسی بزرگ نے شاہ جیؒ سے درخواست کی کہ آج وہ سیّد محمدؐ انور شاہ نوّر اللہ مرقدہٗ کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں۔ ہماری نئی پود کو اپنے اکابرین کے بارے میں بھی علم ہونا چاہیئے۔ وہاں شاہؒ جی نے فرمایا کہ میں حضرتؒ کے بارے میں کیا عرض کروں "صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا حضرت پیچھے رہ گئے" اس مختصر سے جملے میں حضرت محمدؐ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصافِ حمیدہ، ان کے تقویٰ، ان کی بزرگی، ان کا جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق، ان کی اتباعِ سنّت غرضیکہ خصائل و شمائل کی ایک دنیا آباد ہے اگر اس کی تشریح کی جائے تو ایک کتابِ مرتّب ہو سکتی ہے۔

ایک دن بابِ علم حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ الکریم کے علم کی بات ہو رہی تھی، شاہ جیؒ نے دو شعر سنائے جو حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے فکر کی معراج نظر آتے۔

Marfat.com

وجدت العلم فی الاشراف عظماً
وفی الاجلاف مقبوحاً و ذماً
کجاء المطر فی الاصداف درّاً
وفی فم الافاعی مار سماً

میں نے شرفا میں علم کو معزّز پایا اور کمینوں میں ذلیل وخوار دیکھا، جیسے سواتی کا پانی، سیپ کے منہ میں موتی اور سانپ کے منہ میں زہر ———

میں نے جب آخری بار شاہ جیؒ کو دیکھا وہ صاحبِ کمال اور صاحبِ علم وفضیلت بزرگ نشتر کالج میں بے سدھ پڑا تھا جس کا وجود نصف صدی کی جدّوجہد کی تاریخ تھا، جس نے اپنی سحر بیانی ایثار و قربانی اور علم وفضل سے لاکھوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کی، جس کے صدائے کلمۃ الحق سے اہلِ باطل کانپ کانپ اٹھتے تھے جس کی ساری زندگی مسلسل جد وجہد، مستقل آزمائشوں اور قید وبند کی صعوبتوں میں گزری مگر کسی امتحان، کسی آزمائش میں اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ راقم الحروف نے شاہ جیؒ کی وفات پر ایک طویل نظم لکھی تھی جس کے چند شعر مندرجہ ذیل ہیں ؎

وہ ایک صبح کی خاطر تمام رات جلا — مثالِ شعلۂ پروانہ تا حیات جلا
قدم قدم پہ بنا ایک امتحان رہا — مگر وہ اپنے مقاصد کا ترجمان رہا
تمام عمر مقدّر میں قید و بند رہی — مگر یہ تلخیٔ دوراں اسے پسند رہی
وہ حرّیت کی نشانی وطن کا نور تھا وہ — دلوں کا درد تھا وہ زیست کا سرور تھا وہ

وہ ایک پیکرِ اخلاق عزم کا کہسار
ہر ایک رنگ ہر اک حال صاحبِ کردار

شاہ جیؒ نے وطن کی آزادی کے لئے قابلِ رشک جوانی قربان کردی اور ناموسِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ساری زندگی ——— اس شخص کو نہ زنجیر وسلاسل کا خوف تھا۔ نہ دار و رسن کا، اس نے ظلم واستبداد کا عالی حوصلگی اور پامردی سے مقابلہ کیا، اس نے کبھی اپنی قربانیوں کا صلہ نہیں چاہا۔ خلافت کے زمانے میں لاکھوں روپے اکٹھے ہوئے عورتوں نے شاہ جیؒ کی تقریر سے

Marfat.com

متاثر ہو کر زیورات سٹیج پر پھینک دیتے اگر شاہ جی چاہتے تو اپنی ذات کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ان کی بے لوث اور پرخلوص زندگی نے دنیوی آرام و آسائش کو قبول نہیں کیا شاہ جی کو قدرت نے حسنِ کلام اور حسنِ خطابت کا جوہر عطا فرمایا تھا وہ زندگی کی اعلیٰ ترین آسائشیں حاصل کر سکتے تھے۔ مگر اس مردِ قلندر، اس فرشتہ سیرت بزرگ نے آخرت کے لئے سرمایا اکٹھا کیا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس نے کبھی ضمیر کا سودا نہیں کیا، برسرِ عام حق بات کہی، ظلم کے خلاف آواز بلند کی، وطن سے محبت کی، آزادی کا علم بلند کیا ——————

آج وہ مردِ درویش، خطیبِ اعظم، شعلہ بیان مقرر، عاشقِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آزادی کا بیباک اور نڈر سپاہی دین کا مبلّغ اپنا فرض ادا کر کے زیرِ زمیں آسودۂ خاک ہے ؎

وے لوگ تو نے ایک ہی شوخی میں کھو دئے
پیدا کئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کے

Marfat.com

حضرت مولانا خان محمدؒ خانقاہ سراجیہ

بعض بزرگ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی زندگی کا ہر نقش سنّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا روشن ستارا ہوتا ہے۔ جن کی نشست و برخاست، جن کے روزانہ کے معمولات، جن کی صورت و سیرت، جن کی وضع قطع، جن کا لباس، جن کا رہن سہن، جن کی گفتگو ـــــ غرضیکہ زندگی کے جس گوشے پر نگاہ ڈالئے اس میں سیرتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جھلک، اتباعِ سُنّت کے نقوش، پیروی سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رنگ جلوہ گر نظر آئے گا۔ یہ بزرگ چلتے پھرتے دین کے پیکر، زُہد و تقویٰ کے نمونے، ایثار و محبّت کی تفسیریں اور خلقِ خدا کے لئے رشد و ہدایت کے سرچشمے ہوا کرتے ہیں، مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لئے طولِ کلام اور لمبے چوڑے خطبات کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کی خاموشی اور تقویٰ کا رنگ دلوں کو مسخّر کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کی توجّہ سے دلوں کی کدورت دُور ہوتی ہے، ان کی نظر سے روح و جسم کی تمام آلائشیں ختم ہوجاتی ہیں، گناہوں کی گرد دامنوں سے جھڑ جاتی ہے ـــــ یہ فیضانِ نظر ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی میں انقلاب برپا ہوجاتا ہے۔ ان کی مجلس کا ایک ایک لمحہ زندگی کا رخ بدلنے، خیالات کا دھارا موڑنے اور رجوع الی اللہ کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ان کی نظر کیمیا اثر روحوں کو اُجلا، خیالات کو پاکیزہ اور اعمال کو صالح بناتی ہے یہ خاموش تعلیم، یہ فیضانِ نظر، یہ توجّہ ہر ایک کا مقدّر نہیں ہوتی۔ اس کے لئے دل

Marfat.com

میں جستجو کی چنگاری اور طلبِ صادق کا ہونا ضروری ہے ۔ اللہ تعالےٰ کے مقبول اور نیک بندوں سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہتا۔ طلب اگر صادق ہو، جذبہ اگر سچّا ہو تو راہ دکھانے والے، صراطِ مستقیم پر چلانے والے، ہدایت کے راستے پر ڈالنے والے ضرور مل جاتے ہیں۔ فیض کا چشمہ ہر زمانے، ہر دور میں جاری رہتا ہے، رشد و ہدایت کی شمع جلتی رہتی ہے، منزلوں کے نقوش تاباں رہتے ہیں۔ اس کے لئے شرط مسافر کی ہے۔ اگر مسافر خلوصِ نیّت، صمیمِ قلب اور مصمّم ارادے سے اس منزل کی تلاش میں نکلتا ہے تو راستہ مل ہی جاتا ہے، راہنمائی کرنے والے میسّر آ ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی سعی و کوشش کو برباد نہیں کرتا، ہر ایک کی جھولی میں اس کی محنت کا ثمر ڈال دیا جاتا ہے ۔

ایسی ہی بزرگ ہستیوں میں حضرت مولانا خان محمّد صاحب کی ذاتِ بابرکات ہے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے بزرگوں کی صحبت نصیب رہی، روحانی آسودگی میسّر آئی، دل کا خلوت کدہ ان پاکیزہ صحبتوں کے نقوش سے جگمگا رہا ہے۔ بزرگانِ دین سے وابستگی، پاکانِ بارگاہ کا قرب، دیندار لوگوں سے محبّت بھی توفیقِ خداوندی ہی سے ممکن ہے ۔ والد مرحوم کی تربیّت گھر کے دینی ماحول اور حفظِ قرآن کی برکت نے زندگی کو تاریک راہوں میں بھٹکنے سے بچا لیا۔ ——

حضرت مولانا خان محمّد دامت برکاتہم سے پہلی بار شرفِ ملاقات سرگودھا میں نصیب ہوا۔ میرے محترم بزرگ صوفی محمّد افضل فقیر کا میرے غریب خانہ پر قیام تھا۔ ان کو حضرت کی آمد کی اطلاع ملی۔ صوفی صاحب کے قبلہ خان محمّد صاحب سے نیازمندانہ روابط تھے وہ کئی بار خانقاہ سراجیہ حاضری بھی دے چکے تھے۔ میں ان کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلی ہی ملاقات میں گفتگو میں تقویٰ کی خوشبو، روحانیّت کا جمال، اتباعِ سُنّت کا حُسن اور علم و عمل کا حسین امتزاج نظر آیا۔

Marfat.com

ان کی پُرکشش شخصیت کے نقوش ذہن و دل پر مرتسم ہو گئے۔

طویل قامت، کشادہ پیشانی، متبسّم لب، خاموش طبیعت، سادگی کا مرقّع، لطافت کا پیکر، محبت و شفقت کا مرکز حضرت مولانا خان محمدؒ صاحب کی ذاتِ گرامی تھی۔ حضرت کے وجود سے محفل میں پاکیزگی اور روحانیت کا احساس پیدا ہوا۔ ایک بزرگ کی موجودگی نے دلوں کے بند دروازے کھول دیئے۔ گناہوں نے دل و دماغ پر جو تاریکیاں پھیلا رکھی تھیں کافور ہوتی نظر آئیں ایسے معلوم ہوا جیسے بھٹکے مسافر کو منزل کا نشان مل گیا ہو ـــــ سارا مجمع خاموش تھا، معتقدین، مریدین سر جھکائے حلقے میں بیٹھے تھے، بات تو کجا اشارہ تک نہ تھا، محوّیت کا عالم تھا، معلوم ہو رہا تھا۔ خاموش درس جاری ہے۔ ہر ایک شخص بقدرِ ظرف اکتساب کر رہا ہے۔ ادب و احترام نے مجسّم صورت اختیار کر لی تھی۔ یہ بزرگِ کامل، یہ پیرِ طریقت، مردِ درویش اپنے انداز میں خاموش درس دینے میں مصروف تھا۔ اس بزرگ کی نگاہ قلوب پر تھی ـــــ یہ درس باطن کی صفائی، روح کی پاکیزگی کے لئے ضروری تھا۔ اگر قلب کی اصلاح ہو جائے اگر باطن منزّہ ہو جائے تو پاکیزہ اعمال کے حصول میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اگر ضمیر جاگ اُٹھے، اگر فسادِ دل باقی نہ رہے تو عبادت میں لذّت، اخلاق میں پاکیزگی، آنکھ میں حیا اور گفتگو میں کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ بزرگوں کی توجّہ نے سرکش انسانوں کے دلوں کو موم کر دیا، یہی فیضانِ نظر تھا جس نے دلوں میں خوشگوار انقلاب پیدا کر دیا، یہی مراقبہ ہے کہ انسان ارد گرد کے ماحول سے ذہن کو منقطع کر کے، تمام دنیوی خیالات کو دل سے نکال کر اسمِ ذات کی طرف متوجّہ ہو جائے ـــــ بزرگانِ دین کو تو مراقبے میں انوارِ الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے، ان کے روحانی درجات بلند ہوتے ہیں ـــــ مگر مجھ جیسے عام انسان کے لئے بھی یہ لمحات سعادت و برکت کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اتنے لمحات تو انسان کا ذہن، انسان کا قلب ذکر اللہ میں مصروف رہتا ہے ـــــ اصلاح کے کئی طریقے ہیں۔ گفتگو میں بھی

Marfat.com

ایک طریقہ ہے، وعظ بھی ایک طریقہ ہے. خاموشی بھی ایک طریقہ ہے. بزرگوں کے ہر انداز میں بات کے رشتے کھلتے چلے جاتے ہیں. بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی یہ بھی حضرت کے ذکر کی برکت ہے ـــــ ہم بھی اسی حلقے کا حصہ بن گئے اور اکتسابِ فیض میں مصروف ہو گئے اس مردِ بزرگ کی نظر کبھی کبھی اٹھتی جو بختِ رسا کی نوید بن جاتی، ہر شخص کو بقدرِ استطاعت فیض پہنچ رہا تھا۔ دلوں کی اجڑی ہوئی دنیا آباد ہو رہی تھی۔

کتابی درس انسان بھول جاتا ہے، حروف کی شناخت دلوں میں اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑتی. الفاظ کو کلام کا یارا نہیں، حافظہ نسیان کا شکار ہو سکتا ہے ـــــ کتابی علم اپنی محدود دینار کھتا ہے. مگر باطن کا علم لامحدود ہے، اس سے زمین و آسمان کے علوم کے دروازے کھل جاتے ہیں. انسان خبر کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے، مشاہدے کی لذت نصیب ہوتی ہے. بزرگوں کی ایک نظر سے قلب کی ماہیت بدل جاتی ہے. زندگی کے راستے سج جاتے ہیں، عمل کی منزلیں آسان ہو جاتی ہیں ـــــ ایسی ہی نظر مخدومی حضرت مولانا خان محمدؒ صاحب کی ہوتی ہے۔

طویل خاموشی کے بعد صوفی محمدؒ افضل فقیر حضرت سے دست بوس ہوتے میرا تعارف کرایا، ان چند لمحات میں میرے دل میں اس بزرگ کی عظمت کا احساس خوشبو بن کر پھیل چکا تھا. ان کی جاذب شخصیت نے مجھے گرویدہ بنالیا تھا. بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی مجلس میں کئی بار حاضری کے باوجود دل کا ورق سادہ رہتا ہے۔ اس پر کوئی نقش نہیں بنتا۔ انسان خالی دامن لوٹتا ہے. بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلی ہی نظر سے، پہلے ہی لمحے ملاقات سے دامنِ دل میں گلہائے عقیدت مہکنے لگتے ہیں، برسوں کی ریاضت اور مجاہدے سے جو کیفیت، جو سرور دل و دماغ میں پیدا نہیں ہوتا وہ کسی بزرگ کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے حاصل ہو جاتا ہے. یہ اس بزرگ کی کرامت اور بزرگی کی علامت ہوتی ہے. اس کی معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ والا صفات سے نسبتِ خاص کا مظہر ہوتی ہے۔ مجھے قبلہ مولانا خان محمدؐ صاحب کی مجلس میں ایسی ہی کیفیات کا احساس ہوا۔

حضرت کے عشقِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مظاہرہ نعت کی فرمائش کی شکل میں ہوا۔ اس گنہگار کے نام سے وہ غائبانہ متعارف تھے۔ میرا نعتیہ کلام اخبارات ورسائل میں پڑھ چکے تھے۔ نعت گوئی کے لئے ایک خاص فضا، ایک خاص ماحول اور اہلِ دل حضرات کی موجودگی ضروری ہے۔ بحمد اللہ اس مجلسِ پاک میں ہدیۂ نعت پیش کرنا حضوری کے مترادف تھا —— دھیان کا رُخ حرمِ نبوی کی طرف رہا۔ روح بارگاہِ رسالت میں درود و سلام پیش کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اگرچہ بارگاہِ نبویؐ میں ابھی حاضری کا شرف نصیب نہ ہوا تھا۔ مگر اہلِ اللہ کی مجلس میں نعت پڑھنے سے آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے محرومی نے اشکوں کی صورت اختیار کر لی۔ مجلس کا ہر شخص ادب واحترام کا پیکر بنا ہوا تھا۔ رقّت اور سوز نے محفل کو گھیر لیا۔ نعت کے انوار نظر آئے۔ قلب ونظر کرمِ خاص سے سیراب ہو گئے۔ حضرت کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ مگر ان کے ضبط نے جذبات کو بکھرنے نہیں دیا۔ یہ ظرف کی بات ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آگیا ؎

سرمایۂ دردِ تو غارت نتواں کردن
اشکے کہ زِ دل خیزد در دیدہ شکستم من

محفل پر ایک عجیب کیفیّت طاری تھی۔ حضرت نے کچھ دیر خاموش رہ کر نعت سے لطف اندوز ہو کر انوارِ مدحت کو سمیٹ کر دوسری نعت کی فرمائش کی۔ یہ لمحات غنیمت تھے، یہ مجلس بابرکت تھی۔ حضرت کی موجودگی میں بارگاہِ سیّدِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم میں ہدیۂ نیاز خوش بختی کی دلیل تھی، دوسری نعت سنائی۔ مجلس پر پھر وہی کیفیت طاری ہو گئی۔ دلوں کے آبگینے چھلک اٹھے۔ چند ساعتوں میں خلوتِ جاں میں اجالا ہو گیا، یہ چند لمحات زندگی کی ساعتوں پر محیط ہو گئے۔ میں اپنی قسمت پر نازاں

Marfat.com

تھا۔ دوسری صبح حضرت کو سفر کرنا تھا مگر حضرت تو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے ہوئے تھے، وہ تو قدمین شریفین میں حاضر تھے۔ ان کا وجود تو مدینہ منورہ کی مقدس فضاؤں میں بس گیا تھا —— نعت کی یہ بابرکت مجلس کافی دیر جاری رہی۔ میں پہلی ہی ملاقات میں مرادوں کے گوہر لے کر لوٹا ——

حضرت سے اجازت لے کر واپس آیا، مگر اس صحبت کا سرور رگ و پے میں جاری و ساری ہو گیا۔ سرشاری کا عالم تھا، مدت کے بعد پیاسی آنکھیں ایک بزرگ کی زیارت سے سیراب ہوئی تھیں۔ ان چند لمحوں نے حضرت کے قرب کی خواہش اور ان کی صحبت میں شرکت کی تمنا نے بیکل کر دیا۔ جی چاہتا تھا کہ فانی دنیا کی لذتوں، دنیوی مصروفیتوں اور دنیوی معاملات سے کنارہ کش ہو کر عمر کے باقی ایام خانقاہ کی پُرسکون، ایمان پرور اور روحانی فضا میں بسر کروں، حضرت کی صحبت سے فیض یاب ہوتا رہوں۔ حضرت کی مجلس میں مجھے اپنے مربی و مرشد حضرت عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس کے انوار نظر آئے۔ ہر طرف وہی روحانی فضا، وہی تقویٰ و پرہیز گاری کی علامتیں، وہی سادگی، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی متدین اشخاص، وہی اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش نظر آئے۔ یہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور فیضِ خاص تھا کہ مجھے زندگی میں ایک بار پھر باکمال شخصیت، مقربِ بارگاہِ الٰہی کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف نصیب ہوا ——
معلوم ہوتا تھا کہ حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی بتائی ہوئی منزل ہے، یہ مسلک بعینہٖ میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، یہ خانقاہی سلسلہ وہی ہے جہاں سے حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کو فیض ملا تھا۔ یہ ایک ہی جادہ ایک ہی منزل ہے۔

حضرت مولانا خان محمد صاحب سے ملاقات کی تمنا نے بیکل کر دیا۔ آخر ایک روز رختِ سفر باندھا۔ خانقاہ سراجیہ کی حاضری کے لئے گھر سے نکل پڑا۔

Marfat.com

یہ تنہا سفر تھا۔ مگر میرے ساتھ تو خیالات کا ہجوم تھا، میرے دل میں تو محبّت کی قندیلیں جگمگا رہی تھیں، راستہ آرزوؤں کے حسین پھولوں سے مہک اٹھا، تصوّرات کی محفل سجی ہوئی تھی۔ ذہن پر پہلی ملاقات کے نقوش تاباں ہو گئے۔ اس تصوّر نے خلوتِ جاں میں مسرّت و شادمانی کے فانوس روشن کر دیے کہ پھر وہی صحبت نصیب ہو گی۔ وہی کرم کی گھڑیاں لوٹ آئیں گی، دل کا غبار دُھل جائے گا، زندگی کو اجالے میسّر آئیں گے، خدا جانے راستے میں محبّت و عقیدت، وارفتگی و شیفتگی کے کتنے چراغ جلے، کتنے پھول کھلے جنہوں نے مشامِ جان کو مہکایا، آخر وہ خطّۂ آرزو، وہ وادیٔ پاکیزگی و لطافت، وہ منزلِ آسودگاں، وہ قریۂ راحت نظر آیا۔ مختصر سے سٹیشن پر اترا، یہ سٹیشن تو منزل کا پہلا تابندہ نشان تھا —— یہ عمارت تو کامرانی کی نوید تھی۔ سٹیشن ماسٹر سے خانقاہ سراجیہ کا راستہ پوچھا، اس نے دور مسجد کی طرف اشارہ کیا۔ مسجد کا مینار علمِ خیر و برکت نظر آیا جو منزل کا پتہ دے رہا تھا۔ مختصر سا سامان تھا۔ اس نشانِ برکت پر نگاہ جمائے راستہ طے کرنے لگا۔ یہ کوئی زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ ایک ڈیڑھ فرہنگ ہو گا مگر مجھے تو ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی معلوم ہوا۔ جس ذوق و شوق، جس اضطراب، جس بیتابی سے یہ فاصلہ طے ہوا اس کے اثرات آج بھی نہاں خانۂ جاں میں محفوظ ہیں۔

خانقاہ سراجیہ میں یہ پہلی حاضری تھی۔ کسی سے جان نہ پہچان، کسی سے ذاتی تعارف نہ تھا کوئی چہرہ آشنا نہ تھا۔ ایک اَن دیکھا ماحول —— کئی قسم کے تصوّرات قلب و نظر پر چھا گئے۔ آخر اس وادیٔ برکت میں قدم رکھا، خانقاہ میں قدم رکھتے ہی اجنبیّت کا احساس یکدم غائب ہو گیا۔ ہر نقش محبّت کی خوشبو لئے ہوئے تھا۔ خانقاہ کے ایک کمرے کا رُخ کیا۔ خانقاہ کے ایک خادم نے دریافت کیا کہ کہاں سے آنا ہوا۔ مختصر سا جواب دیا، فیصل آباد سے حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس مختصر سے کلام کے بعد خادم چلا گیا۔ چند لمحوں بعد طشتری میں چائے لے کر آ گیا۔ اس کمرے

Marfat.com

میں ، چند عقیدت مند اور بھی تھے۔ میں نے ان سے شرکت کے لئے کہا، انھوں نے کہا کہ وہ چائے نوش کر چکے ہیں۔ اس پہلے نقش سے حسنِ میزبانی، ادب و احترام اندازِ گفتگو اور جذبۂ خدمت اُبھر کر سامنے آگیا۔ معلوم ہوا کہ یہ اس خانقاہ کا معمول ہے نہ فضا میں تصنّع ، نہ خدّام میں تصنّع ——— ہر شے میں اپنائیت اور محبّت کا انداز ———

چائے پینے کے بعد مسجد چلا گیا، یہ مختصر سی خانقاہ ایک دینی مدرسے ، ایک خوبصورت مسجد اور حضرت کی رہائش گاہ پر مشتمل ہے۔ اس خانقاہ کا ماحول دوسری خانقاہوں سے یکسر مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے لَو لگانے کے لئے، عبادت و ریاضت کے لئے قلب و نظر کو منزّہ کرنے، روح کو مجلّا اور جسم و جاں کو مزکّٰی کرنے کے لئے یہ انتہائی موزوں ماحول تھا، نہ شور ہے نہ ہنگامہ ——— نہ گاڑیوں، کاروں کی آمد و رفت ہے، نہ شہر کی بے ہنگم طرزِ زندگی ——— اس فضا پر بے پردگی اور گناہ آلود ماحول کا کوئی داغ نہ تھا ——— فضا نورانیّت سے صاف اور نکھری ہوئی تھی۔

خانقاہ سراجیہ ایک ایسی خانقاہ ہے جہاں کی فضا ہر قسم کی دنیوی دلکشی اور برائی سے پاک صاف ہے۔ یہ دینی مرکز، یہ رشد و ہدایت کا مقام، یہ ویرانۂ دل کو آباد کرنے کی جگہ، یہ تزکیۂ نفس کے لئے مثالی خانقاہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ خانقاہ کا ذرّہ ذرّہ صبح و شام حمد و ثنا کرتا رہتا ہے۔ یوں تو کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، موجودات کا ہر ذرّہ اپنے خالقِ حقیقی کی پاکی بیان کرتا رہتا ہے اور اس کے قادرِ مطلق ہونے کا اعلان کرتا رہتا ہے۔ مگر خانقاہ سراجیہ میں یہ احساس متشکل ہو کر سامنے آتا ہے۔ جب علائق دنیا کی گرد ذہن و دل سے جھڑ جاتی ہے تو ذہن روحانیّت کے اثرات قبول کرنے، انہیں اپنے اندر جذب کرنے اور پاکیزہ ماحول سے اکتسابِ فیض کرنے کا اہل ہو جاتا ہے ——— یہ روحانی فضا، یہ پاکیزہ ماحول از خود پیدا نہیں ہو جاتا اس کے لئے ایک خدا رسیدہ بزرگ کے مقدّس وجود کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت مولانا

Marfat.com

خان محمدؐ صاحب کی ذاتِ بابرکات نے اس فضا، اس ماحول کو پُر کشش بنا دیا ہے۔ سینکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے لوگ اس مرکزِ رُشد و ہدایت اس مصدرِ فیوض و برکات کی کشش محسوس کرتے ہیں۔ یہ کشش اینٹ پتھّر سے تعمیر شدہ عمارت کی کشش نہیں، یہ کشش دنیوی نوادرات اور عجائبات کی کشش نہیں۔ یہ تو ایک وجودِ گرامی، ایک فقیرِ خدامست، ایک درویشِ حق آگاہ ایک مردِ کامل، ایک برگزیدہ ہستی کی کشش ہے۔ جس کی صحبت میں تپتے ہوئے دلوں کو راحت اور مضطرب روحوں کو آسودگی میسّر آتی ہے۔

حضرت کی زیارت کے لیے دل بیتاب تھا —— ایک ایک لمحہ اشتیاقِ زیارت زیادہ کر رہا تھا۔ نظر سوئے در لگی تھی کہ کب وہ رخِ انور نظر آئے جس کی زیارت کے لئے آنکھیں ترستی ہیں۔ آخر نمازِ مغرب کا وقت ہوا۔ حضرت اپنی قیام گاہ سے تشریف لائے، حضرت مختصر سی پگڑی باندھے ہوئے تھے، کندھے پر رومال، تہبند اور لمبا کرتہ لباس تھا —— لباس کی سادگی میں تقویٰ کی خوشبو شامل تھی، دروازے سے باہر زائرین اور خدّام انتظار میں تھے۔ حضرت نے متبسّم لبوں سے سب کی طرف دیکھا، دل کی کلی کھِل اٹھی سب کو انتظار کا صلہ مل گیا۔ حضرت مسجد میں داخل ہوئے۔ میں نے بڑھ کر مصافحہ کیا، حضرت نے بکمالِ شفقت گلے سے لگایا، آرزو کی تپش دل کی ٹھنڈک سے ہمکنار ہوئی، آنکھوں میں مسرّت کے ستارے جھلملانے لگے، میرا سفر بابرکت ہو گیا۔ مسجد میں حاضر مدرسے کے طلبا اور زائرین پر محبّت کی نگاہ ڈالتے ہوئے حضرت نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

زندگی میں کئی بزرگوں کی اقتدا میں نمازیں ادا کی تھیں، بعض اوقات روحانی کیف بھی حاصل ہوا مگر حضرت کے نماز پڑھانے کے انداز نے ان کی شخصیّت نمایاں کر دی ان تین رکعتوں کی ادائیگی میں ان کے تقویٰ ان کی بزرگی کے پہلو نمایاں کر دیے —— اس خشوع و خضوع کے ساتھ حضرت کو نماز ادا کرتے دیکھ کر خدائے واحد و قدّوس

Marfat.com

کی عظمت اور جلال کے نقوش دل پر مرتسم ہو گئے۔ یہ خضوع و خشوع اور حضورِ قلب والذین ھم فی صلوتھم خشعون کی تفسیر نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے جن خوش قسمت انسانوں کو اپنی معرفت سے نوازا ہے۔ ان کے قلوب میں کس درجہ خشیت پیدا کر دی ہے۔ انتہائی سکون کے ساتھ رکوع و سجود ہو رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ مقامِ احسان پر ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارک کی شہادت مل رہی تھی۔ جنابِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کچھ اس طرح ہے کہ نماز ایسے پڑھو جیسے کہ تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر یہ مقام میسر نہ آئے تو یوں خیال کرو کہ خالقِ کائنات تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس ضمن میں حضرت مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو یاد آگئی۔ حضرت مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے امام تھے۔ یہ بہت بڑا منصب اور بڑا اعزاز تھا۔ ایک روز جمعہ میں وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ جنگل میں تنہا جا رہے ہوں، سامنے سے اچانک شیر آتا دکھائی دے۔ شیر کے خوف سے آپ کی کیا حالت ہو گی، آپ خوف سے کانپنے لگیں گے، موت سامنے نظر آئے گی، آپ نے فرمایا کہ شیر خالقِ کائنات کی ادنیٰ ترین مخلوق ہے جو خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم نماز میں خالقِ کائنات کے سامنے کھڑے ہو کر اتنا بھی نہیں ڈرتے۔ اس کی عظمت اور جلال ہم کو اتنا بھی متاثر نہیں کرتا کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم نماز کا حق ادا نہیں کرتے۔ پھر نہایت بلیغ جملہ ارشاد فرمایا ـــــ کہ ہم نے نماز کو عادت بنا لیا ہے عبادت نہیں بنایا۔

حضرت نماز ادا کر کے اپنے حجرے کے باہر تشریف فرما ہوئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چلتے ہوئے جسموں کو راحت پہنچا رہی تھی، کھلی فضا میں گرمی کا احساس تک نہیں تھا۔ حضرت کے اردگرد دور سے آئے ہوئے مریدین اور معتقدین کا حلقہ تھا۔ وہی خاموشی وہی دلنشین سکوت تھا جس کا اس مضمون کے آغاز میں ذکر کر

Marfat.com

چکا ہوں —— اکتسابِ فیض ہو رہا تھا —— حضرت نے مجھ سے نعت سنانے کی فرمائش کی۔ حضرت کی آواز پر حاضرین نے یوں سر اٹھایا۔ جیسے کسی مقدّس سفر سے لوٹے ہوں حضرت نے نعت سنی، میرے دامن میں سعادتوں کے خزانے سمٹ آئے، یہ میرے لیے انتہائی اعزاز کی بات تھی کہ اہلِ دل حضرات کے حلقے میں ایک خدا رسیدہ بزرگ کی موجودگی میں بارگاہِ رسالت میں اپنا نذرانہ، اپنا ہدیۂ نعت پیش کروں، یہ بابرکت مجلس نمازِ عشا تک جاری رہی حضرت نے چند جملے ارشاد فرماتے۔ پھر مراقبے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس مجلس کا اختتام اذان کی آواز پر ہوا ——

مسجد کی تعمیر خدا جانے کس بے پایاں خلوص سے کی گئی ہے کہ مسجد بقعۂ نور بن گئی ہے۔ نقش و نگار کا حسن، رنگ در امش کا اعتدال، تعمیر کا کمال، ذوقِ جمال کی تفسیرِ خانۂ خدا سے محبّت کی تصویر سامنے تھی۔ اللہ تعالیٰ کا گھر پاکیزگی کا مظہر ہوتا ہے ——

اگر اس پاکیزگی میں ظاہری نفاست وجمال بھی شامل ہو جائے تو عبادت میں لذّت دوچند ہو جاتی ہے —— وہ مسجد جو اہل اللہ کی سجدہ گاہ رہی ہو جو خشوع خضوع کے مقام پر تھے۔ اس مسجد کا جاذبِ نظر ہونا قدرتی امر ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک پاکیزہ ماحول، ایک مقدّس فضا اور ایک روحانی کیفیّت کا احساس ہوتا ہے۔ دنیوی زندگی کا ہر نیک عمل آخرت کا زادِ راہ بنتا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حصّہ لینے والوں کو نجانے اللہ تعالےٰ کن غیر مختتم انعامات سے نوازے گا —— یوں تو عالیشان مساجد تعمیر ہوتی ہیں۔ لاکھوں روپے کے خرچ سے خانۂ خدا کی تعمیر ہوتی ہے — سنگِ مرمر کی سلوں، خوبصورت کتبوں، منقّش در و دیوار سے مسجد کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ مگر بعض مساجد کو دیکھنے سے اس میں سجدہ ریز ہونے والوں تعمیر کرانے اور کرنے والوں کے خلوص کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایک ایک اینٹ، ایک ایک پتّھر ان کی خانۂ خدا سے محبّت کا نشان بن جاتا ہے —— مجھے ایسا ہی احساس خانقاہ سراجیہ کی اس خوبصورت مسجد کو دیکھ کر ہوا۔

Marfat.com

نمازِ عشا کے بعد مختصر سی نشست رہی، خادمِ خاص نے سرمہ دانی پیش کی، حضرت نے سُنّتِ مطہرہ کے مطابق آنکھوں میں سرمہ ڈالا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے، حضرت کی توجّہ دلوں پر تھی۔ ہر زائر دامنِ دل میں یہ دولت سمیٹ رہا تھا۔ مراقبے کی سی کیفیت تھی اس توجّہ کی برکت سے کچھ زائرین آبدیدہ ہوگئے معلوم ہوتا تھا فردِ عمل ڈھل رہی ہے۔ حضرت زائرین میں خصوصی توجّہ کی دولت بانٹ کر گھر تشریف لے گئے۔

کچھ دیر کے بعد خدّام کھانے کی طشتریاں اٹھائے ہوئے آگئے۔ دسترخوان بچھ گیا۔ قرینے سے کھانا چنا گیا۔ نہایت خاموشی سے زائرین شریکِ طعام ہوگئے، خدّام خدمت کے لئے کھڑے رہے۔ ہر چیز مہیّا کرتے رہے —— دسترخوان لپیٹ لیا گیا، چند بزرگ مسجد میں ذکراللہ میں مصروف ہوگئے۔ خدّام نے چارپائیاں باہر نکالیں، صاف ستھرے بستر لگا دیے، چاندرات اپنی تمام رعنائیوں، جلوہ سامانیوں کے ساتھ طلوع ہوئی۔ خانقاہ چادرِ نور میں لپٹ گئی، معلوم ہو رہا تھا بارانِ نور ہو رہی ہے۔ جسموں کو راحت نصیب ہوئی۔ اس دودھیا رات میں مسجد کا حسن اور بھی نکھر گیا۔ گنبد و محراب جمال کا آئینہ بن گئے۔ ایسا خوشنما منظر تھا کہ دیدو دل سیراب ہو رہے تھے اس دلکش منظر سے نگاہیں ہٹانے کو جی نہ چاہتا تھا —— یہ چند گھڑیاں یادگار گھڑیاں بن گئیں۔ اس مجلس کا سرور، اس چاندرات کا کیف اور مسجد کا جمال آج بھی تصوّر کی دنیا آباد کئے ہوئے ہے۔

مسجد سے ملحق الاکابرین کی قبورِ مبارکہ کا مختصر سا احاطہ ہے۔ اس خانقاہ سے وابستہ مقدّس ہستیاں اس احاطے میں آرام فرما ہیں۔ ان کی سادہ زندگی کی طرح یہ قبورِ مبارکہ بھی سادگی کا مرقّع ہیں ان قبروں کو سنگِ مرمر کی منقّش سلوں سے مزیّن نہیں کیا گیا، ان پر کتبے بھی نہیں، مٹّی کی ڈھیریاں ہیں جو تقویٰ و پرہیزگاری کے خزانے چھپائے ہوئے ہیں، جو ورع و ریاضت کے نشانات ہیں یہ ان بزرگوں کی، پاکانِ بارگاہِ الٰہی کی آرام گاہیں ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں دین کی ترویج و اشاعت، لوگوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت

Marfat.com

میں بسر کیں، ان گنت لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا۔ ان کو ایمان کی حلاوت اور عمل کی لذت سے آشنا کیا، اتباعِ سنت کی تعلیم دی، احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی، ان کے دلوں کے خلوت کدے روشن کئے۔ ان کو آخرت کی فکر عطا کی ——— ان کو جنت الفردوس کے راستے پر چلایا۔ ان کو عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالا مال کر دیا اس خانقاہ سے کتنے چراغ روشن ہوئے کتنی تاریک بستیوں میں اجالا ہوا۔

آج یہ بزرگ فریضۂ تبلیغ و تعلیم ادا کر کے آسودۂ خواب ہیں۔ ان کو ظاہری شان و شوکت کی ضرورت نہیں انہوں نے تو جنت میں اپنے اعمال کے خوبصورت محل تعمیر کئے ہیں، انہوں نے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی سے اپنے دامنوں کو مہکایا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ایسے تابناک نقوش چھوڑے ہیں۔ جن کی رہنمائی میں آنے والے اپنی منزل کو پاسکیں گے، عدم کے راستے کو مہکا سکیں گے ——— یہ سلسلۂ رشد و ہدایت آج بھی جاری ہے حضرت مولانا خان محمد دامت برکاتہم نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اپنے اکابرین کی جانشینی کا حق ادا کر دیا ———

حضرت مولانا خان محمد صاحب میرے غریب خانے پر صبح کے ناشتے پر تشریف لائے خدام اور مریدین ساتھ تھے۔ راقم الحروف نے اپنے تازہ نعتیہ مجموعہ "نشیدِ حضوری" کی ایک طویل نعت "وارداتِ دل" کے عنوان سے حضرت کی خدمت میں پیش کی یہ ایک طویل نعت دردِ مہجوری اور محرومئ زیارتِ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تاثرات لئے ہوئے تھی حضرت نے نہایت محویت کے عالم میں نعت سماعت فرمائی ——— مدینہ منورہ کی حاضری کی تڑپ اشکوں کی صورت میں رونما ہوئی ——— حضرت کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ مجھ پر رقت کا عالم تھا۔ اشکوں میں بھیگے ہوئے اشعار حضرت کی خدمت میں پیش کر رہا تھا۔ اہلِ مجلس رو رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے محبت نے اشکوں کا روپ دھار لیا۔ نعت کے اشعار دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ اس طویل نعت کے چند اشعار درج کر

رہا ہوں تاکہ قاری بھی اس کیفیت سے لطف اندوز ہو سکے شاید ان اشعار پر اس کا کوئی آنسو بارگاہِ نبویؐ کی حاضری کا سبب بن جائے۔

میں ایک بد نصیب کہ ہوں دور آج تک
سوزِ غمِ فراق سے ہوں چور آج تک

اس عمر کے پچاس برس رائیگاں گئے
میں رہ گیا، ہزار وہاں کارواں گئے

یہ بے نوا فقیر بھی ہے آپؐ کا غلام
غربت کی تجھ کو لاج ہے اے رحمتِ تمامؐ

تجھ پر ہر ایک دل کی حقیقت ہے آشکار
تجھ پر ہے آشکار مرا سارا حالِ زار

کس کی بساط تیری ثنا کر سکے رقم
ہر شعر میری نعت کا ہے مظہرِ کرم

مجھ کو عطا ہوئی ہے جو کیفیتِ کلام
لکھ دیں حضورؐ اذنِ حضوری بھی میرے نام

آنکھوں کو نور دل کو بصیرت عطا ہوئی
مجھ سے بشر کو تیری محبت عطا ہوئی

مجھ کو عطا ہوئی ہے جو یہ نعمتِ جنوں
میں کس زباں سے شکر ترے لطف کا کروں

میری زبان گنگ ہے، محدود فکر ہے
کیا کم کرم ہے میری زباں محوِ ذکر ہے

Marfat.com

کب سے ہوں بے قرار حضوری کے واسطے
مجھ کو بھی اپنے لطف سے سرشار کیجئے

بام و درِ حرم سے نظر سرفراز ہو
آقا مرے نصیب قیامِ مجاز ہو

ہو جائے اس طرف بھی اگر چشمِ التفات
ڈھل جائے صبحِ نور میں میری سیاہ رات

اس نعت کے ستّر کے قریب اشعار اسی سوز و دردمندی کے آئینہ دار تھے، نعت ختم ہوئی۔ حضرت کچھ دیر خاموش رہے، ایک بار نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا یہ میری نعت کی حسین ترین داد تھی، یہ ایک نظر محبّت کے انداز لئے ہوئی تھی۔ سب اہلِ محفل اس داد میں شامل نظر آئے۔

حضرت نے خلافِ معمول طویل دعا کی، مقبولیّت کے لمحات تھے، خاموش دعا کا ہر لمحہ بابِ اثر تک پہنچ گیا، دربارِ اقدس میں حاضری کی تڑپ، دردِ مہجوری اور محرومی کی تفسیر بن گیا۔ دعا کے دوران ہی سکون و اطمینان کی کیفیّت پیدا ہو گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی حضوری کا مژدہ سنا رہا ہو، کہہ رہا ہو کہ فراق و مہجوری کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں، بارگاہِ نبوی میں حضوری کا وقت قریب ہے۔ میرا جسم خوشبو کے جھونکے سے معطّر ہو گیا، یہ کامرانی اور قبولیّتِ دعا کی نشانی تھی۔ حضرت نے دعا کے بعد مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا، یہ مسکراہٹ مبارکبادی معلوم ہوئی —— اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت کی دعا کے طفیل اسی سال حج کی سعادت نصیب ہوئی اور جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پہ حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ یہ سمندری سفر تھا۔ مجھے شہرِ رحمت و برکت میں تقریباً دو ماہ قیام کی سعادت نصیب ہوئی۔ مدینہ منوّرہ اور مکّہ مکرّمہ چار ماہ قیام رہا۔ حرمین شریفین کے ذرّے ذرّے کو عقیدت

Marfat.com

دمحبت سے دیکھا، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی، جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں قبورِ مبارکہ پر حاضری دی۔ میں نے اس سفرِ مقدس کی روداد کو اپنے سفر نامہ حجاز "جمالِ حرمین" میں درج کر دیا ہے۔ "جمالِ حرمین" کا ایک ایک جملہ کرم کا مظہر ہے۔ یہ سفرنامہ اہل اللہ اور اہلِ علم حضرات میں بے حد مقبول ہوا۔ حضرت نے میری اس تحریر کو اشتیاق سے پڑھا، اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس گنہگار کو تعریفی کلمات سے نوازا۔ میرے لئے حضرت کے یہ چند جملے آخرت کا زادِ راہ بن گئے۔

حضرت مولانا خان محمد صاحب کی رفاقت میں حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہٗ کے عرسِ مبارک میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ چند ایام زندگی کے سنہری ایام تھے۔ حضرت کو شب و روز قریب سے دیکھنے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع میسّر آیا۔ پہلی ملاقات میں جو تاثرات ذہن پر مرتسم ہوئے تھے۔ حضرت کی شخصیت ان تاثرات سے بھی بلند و بالا نظر آئی۔

زائرین کا قافلہ سو اشخاص پر مشتمل تھا۔ اس قافلے میں بزرگانِ دین بھی تھے مجھ جیسے دنیا دار بھی، نوجوان بھی تھے اور عمر رسیدہ بزرگ بھی۔ ہندوستان کی سرحد پر کافی دیر رکنا پڑا، سامان کی جانچ پڑتال ہوئی۔ ہر شخص منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے بیتاب تھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر امرت سر روانگی ہوئی۔

امرت سر سٹیشن پر محکمۂ اوقاف کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا، زائرین کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اتنے میں نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ سٹیشن کے قریب ہی کھلے میدان میں صفیں آراستہ ہو گئیں۔ سکھ اور ہندو ہمارے طریقِ عبادت کو استعجاب و حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایک مدت کے بعد ہندوستان کی یہ زمین خداوند تعالےٰ کے حضور سجدوں سے سرفراز ہوئی۔

گاڑی کے انتظار میں سٹیشن پر پڑے رہے۔ گاڑی کا وقت گزر گیا۔ مگر گاڑی

Marfat.com

نہ آئی۔ رات کے دو بج گئے، مسلسل سفر سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ میں سٹیشن کی آرامگاہ میں لیٹ گیا۔ خواجہ عبدالحمید جو اس قافلے کے منتظم تھے۔ انہوں نے مجھے ہر طرح کا آرام پہنچایا۔ اب وہ اللہ کو پیارے ہو گئے اللہ تعالےٰ ان کی قبر کو کشادہ اور عنبریں رکھے آمین ـــــ ان حالات میں ہر شخص پریشان تھا۔ مگر حضرت کا چہرہ پُرسکون تھا۔ اضطراب اور پریشانی کا کوئی تاثر نہ تھا ـــــ وہی متبسّم چہرہ، وہی طبیعت کا ٹھہراؤ جو ایک ولیٔ کامل کی نشانی ہوتا ہے ـــــ

حضرت خانقاہ کے ایک کمرے میں قیام پذیر ہوئے حضرت کے ہمراہ چند معتقدین تھے۔ حضرت کی خدمت میں دور دراز جگہوں سے آئے ہوئے لوگ حاضر ہوتے۔ بعض اوقات کمرہ زائرین سے بھر جاتا۔ ملاقاتی خاموشی سے حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے، حضرت اپنے ہی عالم میں ہوتے۔ مگر ہر شخص محسوس کرتا کہ وہ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ایک مقرّبِ بارگاہ الٰہی سے اکتسابِ فیض کر رہا ہے۔ دورانِ قیام حضرت کی شخصیّت مرجعِ خلائق بنی رہی۔

حضرت مولانا خان محمدؒ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبرِ مبارک کے نزدیک پہروں سر جھکائے مراقبے میں رہتے، مراقبے کی لذّت حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی فیضان اور مشاہدے کے اس مقام کو مجھ جیسا بے علم کیسے بیان کر سکتا ہے اس کی وضاحت تو کوئی صاحبِ مقام ہی کر سکتا ہے۔ ہم نیاز مند بھی حضرت کے پیچھے سر جھکائے رہتے، حضرت تو مشاہدے کی منزل میں ہوتے، ہمارے لئے اتنا ہی باعثِ برکت تھا کہ ایک بزرگ کی موجودگی اتنی بڑی بارگاہ میں حاضری ہو رہی تھی ایک روز میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ مراقبے میں کیا کرنا چاہیئے، فرمایا قلب پر نگاہ رکھّو اور اسے ذکر اللہ میں مصروف رکھّو، میں نے ادب سے عرض کی کہ ہمیں تو اس مراقبے میں کسی چیز کا مشاہدہ نہیں ہوتا حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا یہ احساس پیدا

Marfat.com

کرو کہ انوار کی بارش ہو رہی ہے ——— یہی احساس کافی ہے۔

اسی قیام کے دوران کئی بار حضرت سے خلوت میسّر آئی۔ خلافِ معمول حضرت شگفتہ باتیں کرتے، خلوت کی ملاقات جلوت کی محفل سے یکسر مختلف ہوتی۔ حضرت کی شگفتہ گفتگو ہمیں لب کشائی کا حوصلہ دیتی۔ میں ان سے متنازع دینی مسائل کے بارے میں سوال کرتا۔ حضرت انتہائی شرح و بسط سے جواب دیتے۔ جس سے حضرت کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا ——— حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حضرت بہت مسرور نظر آتے، معلوم ایسے ہوتا کہ حضرت کو روحانی دفینہ ہاتھ لگا ہے۔

ہم نے حضرت کی معیّت میں دوسرے مزارات پر بھی حاضری دی، حضرت مزار پر کچھ دیر مراقبہ کرتے، معلوم ہوتا روحوں کا اتّصال ہو رہا ہے، گفتگو ہو رہی ہے اکتسابِ فیض ہو رہا ہے۔ ہم بھی اسی انداز میں سر جھکائے خاموش بیٹھے رہتے کہ شاید اس فیض کی کوئی کرن ہم تک بھی پہنچ جائے۔

ختم شریف میں حضرت کو جہاں جگہ مل گئی مؤدّب ہو کر بیٹھ گئے۔ مگر بہت سی نگاہوں کا مرکز حضرت کی شخصیت رہی۔ ختم شریف میں مختلف قرّاء تلاوتِ کلامِ پاک کرتے ہیں۔ جیّد قرّاء فنِّ قرائت کا مظاہرہ کرتے ہیں جس سے روحیں وجد میں آجاتی ہیں۔ مختلف قرّاء کی روایات میں جب تلاوت ہوتی ہے تو قرآنِ پاک کی برکات کا نزول ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ دلوں کے زنگ دور ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر شخص بقدرِ ظرف مستفیض ہوتا ہے۔ سب کے دامن میں کرم کی خیرات ڈال دی جاتی ہے جتنا بڑا ظرف ہوتا ہے۔ خیرات بھی اسی انداز میں دی جاتی ہے۔ اس روحانی اور قرآنی مجلس سے کوئی محروم نہیں لوٹتا۔ حضرت کی معیّت کے یہ چند روز زندگی کا حاصل بن گئے۔ آج بھی جب اس مختصر سے قیام کا خیال آتا ہے تو عجیب مسرّت و شادمانی کا احساس ہوتا ہے۔

۱۹۸۱ء میں چند روز مکّہ مکرّمہ میں حضرت کی رفاقت اور صحبت نصیب رہی، ہر جگہ

Marfat.com

حضرت نے اس عاصی و خاطی کو شفقت اور محبّت سے نوازا ۔ حضرت الجزیرا بنک میں قیام فرما تھے، میں بھی اسی بنک میں مقیم تھا، بنک کے مینیجر جناب فاروق الحسن چشتی اور جناب مرزا ہمایوں میرے محترم دوست تھے ۔ اس قیام کے دوران حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے بہت سے مواقع میسّر آئے ۔ فاروق الحسن چشتی صاحب نے حضرت کی رہائش کے لئے کمرہ مخصوص کر رکھّا ہے، ہر سال حضرت حج کے موقعہ پر یہیں رہائش پذیر ہوتے ہیں، وابستگان کو حضرت کی اس مستقل رہائش گاہ کا علم ہے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں ۔

مکّہ مکرّمہ کے قیام کے دوران حضرت کی مسرّت دیدنی تھی، وہ کرم کے لازوال خزانے پر پہنچے ہوئے تھے ۔ حرم پاک میں بیت اللہ شریف کے سامنے جب حضرت جیسے بزرگ اللہ تعالٰے سے لَو لگاتے ہونگے تو ان پر انعام و اکرام کی بارش ہوتی ہوگی ۔ بیت اللہ شریف میں ہر شخص کی حاضری اس کی روحانی استطاعت اور ظرف کے مطابق ہوتی ہے ۔ جیسا سائل ہوتا ہے ویسی ہی کرم کی بھیک ملتی ہے ــــــ یہ مانگنے والے، جھولی پھیلانے والے کے انداز، صدا لگانے والے کی کیفیّت اور خداوندِ کریم کو پکارنے والے کی پکار پر منحصر ہے ــــــ یہاں تو بزرگوں کی خاموشی بھی صدا بن جاتی ہے، وہ مراقبے میں رہتے ہیں، مرادوں کے پھول لے کر لوٹتے ہیں ۔ ویسے تو اس بارگاہ سے کوئی شخص بھی محروم نہیں لوٹتا ۔ ہر شخص کو کرم کی خیرات ملتی ہے مگر بزرگانِ دین اللہ تعالٰے کے نیک بندوں کی حاضری تو روحانی معراج اور ترقّی درجات کا موجب ہوتی ہے ۔ اس کرم کے دروازے سے جو ان کی جھولی میں پڑتا ہے ۔ وہ واپس آکر اس خیرات کو بندگانِ خدا میں تقسیم کرتے رہتے ہیں ۔

حضرت مولانا خان محمّد صاحب نے دیوبند جیسی عظیم الشّان دینی درس گاہ میں تعلیم حاصل کی، اس دور کے جیّد علماء، نادرۂ روزگار دینی شخصیتوں سے اخذِ فیض کیا ۔

Marfat.com

مگر آپ نے تعلیمی دَور کے واقعات بھی کم ہی بیان کیے ہیں۔

خانقاہ سراجیہ میں نایاب دینی کتب کا علمی خزانہ موجود ہے۔ یہ کتب خانہ زیادہ تر عربی کتب پر مشتمل ہے۔ جس سے آپ کے علمی ذوق اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے اہلِ علم حضرات خانقاہ سراجیہ میں قیام کے دوران اس بے بہا علمی خزانے سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ اہلِ علم حضرات سے سنا ہے کہ ایسی نادر کتب ہندو پاک کے شاید ہی کسی کتب خانے میں موجود ہوں۔ اس لیے خانقاہ سراجیہ علمی و روحانی فضا کا مرکز بن گئی ہے۔

حضرت مولانا خان محمدؒ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ضبطِ حال کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ان سے کبھی اپنے باطنی کمالات، اپنے روحانی مشاہدات، سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بزمِ اقدس میں حاضری یا اپنی دینی علمیت کا ذکر نہیں سنا۔ انہوں نے خلوت میں کبھی اپنے کشف و کرامات کو بیان نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت کا سب سے بڑا کمال یہی ہے، ان کے حلقۂ ارادت میں جیّد علماء مفسّرینِ کرام، محدّثینِ عظام کا مقدّس گروہ شامل ہے۔ میں نے دورِ حاضر کے مقتدر علماء کو حضرت کی مجلس میں کسبِ فیض کرتے دیکھا ہے، حضرت کو اپنے اکابرین سے جو روحانیّت ورثے میں ملی ہے وہ اس کے امین ہیں، حضرت اس روحانیّت کو طالبینِ حق اور رہروانِ منزلِ سلوک میں شب و روز تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

تحریکِ ختمِ نبوّت کے سلسلے میں آپ نے قائد کی حیثیّت سے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے کئی عملی اقدام اٹھائے۔ حضرت کی سعیٔ جمیلہ سے اس گروہ کے بھیانک چہرے سے نقاب اُٹھ چکا ہے۔ حکومت نے انہیں غیر مسلم قرار دے کر مسلمانوں کا بہت بڑا مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ حضرت آج بھی ختمِ نبوّت کے سلسلے میں تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، آپ کا زیادہ وقت سفر میں گزرتا ہے۔ مدارسِ دینیہ کے سالانہ اجتماعات اور ختمِ نبوّت کے اجلاس میں حضرت

Marfat.com

شرکت کرتے رہتے ہیں اور اپنی دعاؤں سے نوازتے ہیں۔

"تحفۂ سعدیہ" میں حضرت کے اکابرین کے حالاتِ زندگی شرح وبسط سے درج ہیں۔ حضرت مولانا خان محمدؒ دامت برکاتہم کے مختصر سے حالات بھی اس کتاب کے اوراق کی زینت ہیں۔ میں نے اس مضمون میں اپنے ذاتی مشاہدات اور قلبی کیفیات کا نامکمل ساخاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مجھ جیسا کم علم، کوتاہ نظر اور بے مایہ انسان ایسے جلیل القدر بزرگ، ایسی برگزیدہ ہستی اور ایسے مقرّبِ بارگاہِ خداوندی کے بارے میں کیا لکھ سکتا ہے۔ میرے لئے تو ایسے بزرگوں کی جوتیاں سیدھا کرنے کا منصب بھی بہت ہے ــــــ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس تحریر کے صدقے۔ اس عقیدت و احترام کے طفیل آخرت کی منزل آسان کردے اور حشر کے روز ایسے ہی بزرگوں کے زمرے سے اٹھائے۔ آمین ـــــ

Marfat.com

مولانا سیّد محمّد عبدُالعزیز شرقی

بعض شخصیّتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں کچھ تحریر کرتے ہوئے اپنی علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ان کی زندگی کے کس رُخ کو پہلے سامنے لایا جائے، کس طرح اس بزرگ ہستی کے ذکر کا آغاز کیا جائے۔ کس انداز سے اپنے مشاہدات اور خیالات کا اظہار کیا جائے۔

بعض بزرگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی ایک ہی خوبی کی تہہ در تہہ کیفیات کو بیان کرنا مشکل ہوجاتا ہے، قلم ان کے اوصاف، ان کمالات کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ ان کے قرب سے ان کی زندگی کے کئی پہلو سامنے آجاتے ہیں ـــ ان کی عظمت، ان کی بزرگی، انکی شرافت ان کی شفقت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور ان کے ذاتی جوہر کھلتے چلے جاتے ہیں، ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ مگر اب ایسی ہستیاں نایاب ہوتی جارہی ہیں، زمانہ رُو بہ زوال ہے ـــ اقدار مٹتی جارہی ہیں، علم کی وسعت سمٹتی جارہی ہے، ادب و احترام ناپید ہوتا جارہا ہے۔ فکر و نظر کا دائرہ محدود ہوتا جارہا ہے ـــــــ مگر اس دورِ انحطاط میں بھی چند نفوسِ قدسیہ، چند برگزیدہ ہستیاں صفحۂ ہستی پر موجود ہیں، چند باقیات الصّالحات ابھی دیکھے جاسکتے ہیں جن کے دم سے، جن کی دعاؤں سے، جن کی برکات سے، جن کے تقویٰ اور بزرگی سے، جن کی ریاضت و عبادت کے صدقے خداوندِ کریم دنیا داروں کو آفات و بلیّات سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کے بزرگوں کے طفیل رشد و ہدایت کے دروازے کھلتے رہتے ہیں، گمراہ انسان، گم کردہ منزل لوگ، راہِ حق سے بھٹکی

Marfat.com

ہوئی مخلوق صراطِ مستقیم پر چل پڑتی ہے ـــــ ان کی نگاہِ فیض آثار سے دلوں میں خوشگوار انقلاب پیدا ہو جاتا ہے، اعمال میں پاکیزگی آتی ہے، روح کو جلا نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آخرت کی فکر عطا کرتا ہے۔ ایسی بزرگ ہستیاں روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مظہر ہوتی ہیں۔ ایسی ہی مقبولِ بارگاہِ الٰہی، ایسی ہی برگزیدہ ہستی مولانا سیّد محمّد عبدالعزیز شرقی دامت برکاتہم کی ہے۔

مولانا سیّد محمّد عبدالعزیز شرقی صاحب کے مقبولِ بارگاہِ خداوندی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی کرم سے مدینہ منوّرہ کے مستقل قیام کی سعادت سے نوازا ہے اور انہیں اس سایۂ رحمت، مرکزِ فیوض و برکات، دارِ فضیلت و شرف میں زندگی بسر کرتے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا ہے۔ وہ ارضِ مقدّس جہاں انسان ایک لمحے کے قیام کو ترستا ہے۔ جس کی یاد میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت رکھنے والوں کی آنکھیں نمناک رہتی ہیں۔ اس کرۂ ارضی پر مکّہ مکرّمہ کے بعد سب سے افضل و مکرّم مقام مدینۃ النّبیؐ ہے بلکہ اتنی جگہ جہاں محبوبِ ربّ العالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جسدِ اطہر و مطہّر ہے وہ ہر مکتبۂ فکر کے علماء کے نزدیک عرشِ اعظم سے بھی افضل ہے ـــــ شرقی صاحب پر اللہ تعالیٰ کا کرمِ بے پایاں ہے کہ ان کو جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قرب سے نوازا۔ روزانہ روضۂ اطہر پر حاضری کا شرف نصیب فرمایا۔ پانچوں وقت حرمِ نبوی میں باجماعت نماز ادا کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اگر اسی کرم کی داستان کو، اسی لطفِ غیر مختتم کو، اسی نوازشِ خاص کو تفصیلاً بیان کیا جائے تو پوری کتاب مرتّب ہو جائے ـــــ یہ روزانہ کی حاضری، یہ قربِ سیّدِ لولاک صلّی اللہ علیہ وسلّم انسانی معراج ہے ـــ یہ جنّت کی کلید، رضائے سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نوید اور شفاعت کا مژدہ ہے ـــ ستّر ہزار فرشتے دربارِ اقدس میں صبح کو اور ستّر ہزار فرشتے شام کو حاضری دیتے ہیں، ہر فرشتہ صرف ایک بار حاضری سے مشرّف ہو سکتا ہے۔ دوسری بار

Marfat.com

اس کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوتی ـــــ خداوندِ کریم کا بندوں پر یہ انتہائی کرم ہے کہ وہ بار بار روضۂ اطہر پر حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں اور گھائے سعادت سے دامنوں کو مہکاتے رہتے ہیں ـــــ

مولانا سیّد محمّد عبدالعزیز شرقی کی سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کا یہ عالم ہے کہ دنیوی تعلّقات منقطع کر کے، دنیوی علائق کی گرد کو دامن سے جھاڑ کر سارے معاملات خداوند تعالےٰ کے سپرد کر کے دربارِ اقدس کے بھکاری بن گئے۔ اسی درِ اقدس کے سائل ہو گئے۔ اسی مرکزِ محبّت میں ڈیرا جما لیا ـــ میری نعت کا شعر ہے ؎

درِ مصطفےٰ کی ہے کیا بات حافظؔ

محبّت کا مرکز، کرم کا خزانہ

شرقی صاحب نے زندگی کے تمام آلام و مصائب کا مداوا آستانِ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سمجھ لیا۔ زندگی اسی شہرِ رحمت و برکت میں گزارنا مقصدِ حیات بنا لیا۔ یہ محبّت، یہ شیفتگی، یہ وارفتگی، حضور ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ قلبی تعلّق اور نسبت بھی توفیقِ خداوندی اور اللہ تعالےٰ کے کرمِ خاص سے ہی ہے۔ یہ محبوبِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چشمِ التفات اور عطائے خاص کا مظہر ہے ـــــ یہ سعادت تو ازلی خوش قسمت انسانوں کے حصّے میں آتی ہے۔ ورنہ انسان زندگی کی الجھنوں کو سلجھاتے سلجھاتے اس دارِ فانی سے رخصت ہو جاتا ہے اور اسے دربارِ اقدس میں حاضری کا لمحہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس انسان کی بلند اقبالی اور بخت کی معراج کا کیا کہنا جسے خداوندِ کریم نے حضوری کی سعادت کے ساتھ ساتھ گدازِ قلب اور رقّت جیسی نعمت سے بھی نوازا ہو۔ یہ کرم بالائے کرم ہے۔ جب تک سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت دل کی دھڑکنوں میں شامل نہیں ہو جاتی، جب تک سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عشق آنسوؤں کا روپ اختیار نہیں کر لیتا، جب تک خاموشی حیرت کی سرحدوں کو نہیں چھو لیتی، بارگاہِ نبوی میں

Marfat.com

میں حاضری اور نعمتوں کا حصول ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے شرقی صاحب کو ان تمام نعمتوں اور سعادتوں سے نوازا ہے۔ آپ صبح و شام ان سعادتوں اور برکتوں سے دامن بھرتے رہتے ہیں اور خلوتِ جاں میں کرمِ خاص کی قندیلیں روشن کرتے رہتے ہیں ـــــ ان انعامات و اکرام، ان برکات و نوازشات اور اس قربِ خاص کی وجہ سے ان کی ذاتِ گرامی مرجعِ خلائق ہے۔

دنیا میں ہزاروں بزرگانِ دین، اولیائے کرام گزرے ہیں، ان کے پاس دنیوی وجاہت اور شان و شوکت کا کوئی سامان نہ تھا۔ ان کے پاس زندگی کی کوئی آسائش موجود نہ تھی ـــــ ان کے تو لباس میں پیوند لگے ہوتے تھے ـــــ ان کی زندگی تو فقر و فاقہ میں بسر ہوئی تھی، مگر یہ فقر، یہ تقویٰ یہ زہد و ورع کا لباس خلوتِ شاہی سے خراج لیتا تھا۔ دنیا کے شہنشاہ ان بزرگوں کی قدم بوسی اپنے لئے باعثِ شرف تصوّر کرتے تھے، میلوں پیدل چل کر حاضری دیتے تھے، دعا کے لئے بصد عجز و انکسار التجا کرتے تھے۔ ان کے ابرو کے اشارے کے منتظر رہتے تھے ـــــ اصل شہنشاہی تو فقر میں مضمر ہے، فقیر دنیوی عزّ و جاہ اور جاہ و جلال کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتا ـــــ اس کا مقصودِ نگاہ تو رضائے الٰہی ہوتا ہے جو اسے دنیا کی ہر شے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

مولانا سیّد محمّد عبدالعزیز شرقی بھی ایسے ہی بزرگوں میں سے ہیں۔ جن کو جاہ و جلال نے کبھی متاثر نہیں کیا۔ اگرچہ امراء، رؤسا اور اربابِ اقتدار ان سے ملاقات کو باعثِ شرف سمجھتے ہیں، مگر شرقی صاحب اپنے معمولات میں کسی کے جاہ و جلال کو حارج نہیں ہونے دیتے۔

شرقی صاحب نے زندگی کا بیشتر حصّہ عبادت و ریاضت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کو کسی حال میں بھی اپنے معمولات، اوراد و وظائف، تلاوتِ کلام

Marfat.com

پاک اور دوسری عبادات میں ناغہ گوارا نہیں، سفر میں ہوں یا حضر میں وہ اپنے معمولات پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔

شرقی صاحب اپنے مخصوص لباس، اپنے منفرد انداز، اپنے خاص لہجے، اپنی شفقت اور اپنی وضعداری کے سبب لاکھوں میں پہچانے جاتے ہیں۔ لباس پر سفید کاڑھا ہوا انگرکھا، ٹوپی کے ارد گرد موتی تنہ کی سفید پٹی، ہاتھ میں چھڑی ان کی انفرادیت کا پتہ دیتی ہے ــــ صفہ پر اگر آپ ایسے بزرگ کو مصروفِ عبادت دیکھیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ بزرگ شرقی صاحب ہیں، اس وضع قطع، اس لباس کا دوسرا انسان آپ کو مدینہ منورہ میں نظر نہیں آئے گا ــــ

مدینہ منورہ اولیاء اللہ کا مستقر ہے، یہاں قطبِ زماں، ابدالِ دوراں، اولیا اللہ بزرگانِ دین ہر وقت موجود رہتے ہیں جو پاسِ ادب سے خود کو چھپائے رکھتے ہیں۔ وہ خاموشی اور انتہائی ادب سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے روز و شب اکتسابِ روحانی کرتے رہتے تھے اور سلوک کی منزلوں کو سایۂ رحمت میں طے کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے مقام کی تکمیل و ترقی کے لئے آستانۂ اقدس پر حاضر رہتے ہیں۔ وہ بظاہر سادہ لباس میں نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے مرتبے اور مقام تک دنیوی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ خدا جانے مسجدِ نبوی کے دربانوں، جاروب کشوں اور خدام میں کس مقام اور کس مرتبے کے بزرگ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ بصیرت عطا فرمائے کہ آنکھ ان کے باطنی درجات، ان کے روحانی مراتب دیکھ سکے، ان سے اکتسابِ روحانی کر سکے۔

حرمِ نبویؐ میں ایک ضعیف العمر بزرگ سے میری ملاقات ہوئی جو پچیس سال بیت المقدس، پچیس سال بیت اللہ شریف اور پچیس سال مسجدِ نبویؐ میں جاروب کشی کے منصب پر فائز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی صحبت میں بیٹھنے

Marfat.com

اور ان سے استفادہ کرنے کے مواقع میسر آئے۔ اکھرے بدن کے یہ بزرگ مینی ہیں۔ خدمت سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنا زیادہ وقت مسجدِ نبویؐ ہی میں گزارتے ہیں۔

شرقی صاحب کو مدینہ منوّرہ، شہرِ رحمت و برکت، مصدرِ انوارِ الٰہی کے ذرّے ذرّے سے پیار ہے۔ مدینہ منوّرہ کی ہر شے انہیں محبوب ہے۔ مدینۃ الرّسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کی تمناؤں کا مرکز اور زندگی بھر کی آرزو کا مقام ہے۔ یہ انسانی معراج کی آخری حد ہے۔ اس لئے انہوں نے مدینہ منوّرہ کو اپنی مستقل جائے قیام بنایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ازل سے ہی یہ سعادت اپنے دامن میں سمیٹ لائے تھے۔ نجانے کس رقّت اور سوز کے انداز میں شرقی صاحب نے بارگاہِ ربّ العزّت میں قربِ سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے دعا کی کہ اجابت کے دروازے کھل گئے۔ دُعا قبول ہوئی۔ اور جنابِ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے دی ــــ یہ سعادت بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ یہ بخت کے اوراق پر سعادت و کرم کی آخری مُہر ہے یہ خوش بختی کی نشانی اور شرف کی معراج ہے۔ شرقی صاحب نے خوش بختی اور شرف کی آخری حد کو چھُو لیا۔

شرقی صاحب کی زندگی کی کئی منزلیں معلوم ہوتی ہیں۔ تمام منزلوں کا رُخ مدینہ منوّرہ ہی کی سمت نظر آتا ہے۔ اس لئے زندگی کے سفر نے انہیں مدینہ منوّرہ پہنچا دیا۔ مولانا شرقی صاحب نے دیوبند کی عظیم درس گاہ میں تعلیم حاصل کی۔ یہ دینی درسگاہ کتابوں کے علم تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ باطنی کمالات کے حصول کا ذریعہ بھی تھی۔ اس درس گاہ کے معلّم روحانیّت کی منازل سے بھی آگاہ تھے۔ ان کے تقویٰ، ان کی بزرگی، ان کے روحانی کمالات زمانے پر روشن ہیں۔ مولانا سیّد انور شاہؒ، مولانا محمود الحسنؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے جلیل القدر بزرگ، عالمِ متبحّر اسی دارالعلوم سے وابستہ رہے۔ جن کی علمیّت، جن

Marfat.com

کے روحانی درجات سے ایک زمانہ واقف ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تعلیمی دور ہی میں ان بزرگوں کی صحبت نے شرقی صاحب کے دل میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے محبت، اتباعِ سُنّت کا جذبہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کا شوق پیدا کر دیا ہوگا۔ دراصل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ مطہرہ کا حصول پیروئ سنت میں مضمر ہے۔ اتباعِ سُنّت کی تکمیل محبت کی معراج تک پہنچا دیتی ہے۔ ظاہری طور پر سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی باطن کی صفائی کی ضمانت بن جاتی ہے۔ اگر انسان سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر گامزن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ شرقی صاحب کو یہ نعمتِ عظمیٰ بھی نصیب ہوئی۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ زہد و ورع کی زندگی ان کی طبیعت کا خاصہ بن گئی۔ علمائے کرام اور مقرّبانِ بارگاہِ الٰہی کی صحبتوں نے زندگی کے پاکیزہ معمولات کو پختہ کر دیا جب تعمیر میں شگاف نہ رہے تو اس کے منہدم ہونے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ شرقی صاحب کے دیوبند کا قیام، تعلیمی سلسلہ، بزرگانِ دین کی صحبتیں، سنّت کا اتباع، دین سے شغف آئندہ زندگی کے روحانی مدارج طے کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ یہ شرقی صاحب کی حسین ترین منزل تھی ——

ہم دنیا داروں کی نظر اسباب پر ہوتی ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کی نظر مسبّب پر ہوتی ہے۔ اسی لئے انہیں زندگی کی کسی منزل پہ پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ جب خالقِ کائنات پر بھروسہ اور توکّل ہو تو بارگاہِ ربّ العزّت سے کوئی مایوس نہیں لوٹتا —— اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پر مکمّل ایمان رکھنے والے در در کی ٹھوکریں نہیں کھاتے، وہ ایک ہی بارگاہ کے ہو رہتے ہیں، اسی بارگاہ سے ان کو تمام نعمتیں میسّر آجاتی ہیں، شرقی صاحب بھی ایسے ہی بزرگوں میں سے ہیں۔ شرقی صاحب کسی معاملے، کسی نازک سے نازک مرحلے پہ مایوس نہیں ہوتے۔ اس توکّل علی اللہ اور ایمانِ

Marfat.com

کامل کا نتیجہ ہے کہ شرقی صاحب ستائیس مرتبہ حج کی سعادت سے مشرّف ہو چکے ہیں بیت اللہ وہ مقام رفعت وعظمت ہے، جس کی زیارت کے لیے ہزاروں نگاہیں ترستی ہیں، جس کی دید کے لئے آنکھیں بیتاب رہتی ہیں۔ بیت اللہ شریف، اس بیتِ عتیق کی زیارت سے گناہ خشک پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ یہ وہ مقامِ عفو ورحمت ہے جہاں اللہ تعالے اپنے بندوں پر بے پناہ کرم کرتا ہے۔ بیت اللہ شریف کی زیارت سعادت کی آخری منزل ہے۔ جسے دیکھنا ہی عبادت ہے —— حدیث شریف میں جنابِ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ بیت اللہ شریف پر ۱۲۰ رحمتیں ہر لحظہ نازل ہوتی ہیں۔ ۶۰ طواف کرنے والے کے لیے۔ ۴۰ نماز پڑھنے والے کے لئے اور ۲۰ صرف بیت اللہ شریف کو اک نظر دیکھنے والے کے لیے —— آپ اندازہ کیجئے کہ اس شخص سے زیادہ خوش بخت کون ہوسکتا ہے۔ جس نے ستائیس بار مکّہ مکرّمہ کا سفر کیا ہو۔ ایک ایک حاضری میں ان گنت مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھا ہو، بے شمار طواف کئے ہوں —— نمازیں اس مرکزِ رحمت میں ادا کی ہوں، منیٰ میں مہینوں قیام کیا ہو۔ مزدلفہ میں راتیں گزاری ہوں۔ عرفات میں کئی بار وقوف کیا ہو —— جہاں انسان کے صغیرہ کبیرہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ جہاں کے قیام کے لمحات نفس کو مزکّی کر دیتے ہیں۔ جہاں آنکھوں سے بہنے والے آنسو میزانِ رحمت میں تلتے ہیں۔ شرقی صاحب کی نیکیوں کو کیسے احاطۂ تحریر میں لایا جاسکتا ہے۔ اور شرقی صاحب کی محبّت وعشق کی داستان کو کس پیرائے میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ شرقی صاحب کی خوش نصیبی کی داستان اتنی طویل اور اتنے کرم کے خزانے سمیٹے ہوئے ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

شرقی صاحب کے نجانے کتنے آنسو حرم پاک کی مقدّس زمین میں جذب ہوئے ہوں گے کتنی دعائیں قبولیّت سے ہمکنار ہوئی ہوں گی۔ ستائیس بار کی حاضری

Marfat.com

کے بعد قلب کے کسی گوشے میں غیر اللہ کا تصور نہیں آسکتا۔ اسے یقین کی منزل نصیب ہو جاتی ہے۔ اہل اللہ کو بھی یقین کی منزل برسوں کی ریاضت اور مجاہدے کے بعد نصیب ہوتی ہے ــــــ یہ معرفتِ خداوندی کی آخری منزل ہے ــــــ

حرمین شریف کی حاضری انتہائی کرم اور خوش بختی کی علامت ہے۔ مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کی منزلیں حیاتِ انسانی میں خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں، یہ جنّت الفردوس کے راستے یہ کرمِ خاص کی منزلیں ہیں۔ شرقی صاحب نے متعدد بار ان سعادت کی منزلوں پر سفر کیا، کئی بار کرم کے پھولوں سے دامن بھرا۔ آخر کار خداوندِ کریم کے لطفِ بے پایاں سے منزلِ نور، مقامِ سعادت میں مقیم ہو گئے ــــــ

پاکستان کے کسی حصّے سے زائرِ مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے ہوں، ان میں سے اکثر بزرگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شرقی صاحب کے ساتھ چند گھڑیاں گزاریں اور ان کی گفتگو، ان کے عشقِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کی شہرِ رحمت و برکت کی معلومات اور مقاماتِ مقدّسہ کی تفصیل سے عہدِ نبوی کی یاد کو تازہ کریں۔ چند لمحوں کے لئے اس مادّی دنیا سے نکل کر روحانیت کی فضاؤں میں سانس لیں تاکہ قلب و روح منوّر ہو جائے۔ زندگی کی کثافتیں ڈھل جائیں، دلوں کے زنگ دُور ہو جائیں، رقّت اور سوز کی آنسوؤں سے فردِ گناہ صاف ہو جائے۔ شرقی صاحب کی صحبت میں اللہ تعالیٰ ان تمام انعامات سے نوازتا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ شرقی صاحب کے معتقدوں، دوستوں، بزرگوں میں ہر طبقے اور ہر مکتبۂ فکر کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہر نظریّہ اور ہر عقیدہ کے لوگ شرقی صاحب کو احترام و محبّت سے ملتے ہیں۔ یہ ان کی وسیع النظری اور وسیع المشربی کی دلیل ہے ــــــ

مدینہ منوّرہ کا ہر زائر ان کی نگاہوں میں معزّز و محترم ہے۔ ان میں تاجر پیشہ، اعلیٰ افسران، جیّد علماء، مفسّرینِ کرام اور محدّثینِ عظام سبھی شامل ہیں۔ شرقی صاحب

Marfat.com

کا موضوعِ گفتگو سیرتِ مطہرہ، حضورؐ کے جانثاروں کے قصّے، حضورؐ کے غلاموں کی داستانیں اور عشاقِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے واقعات ہوتے ہیں جو تزکیۂ نفوس کا باعث ہوتے ہے۔ یہ لازوال خزانہ اسی فقیرِ خدا مست کی صحبت میں ملتا ہے۔

شرقی صاحب کا دسترخوان بہت وسیع ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں مہمان نوازی کے جوہر سے نواز ہے۔ وہ حرمِ نبویؐ میں کسی دوسرے ملک سے آتے ہوئے زائر سے ملتے ہیں اس کو باصرار ناشتے یا کھانے پر مدعو کرتے ہیں۔ اس کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں۔ اسی اندازِ محبّت اور مہمان نوازی نے ان کو بے شمار لوگوں کا محبوب بنا دیا ہے۔ ایک ملاقات ہمیشہ کے تعلّقات کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ مدینۂ منوّرہ کے رہنے والے ہر شخص کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مہمان تصوّر کرتے ہیں اور دل و جان سے اس کی خاطر و مدارات کرتے ہیں۔ میرا ہی ایک شعر ہے ؎

ہر ایک شخص خلوص و وفا کا پیکر تھا
قدم قدم پہ ہوئیں میزبانیاں کیا کیا

میزبانی کا شرف، خدمت کا موقع، زائرین سے حسنِ سلوک حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے غلاموں کی خاطر تواضع ان کی خوش بختی کی روشن دلیل ہے۔

مدینۃ الرّسول صلّی اللہ علیہ وسلّم میں دل میں کسی بات کا خیال گزرتا ہے تو پوری ہو جاتی ہے۔ یہ مرکزِ جود و سخا، یہ مصدرِ لطف و عطا ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک روز مسجد نبویؐ میں نمازِ فجر پڑھ کر اوراد و وظائف میں مصروف تھا کہ اونگھ آنے لگی، خیال گزرا اگر چائے یا قہوے کا فنجان میسّر آجائے تو نیند کا غلبہ ٹوٹے اور انشراحِ صدر کے معمولات پورے ہو سکیں۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ ایک شخص قہوے سے بھرا ہوا تھرموس لے کر آگیا اور باصرار دو تین فنجان پلائے۔ اپنا تعارف کرائے بغیر چلا گیا —— حرمِ نبویؐ میں قبولیتِ دعا لبوں کی جنبش کی منتظر ہوتی ہے۔

Marfat.com

شرقی صاحب تو اجابتِ دعا کے دروازے پر رہتے ہیں، بابِ اثر کھلا دیکھتے ہیں۔ احباب کو دعاؤں میں شریک رکھتے ہیں —— ان کی دعاؤں کے صدقے خداوندِ کریم لوگوں کی پریشانیاں دُور کرتا ہے۔ شرقی صاحب تو دعاؤں کا خزانہ ہیں جس سے ہزاروں میل دور رہنے والے بھی مستفیض ہوتے رہتے ہیں ——

سکّانِ مدینہ منوّرہ کتنے خوش قسمت ہیں جن کو حضورِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے مہمانوں کی میزبانی کا شرف نصیب ہوتا رہتا ہے —— اس میزبانی کے طفیل ان کو سرکارِ دوعالم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ ان کو سرکارِ دوعالم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے قدمین شریفین میں زندگی گزارنے کی سعادت میسّر ہوتی ہے۔ کائنات میں اس سے بڑی نعمت اس سے بڑا کرم، اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ محبوبِ کائنات ؐ کے شہرِ کرم آثار میں زندگی کے ایّام بسر ہوں۔ حرمِ نبوی ؐ میں حاضری نصیب ہوتی رہے۔ بارگاہِ رسالت ؐ میں درود وسلام میں پیش کرنے کی توفیق ملے۔

جب دل میں محبّت کی شمع روشن ہوتی ہے تو خلوتِ جاں میں سوز کی قندیلیں جگمگانے لگتی ہیں۔ ایک ابدی مسرّت پیدا ہوتی ہے، روح ایک خاص لذّت سے فیضیاب ہوتی ہے تو تارِ رگِ جاں سے نغمے پھوٹنے لگتے ہیں، زندگی کا ہر سانس شکر وسپاس کے نغمے میں ڈھل جاتا ہے۔ احساسات نغمۂ پیہم بن جاتے ہیں، روح کا ساز التجائیہ انداز اختیار کر لیتا ہے۔ اور نعت، مدحِ پیمبر صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وجود میں آتی ہے نعتیہ شاعری اپنے محسوسات کو ادب واحترام سے شعر کے قالب میں ڈھالنے کا نام ہے۔

نعتیہ شاعری میں ادب کے حدود کو ملحوظِ خاطر رکھنا، سرکارِ دوعالم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی تعلیمات کے دائرے میں رہنا، محبّت کو جنون کی حدود سے جدا رکھنا

ہے۔ اسی لئے نعت گوئی شاعری کی سب سے بڑی مشکل صنف ہے بقول عرفیؔ یہ تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ نعتیہ شاعری سچے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس میں مبالغہ آرائی، خیال کی کرشمہ سازی، تصور کی رنگ آمیزی نہیں ہوسکتی، خیال کی بلندی کیسی ہی ہو، مضمون آفرینی کا کمال کیسا ہی ہو، ندرتِ فکر کی جلوہ آرائی کسی انداز کی کیوں نہ ہو، ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، اوصافِ حسنہ، سیرتِ طیبہ سے کم تر ہی نظر آئے گی ——

نعتیہ شاعری میں فغاں ہزار روپ دھار لیتی ہے۔ آرزو ہزار عنوانات کے تحت جلوہ گر ہوتی ہے۔ اشک فشانی دعا کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ تمام کیفیات، یہ تمام واردات پیکرِ شعر کا لباس ہیں، یہ پیراہن چمنستانِ خیال کی بوقلمونیوں سے سجے رہتے ہیں۔ انسان کے دل میں خیال کی رَو اٹھتی ہے۔ جو شعر کی صورت میں ڈھل کر کبھی سوز، کبھی نالہ، کبھی فغاں اور کبھی حیرت بن جاتی ہے —— کبھی وہ ساعتیں بھی آتی ہیں جب نہ زبان ساتھ دیتی ہے نہ الفاظ مافی الضمیر بیان کر سکتے ہیں —— یہ مقامِ حیرت واستعجابِ ادب واحترام کا اعلیٰ ترین مقام ہوتا ہے ——

شرقی صاحب نے بچپن سے شاعری کا آغاز نہیں کیا نہ ان کو غزل کہنے کی مشق ہے نہ انہوں نے شاعری کو بطورِ فن اختیار کیا، ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں شعری نذرانہ پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جب دل کی دھڑکنیں مسلسل آہنگ بن جاتی ہیں تو نغمے کا ظہور ہوتا ہے۔ الفاظ ادب واحترام کے سانچے میں ڈھل کر شعر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ شرقی صاحب کی نعتیہ شاعری عطیۂ ربانی ہے —— سوز و ساز کی یہ کیفیت وہ روزِ ازل سے ہی اپنے دامن میں سمیٹ لائے تھے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ "فیوض الحرمین" ان کے قلبی واردات کا آئینہ، ان کے مشاہدات کی تفسیر، ان کے جذبات

Marfat.com

کا عکس اور ان کی حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بے پناہ عقیدت کا ترجمان ہے شرقی صاحب نے حضوری کی تمام کیفیات، ہجر کے سوز، قرب کی لذّت کو "فیوض الحرمین" میں نعت کا رنگ و آہنگ دیا ہے۔ بے زبان جذبات، غیر مرئی محسوسات کو زبان عطا کی ہے جو بہت مشکل کام ہے۔ نعت کے رنگ و آہنگ میں ان کے پیکر کی تفسیر بھی ہے اور ان کے جذبات کی آنسوؤں سے لبریز عکاسی بھی ـــــ وہ اشعار کی زبان میں بحضور سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم پیکرِ التجا بھی نظر آتے ہیں اور مغفرت طلب بھی۔ وہ ان انعامات کا جو انہیں اس بارگاہِ قدس سے انہیں عطا ہوئے ہیں، شکر ادا کرتے بھی نظر آتے ہیں، ان کے اشعار گوناگوں کیفیات کے حامل ہیں۔ واردات کا نعت بن جانا بہت بڑا کرم ہے۔ شرقی صاحب بیساختہ پکار اٹھتے ہیں ع

میری زباں پر تیری ثنا ہے الحمدللہ الحمدللہ

کبھی حضوری کی کیفیت کو نہایت سادہ مگر دلنشین انداز میں یوں بیان کرتے ہیں۔

حضورِ خواجۂ کونینؐ باریاب ہوا
نگاہِ مہر سے یہ ذرّہ آفتاب ہوا

اور کبھی سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کرم کا ذکر اس انداز سے کرتے ہیں

بلوایا ہے بے مایہ و ناچیز کو در پر
یہ ان کا کرم، ان کا کرم، ان کا کرم ہے

"فیوض الحرمین" انہی کیفیات کی ترجمان ہے۔ اس مجموعے میں شکر کے انداز بھی ہیں اور عجز کا اظہار بھی، کرم کی داستانوں کا بیان بھی ہے اور اپنی بے مائیگی کا ذکر بھی خوبیٔ قسمت پر ناز بھی ہے اور نیاز کے انداز بھی ـــــ مختلف کیفیات، مختلف اوقات میں قلب و نظر پر وارد ہونے والے جذبات کو شعر کے قالب میں ڈھال دینا

Marfat.com

بہت دشوار کام ہے۔ اس کے لئے جذبے کی صداقت، سچی لگن اور حقیقی عشق درکار ہے۔ الحمد للہ شرقی صاحب کے دامن میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ ان کی شاعری کا مختصر سا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ شرقی صاحب کو خواجۂ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دربار سے جو معنوی تعلق اور نسبت ہے اس کا اندازہ ہو سکے ــــــ

کائنات میں روشنی اس مبداء نور کے ظہور سے ہے، دلوں کا نور وہی ذاتِ گرامیؐ، روحوں کا اجالا وہی پیکرِ اطہر و مطہرؐ ہے۔ قلب کا گداز اسی کی عطا، اشکِ غم اسی کا کرم، سوزِ جاں اِسی کا عطیہؐ ہے ــــــ ہر شخص کو بقدرِ ظرف نوازا جاتا ہے۔ ہر ایک کے دامن میں کرم کے کھلائے شگفتہ ڈال دیئے جاتے ہیں۔

شرقی صاحب کو خداوندِ کریم نے نعت گوئی کے جوہر کے ساتھ ساتھ حسنِ صوت سے بھی نوازا ہے۔ جب اپنی پُرسوز لَے میں، محویّت کے عالم میں، انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ نعت سرا ہوتے ہیں تو دلوں کے تار لرزنے لگتے ہیں، وجدانی کیفیّت پیدا ہو جاتی ہے۔ سامع ارد گرد کے ماحول سے یکسر بے خبر حضوری میں پہنچ جاتا ہے۔ بارگاہِ نبویؐ میں آنسوؤں کے نذرانے پیش کرتا ہے۔ قرب کی کیفیّت سے سرشار ہوتا ہے ــــــ یہ سب کچھ شرقی صاحب کی اپنے والہانہ انداز اور جذب و مستی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اہلِ محفل شرقی صاحب کی وجدانی حالت کا حصّہ بن جاتے ہیں، شرقی صاحب خود بھی روتے ہیں، اہلِ محفل کو بھی اپنی اس خاص کیفیّت کا حصّہ بنا لیتے ہیں۔ یہ خاص کرم کی گھڑیاں ہوتی ہیں۔ یہ انعامات الٰہی کے لمحات ہوتے ہیں، یہ قبولیتِ دعا کا وقت ہوتا ہے ــــــ زندگی کے یہ لمحے ایسی مقدّس تابناکی لئے ہوتے ہیں جن سے خلوتِ جاں کے ظلمت کدوں میں نورانیّت پھیل جاتی ہے ــــــ یہ کیفیّت اس عاشقِ بارگاہِ رسالت کی محفل میں پیدا ہوتی ہے۔ جس کے قلب میں سچّی تڑپ، جس کی روح میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم سے وابستگی کا اجالا، جس کی آواز میں صداقت کا حسن ہو۔

مدینہ منورہ کے قیام میں بارہا شرقی صاحب کی ایسی پاکیزہ محفلوں سے مستفیض ہوا۔ مجھے انہوں نے میزبانی کے شرف سے نوازا ـــــ ان کے دولت کدے پر کئی کئی روز قیام کیا اس قرب سے شرقی صاحب کے جوہر کھلتے گئے، ان کے شب و روز کے معمولات کا مشاہدہ کیا۔ ان کے احباب سے متعارف ہوا۔ جن میں زیادہ تر علماء، مفسّرین و محدّثین تھے۔ ان کی علمی و ادبی گفتگو سے استفادہ کیا۔ شرقی صاحب اپنا کلام سناتے تو مدینہ منورہ کی حاضری کا لطف دوچند ہو جاتا۔

مکہ مکرمہ میں نمازِ عشا کے بعد مخصوص احباب کا حلقہ بن جاتا، بیت اللہ شریف کے سامنے، رکنِ یمانی کے قریب، جب شرقی صاحب طواف کرنے والوں کی دلی کیفیت کو شعر میں بیان کرتے تو عجیب سماں پیدا ہو جاتا۔ سامنے طواف کرنے والوں کا وارفتہ ہجوم ہوتا اور شرقی صاحب ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جب یہ شعر اپنی پُرسوز آواز میں پڑھتے ؎

دیوانے ہیں گھوم رہے ہیں
سنگِ اسود چوم رہے ہیں

تو دیکھنے والے بھی طواف کرنے والوں کے والہانہ انداز کا حصّہ بن جاتے۔

عبادات و مجاہدات، ایمان و یقین، وضعداری و مہمان نوازی، توکّل علی اللہ محبوبِ کائناتؐ سے والہانہ عقیدت و شیفتگی، شرافت و نجابت، خلوص و محبت، ایثار و شفقت مدینہ منوّرہ سے قلبی لگاؤ، ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قربِ خاص کی آرزو ـــــ ان تمام اوصاف کو اگر مجتمع کر لیا جائے تو شرقی صاحب کا پیکر بن جائے۔

مجھے ان کے قرب کی لذّتوں سے سرشار ہونے کے بہت سے مواقع میسّر آئے ہر بار ان کے قرب نے ان کی کسی خوبی کا اضافہ کیا۔ قرب سے، مسلسل ملاقات، روزانہ

Marfat.com

کے میل جول سے بہت انسانوں کے ظاہری خول اتر جاتے ہیں۔ ان کے کردار کے رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ ان کے اندر کا انسان نظر آنے لگتا ہے، تصورات و عقیدت کے محل زمین بوس ہو جاتے ہیں ـــــ مگر بعض برگزیدہ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے قرب سے عظمت کے مینار بلند سے بلند تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی بے نفسی، دنیا سے بے رغبتی، ان کا تقویٰ ان کی محبت ہزار رنگ میں آشکار ہوتی ہے۔ ایسے ہی اللہ کے نیک بندوں میں شرقی صاحب کا شمار ہوتا ہے۔

شرقی صاحب احباب کے اصرار پر چند دنوں کے لئے پاکستان آتے ہیں، ان کی آمد کی خبر پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی ہے، بے شمار افراد اشتیاقِ ملاقات میں بے چین رہتے ہیں۔ شرقی صاحب کی آمد کو اپنے لئے باعثِ شرف و تصور کرتے ہیں۔ یہ احترام، یہ عقیدت اسی بارگاہ کی نسبت کے فیض سے ہے۔ جس کا ذرّہ ذرّہ آنکھوں کا نور، جن کی فضاؤں میں تقدّس کی مہک، جہاں ایک لمحہ کا قیام بخت کی معراج ہے۔ اس شخص کی خوش قسمتی کا کیا کہنا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دامنِ سعادت سے وابستہ ہو گیا ہو ـــــ حافظ مظہر الدّین رحمۃ اللہ علیہ نے میرے ان جذبات کی ترجمانی اپنے ایک نعتیہ شعر میں یوں کی ہے ؎

جی چاہتا ہے بڑھ کے قدم ان کے چوم لوں
جو لوگ روضۂ شہِ والا سے آتے ہیں

شرقی صاحب چند روز پاکستان ضرور گزارتے ہیں۔ مگر ان کا دل مدینہ منوّرہ میں اٹکا رہتا ہے، لو اسی ذاتِ گرامی سے لگی ہوتی ہے۔ روز و شب اسی شہرِ کرم کی داستانیں دہراتے ہیں۔ اسی آستانۂ سعادت آثار کا ذکر کرتے ہیں۔ حرمِ نبوی کے فیوض و برکات بیان کرتے ہیں۔ دھیان کا رُخ، خیالات کا دھارا، گفتگو کا موضوع وہی خطۂ نزولِ برکات ہوتا ہے۔ اس سفر میں ان کا جسم تو پاکستان میں ہوتا ہے۔ مگر روح

Marfat.com

مدینہ منورہ میں مقیم رہتی ہے جس کا اظہار وہ اپنے شعر میں اس طرح کرتے ہیں۔

مدینے سے مجھے آکر مدینہ یاد آتا ہے
وہ مسجد یاد آتی ہے وہ روضہ یاد آتا ہے

غرضیکہ پاکستان میں قیام کے چند روز، ان کے شوق، ان کے جذب، ان کے عشق اور ان کی آتشِ محبت کو تیز تر کرنے کا موجب ہوتے ہیں، فراق کی گھڑیاں، ہجر کے لمحات دوری کے ایام، شرقی صاحب کے دل میں نغمات کو جنم دیتے ہیں اور نعتیہ اشعار ایک پکار، ایک صدا اور ایک آہ بن کر رونما ہوتے ہیں۔ وصل و فراق کے لمحات محبت کی منزلیں اور کیفیات کے اظہار کے ذریعے ہوتے ہیں، فراق بھی کرم ہے۔ وصل بھی سعادت —— یہ تو محبوبیت کے انداز ہیں جس طرح چاہتے ہیں غلاموں کو نوازتے ہیں غالب نے کہا تھا۔

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارند ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

فراق کے آنسو، وصل کی لذت، ہجر کا اضطراب، قرب کی خوشبو، دوری کی پکار، حضوری کی صدا، سب ان کے کرم کے مظاہر ہیں، لطف کے انداز ہیں، سعادتوں کے رنگ ہیں —— مگر انسان عجلت پسند پیدا کیا گیا ہے۔ جلد ہی مغموم ہو جاتا ہے، محرومی کا شکوہ کرنے لگتا ہے، دل برداشتہ ہو جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے ؎

تیری دوری سے مرے دل نے یہ محسوس کیا
درد شعلہ بھی ہے، خوشبو بھی ہے، آواز بھی ہے
حافظ لدھیانوی

شرقی صاحب نے مختلف کیفیات کے مزے لوٹے ہیں۔ ان کا ستارا اوج پر رہا ہے۔ ایسے خوش قسمت انسان کی معیت، صحبت، ملاقات باعثِ شرف ہے اور اس کی خدمت آخرت کا زادِ راہ —— اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کا رزق اور شہرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں موت نصیب فرماوے۔ آمین ؎

خدا کرے کہ مدینے کی زندگی ہو نصیب
خدا کرے کہ اسی شہر میں قضا آئے
حافظ لدھیانوی

صوفی حافظ محمد افضل فقیر

عہد ماضی کے نقوش جب اُفقِ ذہن پر تابندہ ہوتے ہیں تو زمانۂ حال کا حصّہ معلوم ہوتے ہیں برسوں کا فاصلہ سمٹ کر گزرتے ہوئے لمحے میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ انسان اس عہد میں سانس لینا، اس دور کا مشاہدہ کرتا اور ماضی سے ہمکلام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ذہن کے کواڑ جب کھُلتے ہیں تو طلسم خانۂ روز و شب نمودار ہوتا ہے. زندگی کے گزرے ہوئے تجربات و مشاہدات ایک تسلسل کے ساتھ نظر آنے لگتے ہیں — پُرانے نقوش، ماضی کی یادیں، عہدِ رفتہ کے واقعات اور بیتے ہوئے لمحات دل و دماغ پر عجیب کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔

انسانی زندگی خوشگوار واقعات، ناخوشگوار حادثات، مسرت و غم، کامیابیوں اور ناکامیوں کا مرقّع ہے۔ ہر انسان کم و بیش ایسے ہی واقعات و حادثات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ ماضی کے بعض نقوش امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مٹتے چلے جاتے ہیں اور ان کی مدھم سی یاد بھی ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ نہیں رہتی مگر چند نقوش زندہ و پائندہ رہتے ہیں۔ چند یادیں ذہن کے اوراق پر جگمگاتی رہتی ہیں۔ انسان ان کیف پرور اور روح افزا یادوں کے سہارے زندگی کی کٹھن منزلوں میں تازگی محسوس کرتا ہے۔ یہ یادیں تنہائی کے لمحوں کی ساتھی ہوتی ہیں۔ —— یہ یادیں شمعِ منزل بن جاتی ہیں، زندگی کے تاریک راستوں کو روشن کرتی رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ان خوبصورت لمحات کو یاد کر کے ماضی کو درخشاں رکھتا ہے، حال میں رنگ بھرتا ہے اور مستقبل کی دہلیز پر اس شمع کو رکھ کر سفر جاری رکھتا ہے، ماضی کی خوبصورت ساعتیں ستاروں کی طرح جگمگاتی رہتی ہیں، عبدالعزیز فطرت مرحوم کا شعر یاد آ گیا ؎

Marfat.com

نگاہ میں ہیں زندگی کی خاص خاص ساعتیں
کہیں کہیں کوئی چراغ جل رہا ہے دیکھئے

زندگی میں انقلاب آتے رہتے ہیں، نت نئے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، اگر زندگی یکسانیت کا شکار ہو جائے تو جینا مشکل ہو جائے۔ تلخ و شیریں داستانوں سے ہی زندگی عبارت ہے۔ بقول اصغر گونڈوی مرحوم ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

تعلیمی دَور کے نقوش، کش مکشِ حیات کی داستانیں، مشاعروں کے ہنگامے، ادبی مجالس، بزرگوں کی صحبتیں، فسانۂ زندگی کے مختلف عنوانات ہیں ــــــ مگر بزرگوں کی صحبت میں گزرے ہوئے لمحات زندگی کا حاصل ہیں۔ ایسی ہی پاکیزہ مجالس کی یادوں سے ماضی کے اوراق تابندہ ہیں۔

صوفی محمد افضل فقیر کی طویل رفاقت کئی روحانی، دینی، ادبی و علمی مجالس کی یادگار ہے۔ اس مضمون میں صوفی صاحب کے علمی کمالات، شعرگوئی و شعر فہمی، منفرد انشاء پردازی، مجلس آرائی، درویشانہ زندگی، خداداد علمی استطاعت، قوتِ حافظہ، مطالعۂ احادیث و قرآن اور منزل سلوک و طریقت کے کچھ نقوش بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرمِ خاص سے صوفی صاحب کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان غیر معمولی صلاحیتوں نے ان کی شخصیت کو پُرکشش اور مقبول بنا دیا ہے۔ ان کی ذات انہی اوصاف کی وجہ سے مرجعِ خلائق بنی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی استطاعت اور ظرف کے مطابق ان کے علمی و روحانی کمالات سے اکتسابِ فیض کرتا رہتا ہے۔

صوفی محمد افضل فقیر کے والد ماجد صوفی محمد شریف صاحب سلسلۂ درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ایک معلم، ایک استاد کی حیثیت سے ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ ان کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے سلسلۂ تعلیم سے منسلک ہو جائے۔ محدود وسائل کے باوجود انہوں

نے صوفی صاحب کو ایم اے تک تعلیم دلوائی ــــ صوفی صاحب نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی اور اورنٹیل کالج لاہور سے فارسی ادبیات میں ایم۔ اے طلائی تمغہ لے کر پاس کیا۔ یونیورسٹی میں فسٹ کلاس فسٹ رہے۔ کالج کے زمانے اور یونیورسٹی کے دَور میں انہوں نے محنت و ریاضت، ذہنی استعداد اور خداداد قابلیّت سے اساتذہ سے ایک کامیاب اور ذہین طالبِ علم کی سند حاصل کی۔ اورنٹیل کالج میں شعبۂ فارسی کے محترم استاد پروفیسر وزیر الحسن عابدی ان کی قابلیّت، ذہانت اور فطری صلاحیتوں کے معترف ہو گئے۔ اورنٹیل کالج میں داخل ہونے سے پیشتر صوفی صاحب کا فارسی ادبیات کا مطالعہ اور استعداد ایم۔ اے کے نصاب سے کہیں زیادہ تھی۔ پروفیسر وزیر الحسن عابدی جو شعبۂ فارسی کے معلّمِ اعلیٰ تھے اور فارسی زبان کے رموز و نکات سمجھنے اور سمجھانے میں یکتائے روزگار تصوّر ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنی خصوصی توجّہ، قرب اور شفقت سے صوفی صاحب کے فارسی ذوق کو اور نکھارا، ان کی علمی استعداد میں گراں قدر اضافہ کیا۔ یہ صوفی صاحب کی خوش بختی تھی کہ انہیں منزلِ ادب پر راہنمائی کرنے والا، فارسی ادب کا جیّد عالم، زیرک اور انتہائی قابل استاد میسّر آیا۔ اگر طالبِ علم میں فطری جوہرِ قابل موجود ہو، اس کے ذوق کو سنوارنے اور جلا دینے کے لیے موزوں ماحول مل جائے تو ایسا طالبِ علم اساتذہ کی راہنمائی میں جلد ہی منزلِ مقصود حاصل کر لیتا ہے اور ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیتا ہے۔ جو تاریخ کا جزوِ لاینفک بن جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو جوہرِ قابل ناسازگاریٔ حالات کی وجہ سے خاک میں مل کر رہ جاتے ہیں۔ اس ضمن میں بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جن کی تفصیل اور تذکرے کی اس مضمون میں گنجائش نہیں۔

یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران صوفی صاحب کو ہزاروں فارسی اشعار ازبر ہو گئے، اساتذہ کے کلام کے اسرار و رموز، معانی و مطالب، ان کی نکتہ آفرینیاں سمجھ میں آئیں۔ مضمون کی برجستگی اور فکری بلندی کی منزلوں سے آگاہی ہوئی۔ کثرتِ مطالعہ اور پروفیسر وزیر الحسن عابدی کی صحبت اور خصوصی توجّہ نے شعر گوئی پہ آمادہ کیا۔ طبیعت میں موزونیّت پیدا ہو گئی۔ شعر گوئی کے لئے

Marfat.com

جن محاسن، جن اوصاف اور جن خوبیوں کا ہونا ضروری تھا۔ ان کمالات سے صوفی صاحب کا دامن پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ صوفی صاحب نے ان منزلوں کو پہلے ہی طے کر لیا تھا، وجدانی کیفیت لطافتِ فکر، شعورِ شعر، فہم شعر اور شعر و ادب سے ذہنی ہم آہنگی کے سبب شعرگوئی ان کے لئے مشکل نہ تھی ـــــ صوفی صاحب نے اساتذہ کی مشکل زمینوں، دقیق بحروں میں طبع آزمائی کی اور اس دَور کے نامور شعرا سے داد وصول کی۔ پروفیسر وزیر الحسن عابدی ان کے اشعار گہری دلچسپی سے سنتے اور شعری محاسن کی داد دیتے، یہ خداداد قابلیت ہر ایک کا ورثہ نہیں ہوا کرتا، لطیف روحیں شعری نزاکتوں اور فنی لطافتوں سے آگاہ ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس عطا، اس کرمِ خاص کے لئے صوفی صاحب کو منتخب کر لیا تھا۔

یونیورسٹی کے دو سال کا زمانہ صوفی صاحب کے علم و فضل، تجربہ و مشاہدہ، مطالعہ و ریاضت اور شعری ذوق کی تکمیل کا زمانہ تھا۔ سادہ لباس میں یہ طالب علم ہر اُستاد کی توجہ کا مرکز، ہر اہلِ علم کی نگاہوں کا انتخاب اور فارسی ادبیات سے تعلّق رکھنے والی ہر ممتاز شخصیت کا محبوب بن چکا تھا۔

صوفی صاحب نے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے فطری مذہبی رجحانات کی تکمیل کے لئے ایف اے سے ایم اے تک کی تعلیم کے دوران میں قرآنِ پاک حفظ کیا۔ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ قرآنِ مجید حفظ کرنے کے لئے یکسوئی اور ہمہ وقت توجّہ درکار ہے۔ ایسی بہت ہی کم مثالیں ملیں گی کہ کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران کسی طالب علم نے کلامِ پاک حفظ کیا ہو۔ صوفی صاحب کے مذہبی شغف، دین سے قلبی تعلّق اور کلامِ پاک سے گہری وابستگی نے اس کارِ مشکل کو آسان بنا دیا۔ اس میں ان کے والد ماجد کی روحانی تربیّت، نیک نفسی، تقویٰ و پرہیزگاری کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ صوفی صاحب نے قرآنِ پاک کو سینے ہی میں نہیں اتارا بلکہ اس آخری کتاب اللہ سے بھرپور استفادہ بھی کیا اور اپنی زندگی کے ہر عمل میں اس سے راہنمائی حاصل کی ــــــ

Marfat.com

صوفی صاحب نے حضرت مولانا عبیداللہ نوّر اللہ مرقدہٗ سے تفسیرِ کلامِ پاک، احادیثِ نبویؐ اور ادبیات عربی و فارسی کی تکمیل کی۔ حضرت عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدّس سرّہ العزیز سے دینی تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے اس جوہرِ قابل کو جِلا بخشی، رموزِ قرآنی اور معارفِ حدیث سے آگاہی ہوئی۔ حضرت کی صحبت سونے پر سہاگہ ہو گئی، ہر مرحلے پر اپنے استادِ گرامی سے رہنمائی حاصل کی، عربی زبان پر قدرت حاصل کی۔ حضرت مولانا کو بھی اپنے ذہین شاگرد پر ناز تھا۔ وہ بھی ان کی فطری صلاحیتوں اور خداداد قابلیت کے قائل ہو گئے۔ عربی شاعری ہی دراصل فارسی اور اردو شاعری کا سرچشمہ ہے عربی زبان کی فصاحت نے دنیا میں دھوم مچا رکھی تھی۔ اہلِ عرب کو بھی اپنی زبان کی بلاغت پر ناز تھا۔ اسی لئے وہ غیر عرب کو عجمی کہہ کر پکارتے تھے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ اس دور میں عربی زبان سے کوئی فصیح زبان نہ تھی ——— اللہ تعالےٰ نے دیگر خوبیوں کے علاوہ قوّتِ حافظہ کی لازوال نعمت سے بھی نوازا تھا۔ صوفی صاحب جو حدیثِ مبارکہ حضرت مولاناؒ سے پڑھتے۔ ان کے حافظے میں محفوظ ہو جاتی۔ آج بھی ان کو بیشمار احادیث زبانی یاد ہیں اور وہ اپنی روحانی مجالس میں اس نعمتِ غیر مترقبہ، اس انعامِ الٰہی، اس فیضِ ربّانی کو اپنے مریدین اور احباب تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ خداوندِ کریم نے روحانی تعلیم اور دینی بصیرت کے لئے ان کے سینے کو کھول دیا تھا۔ قرآنی اسرار و رموز ان پر آئینہ ہو گئے، فطری پاکیزگی، تقویٰ، پرہیزگاری اور حفظِ قرآن پاک کی برکت سے صوفی صاحب بعض آیاتِ کریمہ کی تشریح و تفسیر اس منفرد انداز میں کرتے کہ استادِ محترم ان کی ذکاوتِ طبع، جدّتِ فکر اور فہم و بصیرت پر ناز کرتے تھے۔

بارہا ایسا ہُوا کہ راقم الحروف سے جب صوفی صاحب کی ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ فلاں آیتِ کریمہ کے عجیب و غریب معانی مجھ پر منکشف ہوتے۔ جب وہ اس آیتِ کریمہ کی تشریح کرتے تو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالےٰ نے صوفی صاحب کے قلب پر کیسا نزولِ رحمت

Marfat.com

فرمایا ہے، ان کو کیسا انشراحِ صدر نصیب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسرار و رموزِ قرآنی، معارف کلامِ پاک اور اس آخری کتاب کے نکتہ ہائے دقیق ان پر کس طرح واضح کر دیئے ہیں جو خوش بختی کی معراج ہے۔ یہ کرمِ خاص اس شخص پر ہوتا ہے، جو ہمہ وقت قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ پر غور و فکر کرتا رہتا ہو ــــ ہر عربی دان قرآنِ پاک کا لفظی ترجمہ کر سکتا ہے مگر تہہ میں جو گوہرِ آبدار، معانی و مطالب کا بے کراں سمندر موجزن ہے۔ اس کو سینے میں اتارنا، اس کو زندگی کے ہر عمل میں جاری و ساری کرنا، احکامِ الٰہی سے استفادہ کرنا، اس کو تقوے کا لباس بنانا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حفظِ کلامِ پاک کے ساتھ ساتھ ان کے قلب و نظر کو بھی اس کے نور سے منور کیا، یہ عطیۂ ربانی، یہ توفیقِ ایزدی، یہ وجدانی کیفیت، یہ فہم و ادراک یہ انعامِ بصیرت بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ صوفی صاحب کے استادِ گرامی حضرت مولانا عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ میں شعری ذوق بدرجۂ اتم موجود تھا۔ صوفی صاحب نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے استادِ محترم سے شعری ذوق کی تکمیل کی۔ سبع معلقات جیسی بلیغ اور دقیق تصنیف کو سبقاً سبقاً اپنے استادِ مکرم سے پڑھا۔ زمانۂ جاہلیت کی شاعری کو ادب کا نقطۂ عروج سمجھا جاتا ہے۔ یہ معلقات اس دور کے شعرائے باکمال کے کمالِ فن کے نادر نمونے ہیں۔ ان معلقات کے اشعار کو کماحقہٗ سمجھ لینا عربی دانی کی سند تصور ہوتا ہے۔ صوفی صاحب نے اپنے استادِ گرامی سے اس معاملے میں بھرپور استفادہ کیا، ادبیاتِ فارسی کے ساتھ ساتھ عربی ادب میں بھی دسترس حاصل کی۔ اس طرح صوفی کے ذہن میں عربی الفاظ کا نایاب ذخیرہ جمع ہو گیا جس نے عربی زبان میں شاعری کے لئے راہیں آسان کر دیں اور وہ بلاتکلف فصیح و بلیغ عربی زبان میں شعر کہنے لگے ــــ صوفی صاحب نے عربی زبان میں شاعری کے جوہر دکھائے اور اپنی تازہ تصنیف نعتیہ مجموعے میں عربی زبان میں قصیدہ لکھا اور عربی دان طبقے سے بے پناہ داد وصول کی۔ یہ بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نذرانۂ عقیدت و محبت صوفی صاحب کی عربی دانی

Marfat.com

کا کمال سمجھا جاتا ہے۔

صوفی صاحب نے فرمایا کہ مولانا غنیمت کنجاہی رحمۃ اللہ کی مثنوی انہوں نے حضرت مولاناؒ سے پڑھی، یہ مثنوی فارسی ادب کا شہ پارا ہے، نادر تشبیہات اور استعارات کا ایک ایسا مرقّع ہے۔ جس کی مثال فارسی ادب میں مشکل ہی سے ملے گی حضرت مولانا نے اس مثنوی کے شعری محاسن، فنّی کمالات، خوبصورت اور بلیغ انداز بیان کی وضاحت فرمائی، صوفی صاحب نے مثنوی کے بعض مشکل مقامات کی تشریح مجھے بتائی جو انہوں نے مولاناؒ سے سُنی تھی۔ اس کو سن کر حضرت مولاناؒ کے شعری ذوق اور لطیف فکر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ صوفی صاحب کو فارسی اور عربی زبانوں پر عبور مولاناؒ کی صحبت میں ہُوا۔ صوفی صاحب نے بارہا مولانا کا ذکر انتہائی ادب واحترام سے کیا ——

صوفی صاحب کی طبیعت میں درویشی، اہلِ اللہ کی مجالس میں شرکت کا ذوق، تقویٰ و پرہیز گاری اور دین سے رغبت اپنے درویش صفت، صوفی مشرب اور خدا ترس والدِ محترم سے ملی۔ انہوں نے فقر و درویشی کو اپنا لباس ہی نہیں بنایا بلکہ زندگی کے ہر مرحلے، فکر کے ہر انداز، عمل کے ہر راستے، سلوک کی ہر منزل میں ایک مثال قائم کی اور فقر کو رہنما بنایا۔ ان کا ہر فعل، ان کی گفتگو، ان کا لباس ان کا طرزِ زندگی درویشی کی تفسیر بن گیا۔ جُبّہ پہننے، صوف کے کپڑے پہننے درویشانہ وضع قطع بنانے سے درویش نہیں بن جاتا، اس کے لیے زندگی کے کٹھن راستوں، سلوک کی دشوار منزلوں، طریقت کے مشکل راستوں اور فقر کے مقامات سے گزرنا پڑتا ہے، طبیعت کی سرکشی، مزاج کی تندی کو عجز و انکسار میں بدلنا پڑتا ہے۔ سب سے مشکل کام اپنی "انا" کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ جب انسان شر اور تکبّر کے فسادات سے قلب و نظر کو پاک صاف کرتا ہے تو فقر و درویشی کے پہلے زینے پر قدم رکھتا ہے۔ یعنی زندگی میں نیستی کا ادراک اور ترکِ خواہشات منزلِ فقر کی شرطِ اوّل ہے اور یہ کام انتہا صبر آزما اور کڑی آزمائش ہے۔

Marfat.com

ایک روز صوفی صاحب سے عرض کیا کہ قرب اور آپ کی محبّت کی وجہ سے بے تکلفی ہو جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی گستاخی کا بھی مرتکب ہو جاتا ہوں، صوفی صاحب نے فرمایا کہ جب سے درویشی کا لباس پہنا ہے۔ طبیعت پر کسی کی تلخ کلامی، کسی کی تنقید، کسی کے اعتراضات کا اثر ہی نہیں ہوتا پھر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ کہہ چکے ہو یا آئندہ کہوگے سب کچھ معاف ہے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ درویشی نے ان کے مزاج، ان کے معمولات، ان کے عقائد و نظریّات ان کی زندگی میں جو خوبصورت انقلاب برپا کر دیا تھا اس میں محبّت کی مہک، شفقت کا رنگ، فکر کی لطافت اور ریاضت و عبادت کا حسن شامل تھا ———

صوفی صاحب تعلیم سے فارغ ہو کر والدِ محترم کی آرزو کی تکمیل کے لئے پروفیسر ہو گئے پروفیسری کے دوران شیخوپورہ، جھنگ، گوجرہ کے کالجوں میں فارسی کے استاد رہے مگر پروفیسری میں بھی درویشی کا رنگ غالب رہا۔ ملازمت تو والدِ محترم کے حکم کی تعمیل تھی۔ کیونکہ احترامِ والد بھی تصوّف کی منزلوں میں سے ایک منزل تھی ——— پروفیسری کے دوران انگریزی لباس بھی پہنا مگر اس لباس نے فقر کے آئینے کو دھندلا نہ ہونے دیا۔ یہ خول زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ صوفی صاحب کی نگاہ میں سلوک کی منزل اور طریقت کا جادہ تھا وہ شریعت کے نور سے ان منزلوں کو نمایاں کرنے اور راستوں کو سجانے کی آرزو رکھتے تھے۔

اس خول کے اندر سے تو ایک فقیر جھانک رہا تھا ——— آخر ایک روز زندگی کے اس باب کو تمام کر کے اپنی اصل منزل پر گامزن ہو گئے ——— دوسری زندگی کا آغاز ہؤا، جس کے لئے ان کی روح بیتاب رہتی تھی، جو ان کے افکار و خیالات کی دنیا تھی۔ جو ان کی طبیعت، ان کے مزاج، ان کے طبعی میلانات اور ان کے ذہنی رجحانات سے ہم آہنگ تھی، علم نے پروفیسری کا لباس اتار کر فقر و درویشی کا جامہ پہن لیا۔

کالج کے ماحول کو خیرباد کہہ کر صوفی صاحب نے مجاہدے کئے۔ روز و شب عبادت

Marfat.com

میں بسر کرنے لگے، اس کیف، اس لذت سے آشنا ہوئے جس کی آرزو نے ان کو برسوں بیتاب کر رکھا تھا۔ علائقِ دنیا سے کنارہ کش ہو کر خواہشاتِ نفسانی کو ترک کر کے، دنیوی لذات چھوڑ کر ہی منزلِ تصوف میں قدم رکھا جا سکتا ہے۔ صوفی صاحب شہر کے ہنگاموں سے دور، دنیا کے جھمیلوں سے الگ کالا کھٹائی کے مقام پر ایک کٹیا میں رہنے لگے۔ خلوت کا یہ مقام ریاضت و عبادت کے لئے موزوں ترین جگہ تھی۔

میرے ایک محترم دوست پروفیسر معراج الدین صاحب صوفی صاحب کے دوست تھے۔ دونوں ایک ہی کالج میں پروفیسر رہے۔ ایک روز انہوں نے صوفی صاحب کے زہد و تقویٰ، علم و فضل، فقر و درویشی کے بارے میں پر کشش انداز میں ذکر کیا۔ انہوں نے صوفی صاحب کی زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے صوفی صاحب کے حسنِ کردار، استغنا، دینداری اور ریاضت و مجاہدے کی باتیں سنائیں، جوانی کے عالم میں ان کے زہد و تقویٰ کا اس حسین پیرائے اور مؤثر انداز میں ذکر کیا کہ دل ان کی ملاقات کے لئے، ان سے اکتسابِ فیض کرنے، ان کی صحبت سے استفادہ کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ صوفی صاحب نے کالا کھٹائی میں ڈیرہ جما لیا تھا۔ پروفیسر معراج الدین صاحب اور راقم الحروف صوفی صاحب سے ملاقات کے لئے کالا کھٹائی روانہ ہو گئے۔ سٹیشن سے چند منٹ کے فاصلے پر ایک کٹیا نظر آئی۔ دور سے لالٹین کی مدھم سی روشنی دکھائی دی۔ یہی ٹمٹماتی ہوئی روشنی ہماری منزل کا نشان تھی۔ شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے ذوق و شوقِ ملاقات نے ہر قدم پر چراغ روشن کر دیے۔ منزل کے قریب پہنچ کر شوق کا عالم دیدنی ہوتا ہے۔ خیالات و دل و دماغ کو گھیر لیتے ہیں۔ روح نغمۂ بیتاب بن جاتی ہے۔ دل کی دھڑکن شادمانی کا پیغام سناتی ہے۔ مجھے یہ ماحول خواب سا لگا ——— ایسا خواب جس میں ذہنی سکون اور طمانیتِ قلب کے تمام لوازمات موجود ہوں ——— بعض خواب زندگی کی تمام آسودگیاں، راحت کے تمام سامان سکونِ قلب کی تمام کیفیات لئے ہوتے ہیں ———

Marfat.com

بعض خواب جب حسین تعبیر سے ہمکنار ہوتے ہیں تو زندگی کا حسن بن جاتے ہیں۔

صوفی صاحب کٹیا سے باہر چارپائی پر بیٹھے تھے —— آنکھوں میں ذہانت کی چمک، گفتگو میں علم کی خوشبو، وضع قطع اور لباس سے تصوّف اور درویشی کا حسن آشکارا تھا۔ پروفیسر معراج الدّین صاحب نے میرا تعارف کرایا، میرا تخلّص سنتے ہی صوفی صاحب کے ذہن میں ماضی کی زندگی کے نقوش تابندہ ہو گئے۔ ان کے ذہن میں سویا ہوا نغمہ جاگ اٹھا شعری ذوق جوان کے سرمایۂ علم کا حسین و جمیل حصّہ تھا۔ وجدان کے افق پر طلوع ہوا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔ مدّت ہوئی شاعری سے کنارہ کش ہو چکا تھا آج حافظ لدھیانوی صاحب کی آمد نے ذہن کے بند کواڑ کھول دیے۔ شاعری کی لطافت، تصوّف کی پاکیزگی سے ہم آہنگ ہو گئی۔ مجھ سے شعر سنانے کی فرمائش کی۔ چند غزلیں سنیں۔ میرے کلام کو سراہا۔ غزل موضوعِ گفتگو رہی۔ صوفی صاحب تصوّف کی وادی سے نکل کر کچھ لمحات کے لئے شعر و ادب کے گلشن میں پہنچ گئے۔ جیسا کہ اوپر تحریر کر چکا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے صوفی صاحب کو قوّتِ حافظہ کی نعمت سے نوازا ہے، صوفی صاحب نے فارسی کے قدیم شعرا کا خوبصورت انتخاب سنایا۔ بیدل رحمۃ اللہ علیہ صوفی صاحب کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ تصوّف اور شاعری کا حسین امتزاج تمام فنّی محاسن کے ساتھ بیدل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں جلوہ گر ہے۔ زبان کی شیرینی، حسنِ انتخاب اور صوفی صاحب کا شعر پڑھنے کے انداز نے کٹیا میں بیٹھے بیٹھے میخانہ شیراز کے کیف آور جام مہیّا کر دیے۔ خدا جانے ان چند گھڑیوں میں کن کن شاداب وادیوں کی سیر ہوئی، کیسے کیسے خوشنما منظر نظر سے گزر گئے ان دیکھے طلسمات مشاہدہ کئے۔ جہانِ رنگ و بو کے حسن نے دل و دماغ کو معطّر کر دیا۔ —— یہ چند لمحات زندگی کی خوشگوار یاد بن گئے ہم نماز عشا ادا کر کے سو گئے۔ صوفی صاحب باقی ماندہ معمولات کی تکمیل کے لئے ریاضت و عبادت سے فقر کی منزل کو سجانے میں مصروف ہو گئے۔

صبح کو صوفی صاحب کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر صوفی صاحب سے

Marfat.com

اجازت طلب کی ایک شب کے قیام نے حلقۂ مغائرت کو دائرہ محبت میں بدل دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ صوفی صاحب سے ازل کا رشتہ ہے۔ یہ ملاقات زندگی بھر کی محبت اور رفاقت کا عنوان بن گئی۔ ایک ہستی میں شاعری، تصوّف، شریعت، سلوک اور طریقت کا یکجا ہو جانا اللہ تعالےٰ کے کرم بے پناہ کی دلیل ہے۔

جب انسان اللہ تعالےٰ کے راستے پر چل پڑتا ہے تو سامانِ منزل خود بخود مہیّا ہونے لگتے ہیں، کرم کے دروازے کھُل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق رہنمائی کرتی ہے منزلوں کے نشانات تابندہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جذبۂ عشق و جستجو چراغ بن کر راستے جگمگاتا ہے۔ تصوّف و سلوک کی ایک منزل کے حصول کے بعد دوسری منزل قریب دکھائی دیتی ہے۔ صوفی صاحب پر خداوند کریم نے انعام واکرام کی بارش کی۔ روز و شب کے مجاہدات، ریاضت و عبادات کے طفیل سفرِ مقدّس کی سعادت سے مشرّف ہوئے۔ ایک درویشِ خدا مست جس نے دنیوی اسباب سے منہ موڑ کر مسبّب کی طرف زندگی کا رخ موڑ لیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو لازوال نعمتوں سے نوازا، صوفی صاحب سفرِ مقدّس پہ روانہ ہو گئے۔ بلادِ اسلامیہ میں قیام کرنے۔ بزرگانِ دین اور پاکانِ بارگاہِ الٰہی کے مزارات پر حاضری دینے اور اکتسابِ روحانی کرنے کے مواقع میسّر آئے۔ اس سفر نے روح کو بالیدگی، قلب کو تابانی، علم کو وسعت فقر کو معراج اور ذہن کو شادابی نصیب فرمائی۔ اہل اللہ کی قبورِ مبارکہ پر مراقبے کیئے بزرگانِ دین کے مراکزِ روحانی سے فیضیاب ہوئے۔ خدائے واحد و قدّوس کے مقبول برگزیدہ بندوں کی بارگاہوں میں حاضری نے خلوتِ جاں میں چراغاں کر دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبورِ مبارکہ پہ حاضری نے عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لو تیز کر دی، مدینہ منوّرہ کا راستہ صحابہ کرام رضؓ کے مقدّس واقعات، ان کی بے شمار قربانیوں ان کی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت مطہرہ کی یادوں سے منوّر ہو گیا۔ احادیث مبارکہ نے سینے کو منوّر کر دیا، صحابہ کبار رضؓ کے قرب نے عہدِ مقدّس کا ایک ایک لمحہ تابندہ کر دیا۔

Marfat.com

پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہٗ کے آستانہ عالیہ اور دربارِ فیض آثار کی حاضری سے طریقت کے راستے اور سلوک کی منزلیں آسان ہوگئیں۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہٗ کے مزار پر حاضری نے تقویٰ و پرہیزگاری کی منزل آسان کر دی، فہمِ دین کی مزید دولت نصیب ہوئی۔ غرضیکہ ہر مقدس مقام سے فیوض و برکات سمیٹتے، ہر بزرگ سے روحانی فیض حاصل کرتے ہوئے مصدرِ فیوض و برکات، سرچشمۂ انوارِ الٰہی، مرکزِ تجلّیات، بیت اللہ شریف حاضر ہوگئے۔ جو ہر ولیِ کامل، ہر قطب، ہر ابدال، ہر اوتاد کا منتہائے مقصود ہے جہاں عظمتوں کی خیرات ملتی ہے۔ جس کی حاضری تصوّف و روحانیت کا نقطۂ عروج ہے۔ جس جگہ پر رسائی بخت کی معراج ہے۔ جس کی زیارت عبادتوں کا حاصل، جس میں قیام سعادتوں اور برکتوں کے حصول کا ذریعہ، جس میں شعائر کی تکمیل پیغمبروں کی سُنّتِ مطہرہ ہے۔ یہ وہ مقامِ خیر و برکت ہے جہاں ہر زائر کو اس کے ظرف اور طلب کے مطابق نوازا جاتا ہے۔ گناہ کی تاریکیوں کو نور کے اجالوں سے بدل دیا جاتا ہے۔

یہاں ہر ایک کی جھولی میں کرم کے خزانے ڈال دیے جاتے ہیں —— صوفی صاحب نے بیت اللہ شریف میں قیام کے دوران خدا جانے سلوک و طریقت کی کتنی منزلیں طے کی ہوں گی۔ حرمِ پاک میں ہر عمل کا اجر ایک لاکھ کے برابر ملتا ہے۔ حرمِ پاک کی حاضری کا ہر لمحہ آخرت کا زادِ راہ، روح کی تازگی، قلب کی صفائی کا موجب ہوتا ہے۔ پاکانِ بارگاہ تو روحانیت کے خزانے سمیٹ کر لاتے ہیں۔ جن کو وطن لوٹ کر اپنے مریدوں عقیدتمندوں میں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

کعبۃ اللہ کی حاضری سے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ منور کر کے صوفی صاحب مقصودِ کائنات محبوبِ ربّ العالمین، سرورِ کائنات، وجۂ تکوینِ دو عالم، مصدرِ علم و حکمت حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور حاضر ہوئے، یہ روحانی معراج، شرف کی آخری حد، کرمِ لامحدود کا آستاں اور ارتقائے روحانی کی آخری منزل ہے۔ یہاں ہر زائر پر جو کیفیت گزرتی ہے

Marfat.com

بیان نہیں ہو سکتی ہے۔ قلب و نظر کے ہزاروں معاملات، ذوق و شوق کی بے شمار واردات، عطا و کرم کے ان گنت واقعات زائر کا مقسوم بنتے ہیں۔ صوفی صاحب تو قلبِ مصفّا لے کر حاضر ہوتے تھے۔ ان پر جو انوار کا نزول ہوا ہوگا، میرے جیسا بے بضاعت اور خاطی و عاصی اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ اس حاضری کی قبولیّت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صوفی صاحب متعدّد بار حرمین شریفین کی حاضری سے مشرّف ہو چکے ہیں۔ ان کا وجود عطائے خاص کا مظہر بن گیا۔

صوفی صاحب کی صحبت میں انسان مختلف علوم و فنون کے بارے میں بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ وہ جب تصوّف کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو صوفیائے کرام کے مجاہدات، کشف و کرامات، روحانی کمالات اور رشد و ہدایت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فاضلانہ اور عالمانہ انداز میں کرتے چلے جاتے ہیں۔ منازلِ فقر و سلوک کی بات کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صوفی صاحب کو ان منزلوں کا ادراک ہی نہیں بلکہ وہ ان منزلوں کے راہی بھی ہیں، شاعری کی بات ہو تو وہ بلیغ انداز میں مختلف فارسی شعراء کے کلام کی تشریح فرماتے ہیں اور ان کے منتخب اشعار سناتے ہیں۔ شعرا کی فنّی نزاکتوں اور شعری لطافتوں کو حسین پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ حدیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا موضوعِ مقدّس ہو تو سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیبہّ کو احادیث کی روشنی میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ذہن میں پاکیزگی کے نقوش جگمگانے لگتے ہیں، جب وہ حدیث بیان کرتے ہیں تو زندگی کے ہر شعبے، حیاتِ انسانی کے ہر موڑ پر، فرموداتِ نبیّ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قندیلیں فروزاں کرتے چلے جاتے ہیں، احباب معتقدین، مریدین، اس دینی و علمی ذخیرے سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

صوفی صاحب کی صحبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سے احباب کو عملِ صالح کی توفیق نصیب ہوئی۔ ان کی زندگیوں میں خوشگوار انقلاب آیا۔ ان کے کردار

Marfat.com

میں دین کی جھلک نظر آنے لگی، ان کے افکار میں دین کی تابندگی پیدا ہوئی ـــــــ

علوم قدیم و جدید کا حسین امتزاج ان کے ارشادات کا طرۂ امتیاز ہے۔ دینی علوم کے علاوہ صوفی صاحب کو علمِ عروض، علمِ تاریخ، علمِ ریاضی پر مہارتِ تامہ حاصل ہے غرضیکہ صوفی صاحب کی شخصیت اجتماعِ ضدین کا حسین مرقع ہے۔ کوئی عنوان ہو، کوئی موضوع ہو صوفی صاحب کی علمی شخصیت اس کی تہیں کھولتی اور دنیائے معانی آباد کرتی چلی جاتی ہے ؎

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

ان کی عالمانہ گفتگو، ان کا فقیہانہ انداز، ان کا بلیغ حسنِ بیان، ان کی ذہانت و فراست، ان کی جدت طرازی اور نکتہ آفرینی کا ایک زمانہ قائل ہے۔ ان کی درویشانہ زندگی، ان کی محبت ان کے علمی کمالات اور حسنِ کردار و عمل نے ہر ملنے والے کو متاثر کیا۔ انھوں نے کبھی اس انداز سے تلقین نہیں کی کہ سننے والے کو جبر کا احساس ہو، ان کی گفتگو ہی دلوں میں انقلاب کا باعث ہوئی۔

صوفی صاحب نے حضرت داتا گنج نور اللہ مرقدہٗ کے مزارِ اقدس پر ایک مدت حاضری دی۔ اس مرکزِ روحانی سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ ہر جمعہ کو وہ نماز کے بعد حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف رخ کئے بیٹھے رہتے، ان کے ارد گرد احباب کا مداحوں کا اور معتقدین کا حلقہ ہوتا۔ صوفی صاحب سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے۔ اس کے بعد مراقبے میں اپنے اللہ سے لو لگائے رہتے، یہ چند ساعتیں دنیا وما فیہا سے بے خبری، اتنے بڑے ہجوم میں تنہائی اور یکسوئی کے لمحات ہوتے۔ یہ چند گھڑیاں کسی بڑے دربار کی حاضری میں بسر ہوتیں۔ ایسے معلوم ہوتا کہ یہ درویش، یہ فقیرِ حق آگاہ اس مادی دنیا سے اپنے تمام علائق منقطع کر کے ارد گرد کے ماحول کو یکسر فراموش کر کے رجوع الی اللہ کی ارفع و اعلیٰ منزل پر پہنچا ہوا ہے ـــــــ فکر کا ایک لمحہ اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کی ایک ساعت، دل کو حضوری سے سرشار کرنے کا ایک ثانیہ روز و شب کی عبادت سے افضل ہوتا ہے، یہ ایک ولی اللہ کے مشاہدات کے لمحات ہوتے ہیں۔ مراقبے کے یہ لمحات خدا جانے کتنے گہر ہائے معرفت، منزلِ سلوک کے کتنے مدارج اور قرب کی

Marfat.com

کتنی کیفیتیں لئے ہوتے ہیں، مراقبے کا سرور یہ مقام، یہ کیفیت برسوں کی بے لوث ریاضت اور مجاہدے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ یہ منزل تمام آلائشوں، نفس کی تمام خواہشات اور دل سے مادی دنیا کے تمام تعلقات کو نکال دینے کے بعد میسر آتی ہے۔

صوفی صاحب کے رشد و ہدایت کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ پاکستان کے بہت کم شہر ایسے ہوں گے جہاں صوفی صاحب کے معتقدین، مریدین اور احباب موجود نہ ہوں۔ ان کے حلقۂ احباب اور معتقدین میں ہر طبقے اور ہر طرزِ فکر کے لوگ شامل ہیں۔ اعلیٰ آفیسر، اساتذہ، علمائے کرام، ادیب شاعر، تاجر پیشہ ان کے ارادتمند ہیں۔ صوفی صاحب کی محبت، خلوص اور سلوک سب سے یکساں ہوتا ہے۔ سب اپنے اپنے ظرف، علم اور لگن کے مطابق اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ ہر ذوق کی تکمیل کے لئے صوفی صاحب کے پاس علمی خزانہ موجود ہے۔

برسوں سیر و سیاحت میں بسر کئے۔ جگہ جگہ علم و معرفت کی روشنی پھیلائی، مختلف مجالس میں تبلیغ کا حق ادا کیا۔ احباب کا تقاضا ہوتا کہ وہ چند دن ان پاس بسر کریں۔ ان کو پاکستان کے مختلف علاقے سے خطوط آتے، دعوت دی جاتی، احباب کے خلوص اور پیہم تقاضوں کے پیش نظر دعوت قبول کرتے۔ جہاں جاتے ذکر و فکر کی محفلیں منعقد ہو جاتیں۔ شہر کے لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ارشادات سنتے اور اپنے سینوں کو قرآن و حدیث کے نور سے منور کرتے، برسہا برس یہ سلسلہ جاری رہا۔

احباب کے مستقل تقاضوں کے پیشِ نظر انہوں نے اپنا مستقل ٹھکانا بنا لیا۔ یہ روحانی مرکز مرجعِ خلائق ہے، زائرین کی رہائش اور طعام کا خاطر خواہ انتظام ہے۔ پاکستان کے مختلف حصوں سے صوفی صاحب کے مداح اور مرید حاضری دیتے ہیں۔ چند روز قیام کر کے تشنہ روحوں کو سیراب کرتے ہیں۔ صوفی صاحب کا اب قیام یہیں رہتا ہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد درس دیتے ہیں۔ اس خانقاہ کے ساتھ خوبصورت مسجد

Marfat.com

تعمیر کی گئی ہے۔ جہاں زائرین عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور صوفی صاحب کے حلقۂ درس سے مستفیض ہوتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ صوفی صاحب عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی شاعری میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔ شاعری کا آغاز فارسی غزل سے ہوا۔ طالب علمی کے زمانے میں انھوں نے فارسی کے اساتذہ سے داد وصول کی ـــــ فقر و درویشی کے درمیان ایک مدت شاعری سے کنارہ کش رہے۔ یہ زمانہ مجاہدے اور ریاضت کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد ذہن پھر اس صنفِ لطیف کی طرف مائل ہوا۔ شاعری کا رخ نعت کی طرف ہو گیا۔ شاعری عبادت بن گئی، ان کا علم، ان کا دینی رجحان، ان کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کا عرب شعرا کے کلام کا مطالعہ، ان کا فارسی ذوق ـــــ نعت گوئی کے لئے جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ سب ان میں پہلے ہی سے موجود تھیں ـــــ نعت گوئی ایک ایسی نازک صنف ہے۔ جہاں اساتذۂ فن نے کمالِ سخن کے باوصف خود کو عاجز پایا۔ قادر الکلامی کے باوجود، اپنے فنی اوصاف کے ہوتے ہوئے اعتراف کیا کہ وہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہدیۂ عقیدت پیش نہ کر سکے۔ میری نعت کا شعر ہے ؎

کچھ نہیں دامنِ حافظ میں بجز بے ہنری
شعر موزوں نہ ہوا کوئی بھی شایانِ رسولؐ

صوفی صاحب نے نعت گوئی کے بارے میں اپنے عجز کا اظہار اس انداز میں کیا ہے ؎

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنرمندی
توصیفِ پیمبرؐ ہے توفیقِ خداوندی

صوفی صاحب نے اردو نعت میں عربی زبان کی فصاحت، فارسی زبان کی شیرینی کو منتقل کر کے نعت گوئی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ ان کے کلام میں قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ نیازمندی کی لہر رواں دواں نظر آتی ہے۔ وہ ادب کے تمام تقاضوں، احترام

Marfat.com

کے تمام پہلوؤں کو مدِّنظر رکھ کر کمال حزم واحتیاط سے نعت کہتے ہیں۔ چونکہ وہ الفاظ کے مزاج شناس ہیں، ان کے برمحل اور صحیح استعمال سے کماحقہٗ آگاہ ہیں۔ اس لیے ان کا کلام ادب و احترام، شعور و فہم کی حدود سے باہر نہیں جاتا ——— وہ ایک ایک شعر پہ پہروں غور کرتے ہیں۔ تاکہ خیال کی کوئی لغزش، فکر کا کوئی سقم اور فن کا کوئی پہلو کمزور نہ رہ جائے۔ وہ ہدیۂ نعت کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے میں انتہائی محتاط ہیں۔ وہ ایک عالمِ باعمل ہونے کی حیثیّت سے خوب جانتے ہیں کہ ان کا ہدیہ اس بارگاہِ اقدس میں پیش ہونا ہے۔ جہاں عجز و ادب ہی معیارِ فضیلت ٹھہرتا ہے۔

صوفی صاحب نے ایک زمانہ مشاعروں کے ہنگاموں، ادبی محفلوں، تنقیدی اجلاس میں شرکت نہیں کی۔ جب انہوں نے نعت کہنا شروع کی تو ان کا لاہور کے ممتاز شعراء سے تعارف ہوا۔ جلد ہی صوفی صاحب کی شخصیّت لاہور کے علمی و ادبی حلقوں میں ممتاز ہو گئی۔ وہ ماہانہ نعتیہ مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ اساتذۂ فن نے ان کے کلام، ان کے فن کو سراہا۔ اخبارات و رسائل میں کلام شائع ہونے لگا۔ وہ ایک اعلیٰ نعت گو کی حیثیّت سے ادبی و مذہبی حلقوں میں پہچانے جانے لگے ——— نعت گوئی ان کے اوراد و ظائف کا ایک حصّہ بن گئی۔ حقیقت یہی ہے کہ اس سے حسین عبادت اور کونسی ہو سکتی ہے۔ جس میں جس میں محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے محبّت و عقیدت کا اظہار ہو اور ان کے دامنِ کرم سے وابستگی نصیب ہو۔ صوفی صاحب نے اپنا مجموعہ "جانِ جہاں" شائع کیا۔ اس میں عربی، فارسی اور اُردو کی نعتیں شامل ہیں۔ اس مجموعے نے علمی حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کیا اور اسے نعت گوئی میں ایک حسین و جمیل اضافہ قرار دیا گیا۔

صوفی صاحب کے ادبی و علمی کارناموں کی فہرست طویل ہے۔ اگر ان کا تفصیل سے ذکر کیا جائے تو دفتر درکار ہے۔ صوفی صاحب نے مختلف دینی و ادبی تصانیف پہ

Marfat.com

محققانہ انداز میں دیباچے تحریر کیے، عربی اور فارسی کتب کے ترجمے کیے، کتبِ تصوف پر اپنے فاضلانہ خیالات کا اظہار کیا نثر اور نظم کی مختلف الموضوع تصانیف پر علمی انداز میں اپنی رائے قلمبند کی۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر مختصراً درج ذیل ہے۔

صد میدان، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف ہے صوفی صاحب نے "صد میدان" کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ——— یہ ترجمہ اپنی سلاست اور روانی کے اعتبار سے کسی دوسری زبان سے ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہی ترجمے کے فن کا کمال ہے۔ یہ کتاب مصنف کے ارشاداتِ عالیہ پر مشتمل ہے۔ اس کا دیباچہ صوفی صاحب کے علمِ تصوف پر گہری بصیرت کا ثبوت ہے۔

مکتوباتِ معصومیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ صالح اور عالمِ دین حضرت معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات پر مشتمل ہے۔ ہر مکتوب علم و حکمت کا مرقع دینی و روحانی تربیت کا نشان، سلوک و طریقت کی منزل کا راہنما ہے۔ مکتوباتِ معصومیہ حضرت معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی دینی بصیرت، احادیث پر گہری نظر اور معارفِ قرآنی کا آئینہ دار ہے۔ اس روحانی اور دینی تصنیف کی تلخیص اور دیباچہ بھی صوفی صاحب کے علم اور تحقیقی اسلوب کا آئینہ دار ہے۔

راقم الحروف کے سفرنامۂ حجاز "جمالِ حرمین" پر صوفی صاحب نے مبسوط دیباچہ تحریر فرمایا جو حجازِ مقدس کے سفرناموں کی مکمل تاریخ ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں شائع ہونے والے سفرناموں پر دلکش انداز اور عالمانہ اسلوب میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہ دیباچہ صوفی صاحب کے کثرتِ مطالعہ، ان کے علمی تبحر کی نشاندہی کرتا ہے۔ جمالِ حرمین کی اشاعت پر جہاں اہلِ قلم حضرات نے راقم الحروف کی طرزِ نگارش کو سراہا وہاں دیباچے کے بارے میں تعریفی کلمات تحریر کیے، اور اسے حجازِ مقدس کے سفرناموں کے بارے میں ایک نایاب دستاویز قرار دیا۔

Marfat.com

صوفی صاحب نے میرے پہلے نعتیہ مجموعے "ثنائے خواجہؐ" پر عربی اور فارسی اشعار میں قطعۂ تاریخ تحریر کیا۔ حفیظ جالندھری مرحوم نے ان اشعار کو "ثنائے خواجہؐ" کا طغرا قرار دیا اور غائبانہ صوفی صاحب کے علم و فضل کے معترف ہو گئے۔ اسی کتاب میں صوفی صاحب کا میری نعت گوئی کے بارے میں فاضلانہ مقالہ بھی شامل ہے۔

مرزا بیدل رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان پر صوفی صاحب نے پرمغز مقالہ تحریر کیا جو ان کے فارسی ادب سے گہری وابستگی، بیدل رحمۃ اللہ علیہ سے فطری لگاؤ کا آئینہ دار ہے صوفی صاحب نے مرزا بیدل رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیانہ شاعری، ان کے فکر کی بلندی، مضمون آفرینی اور دوسرے شعری محاسن پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

"احوال و واقعات" سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سید احمد سعید ہمدانی کی اس تصنیف پر ایک نئے انداز سے پیش لفظ تحریر کیا ہے۔ مقاماتِ تصوّف پر عالمانہ انداز اور شرح و بسط سے گفتگو کی ہے۔

"آغوشِ حیرت" صاحبزادہ غلام نصیر الدّین نصیؔر کا رباعیات کا مجموعہ ہے، رباعی شاعری کی مشکل ترین صنف ہے صاحبزادہ صاحب نے مختلف کیفیّاتِ باطنی کو رباعی کا حسن بنایا ہے۔ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ صوفی صاحب نے اس کتاب پر بسوط دیباچہ تحریر فرمایا ہے۔ فارسی ادب میں رباعی کے موضوع پر محققانہ مقالہ صوفی صاحب کے وسعتِ مطالعہ اور ادبیاتِ فارسی پر گہری نظر کا شاہد ہے۔ یہ مقالہ فارسی کے طالبعلم کے لیے علمی دستاویز ہے۔

صوفی صاحب کے علمی کارموں پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ یہ مختصر سا مضمون اس کا متحمّل نہیں ہو سکتا۔ میں نے صوفی صاحب کے کردار، علم و فضل کی چند جھلکیاں قارئین کے سامنے پیش کی ہیں، ان کے قرب، ان کی صحبت میں اس علمی پیکر کے دینی و علمی کمالات کا مشاہدہ کیا ہے۔

Marfat.com

ایک روز راقم الحروف اور صوفی صاحب احسان دانشؔ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے ان کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ مختلف موضوعات پر علمی باتیں ہوتی رہیں علمِ عروض پر کافی دیر گفتگو ہوئی۔ صوفی صاحب سے فارسی اشعار سنے، احسان دانشؔ رحمۃ اللہ علیہ صوفی صاحب کی علمی بصیرت، مطالعے اور قابلیت سے بہت متاثر ہوئے سردی کا موسم تھا۔ چلتے ہوئے صوفی نے گودڑی کندھے پر ڈالی تو احسان دانشؔ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ گودڑی ایسے ہی ذی علم کے کاندھے پر زیب دیتی ہے۔

Marfat.com

پروفیسر افتخار احمد چشتی

پروفیسر افتخار احمد چشتی برسوں میرے ہمسائے رہے، اس لئے مجھے ان کے روزانہ کے معمولات کو دیکھنے، ان کے افکار و نظریات کو پرکھنے، اعمال و کردار کو جانچنے اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کا جائزہ لینے کے بے شمار مواقع میسّر آئے۔ ان کا ہمسایوں سے سلوک، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، ان کا لین دین، ان کا حسنِ معاملگی، ان کے علم دوست احباب، ان کی طرزِ گفتگو، ان کی روشن زندگی کو قریب سے دیکھا۔ چشتی صاحب کے بزرگانِ دین، جیّد علماء اور نامور ادبی شخصیّتوں سے نیازمندانہ مراسم تھے۔ چشتی صاحب کے طفیل مجھے بھی ان نادرۂ روزگار ہستیوں سے ملنے، ان کے علم و فضل سے استفادہ کرنے کے مواقع میسّر آتے رہے۔

بعض لوگوں کی زندگیوں پر مختلف نقاب پڑے رہتے ہیں، ان کی زندگی کی کئی تہیں ہوتی ہیں۔ ان تہوں کے اندر جھانکے بغیر ان کی اصلی زندگی کی حقیقت نہیں کھُل سکتی۔ یہ بہت مشکل کام ہے، ان کی دوہری زندگی لوگوں کے لئے معمّہ بنی رہتی ہے۔ ان کے بارے میں انسان جو رائے قائم کرتا ہے، جو ہیولیٰ بناتا ہے، جو پیکر تراشتا ہے وہ اس پر پورے نہیں اترتے، وہ نظر کچھ آتے ہیں ان کی عملی زندگی کچھ اور ہوتی ہے غالبؔ نے کہا تھا ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھُلا

Marfat.com

ان کی خلوت و جلوت کے انداز یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی سربستہ راز ہوتی ہے۔ جسموں پر خول چڑھائے ہوتے ہیں۔ اس مصنوعی خول کے ٹوٹتے ہی ان کا اصلی روپ نظر آنے لگتا ہے، ایسے لوگوں کا بھرم زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا، ان کی دورنگی زندگی ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ مگر بعض لوگوں کی زندگی اس شفّاف آئینے کی طرح ہوتی ہے جس پر کوئی داغ نہ ہو۔ ان کے صحیح خدوخال سامنے رہتے ہیں، ان کی زندگی کھلی کتاب کی طرح ہوتی ہے۔ جہاں سے چاہو کھول کر پڑھ لو وہی کچھ نظر آئے گا جو اس میں لکھّا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر ورق ان کے اعمال و کردار کا شاہد ہوتا ہے، کوئی پہلو ڈھکا چھپا نہیں رہتا، یہ مومن کی صفت ہے، مومن کے کردار، اعمال اور اقوال میں ہم آہنگی ہوتی ہے، اس کی سیرت ان کی ظاہری وضع قطع سے الگ نہیں کی جاسکتی۔

ایسے ہی مومن صفت بندوں میں پروفیسر افتخار احمد چشتی کا شمار ہوتا ہے۔ ہمسائیگی کے علاوہ دن کا بیشتر حصّہ ان کے ساتھ گزرتا تھا۔ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، ایک ہی حلقۂ احباب تھا۔ مزاج کی ہم آہنگی، ہم مذاقی اور دینی شغف نے مجھے ان کے بہت قریب کر دیا تھا ———

میں نے غور کیا کہ ان کی طبیعت کی یک رنگی، ان کی سادہ و پرکشش زندگی، ان کے درویشانہ مزاج، ان کی دینی زندگی کی وجہ کیا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اندازِ زندگی، ان کے والد گرامی حضرت مولوی محمد حسین قیس چشتی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت کا اثر ہے۔ ان کے والدِ گرامی نے اپنے مرشد و مربیّ حضرت خواجہ محمّد موسیٰ تونسوی قدّس سرّہٗ العزیز سے بیعت کی اور ان کے وصال کے بعد ان ہی کے ارشاد کے مطابق حضرت خواجہ محمّد عبدالصمد فخری فریدی سلیمی دہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں رہ کر برسوں سلوک کی منزلیں طے کیں، مجاہدے کئے، ریاضتیں کیں اور روحانیت کا اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ چشتی صاحب نے اپنے والدِ محترم رح کے

Marfat.com

شب و روز کے معمولات کا مشاہدہ کیا، بچپن ہی سے دینی ماحول زندگی کا جزو بن گیا۔ چشتی صاحب کو اپنے والدِ ماجدؒ کے روحانی ورثے سے، اس نعمتِ عظمیٰ سے اس دولتِ بے بہا سے اور ادب و اخلاق کے سرمائے سے وافر حصّہ ملا۔ ان کی حسنِ زندگی کا یہی راز ہے۔

چشتی صاحب نے اپنے والدِ محترم کے سلسلۂ رشد و ہدایت کو جاری رکھا اور اپنے مربّی و مرشد حضرت خواجہ خان محمدؒ تونسوی قدس سرّہ العزیز کی مسندِ ارشاد کو تبلیغِ دین اور زہد و تقویٰ سے سجائے رکھا۔ چشتی صاحب نے اپنے والدِ مکرّم اور اپنے شیخِ طریقت کے فیضان کو عام کیا۔ ان کی زبان میں تاثیر، ان کے بیان میں لذّت، ان کی محبّت میں روحانی کیف ان دو مکرّم و محترم ہستیوں کا صدقہ ہے۔ میں نے آغازِ مضمون میں ان کی تربیّت کا مختصر سا پس منظر اس لئے تحریر کیا ہے تاکہ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، ان کی افتادِ طبع اور ان کے دینی کارناموں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

دنیوی علوم کے حصول کے لئے تعلیمی اداروں سے وابستہ رہنا پڑتا ہے شب و روز مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ کتب خانوں سے استفادہ کرنا پڑتا ہے، اہلِ علم حضرات کی بلند پایہ تصانیف کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اساتذۂ کرام کی رہنمائی میں علم کی منازل طے کرنا پڑتی ہیں —— جب دنیوی علوم کی تحصیل کے لئے اتنی مشقّت، اتنی محنت اور اتنی کاوش کرنا پڑتی ہے تو روحانی منزل تک رسائی تو اس سے بدرجہا مشکل ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے تو سخت ریاضت، نفس کشی اور مسلسل مجاہدہ درکار ہے۔ دنیوی تعلیم کی تکمیل کے لئے کسی قسم کی ذاتی قیود و حدود نہیں۔ مگر روحانی تربیّت کے لئے تو اپنی زندگی کے ہر لمحہ کا محاسبہ کرنا پڑتا ہے، اپنے اوپر حدود و قیود عائد کرنا پڑتی ہیں۔ اپنے مرشد و مربّی کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف کو چراغِ منزل بنانا پڑتا ہے، روحانیّت کی منزل بہت کٹھن، یہ راستہ

Marfat.com

بہت دشوار گزار ہے۔ اس وادی میں اولوالعزم، باہمت اور باکردار افراد ہی قدم رکھ سکتے ہیں۔ ایک قدم کی لغزش برسوں کی ریاضت برباد کر سکتی ہے، منزلِ سلوک میں بہت احتیاط سے چلنا پڑتا ہے۔ اگر شیخ کامل کی توجہّ اور دستگیری نہ ہو تو بھٹکنے کا اندیشہ رہتا ہے، چشتی صاحب ان خوش قسمت افراد سے ہیں جن کو بچپن ہی سے روحانی تربیّت کرنے والوں، منزلِ سلوک سے آشنا کرنے والوں کاملین اور مقامات آشنا بزرگوں کی صحبت میسّر آتی ہے۔ ـــــــ

چشتی صاحب نے تینتیس سال محکمۂ تعلیم میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ مختلف تعلیمی اداروں میں اسلامیات کے پروفیسر رہے ان کو اس مقام تک پہنچنے کے لئے کئی منزلوں سے گزرنا پڑا، مختلف ملازمتیں کیں۔ زندگی کے مختلف مراحل سے گزرے، معلّم کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچنے کے لئے زندگی کے نشیب و فراز، زندگی کے تجربات و مشاہدات سے گزرنا ضروری تھا تاکہ طلبا کو دین و دنیا میں جو ربطِ باہم ہے اس سے روشناس کیا جا سکے۔

شعبۂ اسلامیات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے چشتی صاحب نے تعلیمی نصاب کے ساتھ ساتھ طلباء کی دینی اور ذہنی تربیّت بھی کی، ان کو قرآن و سُنّت کا درس دیا، اس الحاد اور بے دینی کے دَور میں انہوں نے طلبا میں دین سے محبت احکامِ خداوندی پر عمل پیرا ہونے اور سنّتِ مطہرّہ کو اپنانے کا جذبہ پیدا کیا، ان کے دلوں میں ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے والہانہ عقیدت و محبّت کا بیج بویا۔ یہ چشتی صاحب کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ یہ بھی اسی روحانی تربیّت، پاکیزہ مجالس میں شرکت کا اثر تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اگر زندگی میں ایک شخص کی بھی اصلاح ہو جائے تو ایک نسل کی اصلاح ہو جاتی ہے ـــــــ یہ صدقہ جاریہ ہے جس کا خداوندِ کریم لامحدود اجرِ عظیم عطا کرتا ہے۔ چشتی صاحب کالج میں ہمہ وقت

Marfat.com

تبلیغی فریضہ انجام دیتے رہے، طلبا کے شکوک و شبہات اور دینی مسائل کا تسلّی بخش جواب دیتے رہے۔ چشتی صاحب کے کردار کی بلندی، گفتگو میں اخلاص قول کی صداقت اور جذبے کی سچّائی نے طلبا کو متاثّر کیا۔ طلبا کے سامنے ان کی زندگی کا ہر لمحہ تھا۔ وہ ان کے ہر قول اور ہر فعل کا مشاہدہ کرتے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ چشتی صاحب کی زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اس لئے طلبا کو قول و فعل کی ہم آہنگی نے متاثّر کیا۔ اگر کوئی بات دردِ دل اور خلوصِ نیّت سے کہی جائے تو بے اثر نہیں رہ سکتی ——— مقرّبانِ بارگاہ الٰہی اور اہل اللہ کی صحبتوں سے بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز انقلاب آئے جس کی تفصیل کی اس مضمون میں گنجائش نہیں ——— استاد تو طلبا کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ ادب و اخلاق کے زاویے، دین کے رموز، اور دنیوی زندگی کے مسائل سیکھ سکیں۔ طلبا اساتذہ کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اساتذہ جو نقوش ان کے ذہنوں پر مرتسم کرتے ہیں وہ تمام عمر ان سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ وہ ان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے ——— تعلیمی مراکز اخلاق کو سنوارنے، حبّ الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے، کردار کو حسین بنانے اور اعمال کو پاکیزہ کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ جوانی کا آغاز اگر تقدّس و پاکیزگی سے ہوگا تو زندگی بے راہ روی اور برائی سے محفوظ رہے گی۔

چشتی صاحب کے سینے میں خداوندِ کریم نے مومن کا دل رکھا ہے جس میں دین کی اشاعت کا جذبہ، تبلیغی کاموں کا شوق، محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کا جذبہ موجزن رہتا ہے۔ چشتی صاحب ہر معاملے میں اعتدال پسند ہیں۔ ان کی زندگی سلامتی اور میانہ روی کی زندگی ہے۔ انہوں نے افراط و تفریط سے ہمیشہ اجتناب کیا ———

Marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثِ مبارکہ ہے۔ خیرالامور اوسطھا ،بہترین کام اعتدال کے ہیں۔ چند الفاظ کی یہ حدیث اپنے اندر مطالب و معانی کی دنیا لیئے ہوئے ہے جس کی تشریح کے لئے ہزار ہا اوراق بھی ناکافی ہیں۔ اعتدال سے گزرنا برائی کا عنوان بن جاتا ہے کسی شے کی کثرت زندگی کے حسن کو تباہ کر دیتی ہے۔ چشتی صاحب کی زندگی حسنِ اعتدال کی بہترین مثال ہے۔ دینی بات ہو یا دنیوی وہ حدِ اعتدال کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں، وہ دینی نظریات میں بھی اعتدال پسند ہیں، متشدّد نہیں۔ کسی دینی جماعت کے عقائد کو اعتدال کے میزان سے گزار کر ہی بیان کرتے ہیں۔

اگر چشتی صاحب احباب کی مجلس میں بیٹھے ہوں، احباب کی زندہ دلی آداب کی حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ خاموشی سے اٹھ جاتے ہیں۔ ان کی یہ ادا بھی تبلیغ کا پہلو لیئے ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ راقم الحروف چشتی صاحب کے ساتھ ایک شادی میں شریک تھا، احباب کا مجمع تھا۔ چشتی صاحب کے اردگرد معتقدین کا حلقہ تھا۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی، چشتی صاحب کی ذات سب کی توجّہ کا مرکز تھی۔ چشتی صاحب کی مجلس میں زیادہ تر دین ہی موضوعِ گفتگو رہتا ہے۔ مجلس جاری تھی کہ بھنڈ دندناتے، شور مچاتے پنڈال میں داخل ہو گئے اور بھکّڑپن کا مظاہرہ کرنے لگے، چشتی صاحب اور راقم الحروف خاموشی سے اُٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔ میں نے قرآنِ پاک کی آیت تلاوت کی۔ یہ سورہ فرقان کے آخری رکوع کی آیت تھی۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی صفات بیان کی ہیں۔ منجملہ اور صفات کے اللہ کے نیک بندوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ٥

اُور وہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر اتّفاقاً بیہودہ مشغلوں

کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔"

مولانا اشرف علی تھانوی قدّس سرّہ العزیز اس کی تشریح قرآنِ پاک کے حاشیے میں یوں بیان کرتے ہیں۔ یعنی نہ اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں، نہ ان کے آثار سے عاصیوں کی تحقیر اور اپنا ترفّع اور تکبّر ظاہر ہوتا ہے۔" چشتی صاحب یہ پر موقع آیت مبارکہ سن کر بہت خوش ہوئے ____

احترامِ فرمانِ نبوی ہی دین کی بنیاد اور تقویٰ کی اساس ہے۔ اس میں حیل وحجّت، بحث وتمحیص، یا خود ساختہ دلائل و براہین کی گنجائش نہیں۔ دین کی بات تسلیم کر لینا ہی اسلام ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے "دین سیکھنے کے لئے بدوؤں اور بچّوں کی طرح ہو جاؤ"۔ احکامِ خداوندی کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے سے عقائد متزلزل ہو جایا کرتے ہیں، عقل ایک حد تک رہنمائی کرتی ہے، انسانی فہم کی حدود محدود ہیں۔ انسان لامحدود قوّتوں کے مالک کے احکامات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اسی لئے سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تین چیزوں تقدیر، روح اور خدا پر بحث کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ تینوں موضوع انسان کے حیطۂ ادراک، انسان کے فہم وشعور اور انسان کی قوتِ متخیّلہ سے وراء الوراء ہیں۔ بارہا ایسا ہوا کہ دورانِ گفتگو کسی بزرگ نے حدیث بیان کی۔ چشتی صاحب نے اسے بلا تامّل قبول ہی نہیں کیا۔ اگر موقع عمل کرنے کا تھا فوراً عمل پیرا ہو گئے۔

اس ساری تمہید کا مقصد ایک واقعہ بیان کرنا تھا۔ ایک روز چشتی صاحب ایک ایسی پیالی میں چائے پی رہے تھے۔ جس میں ٹوٹنے کی وجہ سے لکیر آگئی تھی۔ میں نے عرض کی کہ ایسے برتن میں جس میں ٹوٹنے کی وجہ سے لکیر پڑ جائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسے برتن کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چشتی صاحب کے لبوں تک پیالی پہنچ چکی تھی حدیثِ مبارکہ سنتے ہی پیالی رکھ دی۔ دوسری پیالی میں چائے

Marfat.com

پی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ سنتے ہی فی الفور اس پر عمل پیرا ہونے کی اس ادا نے میرے دل میں چشتی صاحب کا مرتبہ اور بلند کر دیا۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی عملی مثال تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں، روز مرّہ کے واقعات سے شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ انسان کا قول و فعل، اس کی نشست و برخاست، اس کی حرکات و سکنات اس کا اندازِ گفتگو، اس کی وضع قطع، اس کی زندگی کے آئینے ہوتے ہیں جن میں اس شخصیت کا عکس، اس کی جھلکیاں بلا واسطہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حسین اور قابلِ تقلید واقعہ کی یاد تازہ کر دی۔ جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج سے سونے کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہوگیا ہے۔ ایک صحابیؓ نے دوسرے صحابیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا۔ وہ صحابی سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ فوراً انگوٹھی اتار کر پھینک دی ـــــــ عشق عقل کی کارفرمائیوں اور نکتہ سنجیوں سے ماورا ہے، مومن عیّار عقل کا تابع نہیں ہوتا۔ اس نازک مرحلے پر عقل کی بیشمار حیلہ سازیاں ہو سکتی تھیں، عقل گمراہی کی راہیں کھول سکتی تھی، وسواس کو جنم دے سکتی تھی۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین تو موت کو سانس سے بھی زیادہ نزدیک سمجھتے تھے۔ انہوں نے تو سرکارِ دو عالمؐ کے ہر فرمان کو حرزِ جاں بنا لیا تھا چشتی صاحب کی ایک ادا نے اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعہ کو تازہ کر دیا ـــــــ

کسی کارِ خیر کی ابتدا کرنے والا قیامت تک کے لئے اس کارِ خیر پر عمل پیرا ہونے والوں کے اجر و ثواب میں برابر کا حقدار ہو جاتا ہے۔ بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ حسنِ قرأت کی محفل کا آغاز چشتی صاحب کی سعیٔ جمیلہ سے ہوا۔ پاکستان میں اس کارِ خیر کی، ابتدا چشتی صاحب کے دینی شغف اور تبلیغ و اشاعت

Marfat.com

کے جذبے کا ثمرہ ہے۔ شعبۂ اسلامیات سے منسلک ہونے کی وجہ سے وہ طلبا کی دینی تربیت کے پیشِ نظر دینی مجالس کا انعقاد کیا کرتے تھے۔ ان مخصوص مجالس میں ہر مکتبۂ فکر کے جیّد علماء سیرتِ طیبہؐ پر ایمان افروز تقاریر کیا کرتے تھے۔ مجلسِ حسنِ قرائت میں شرکت کے بعد مختلف کالجوں کے طلبا میں فنِ قرأت سیکھنے کا ذوق پیدا ہوا۔

دوسری کُل پاکستان مجلس حسن قرائت میونسپل کمیٹی میں منعقد ہوئی، اس کے سوح رواں بھی چشتی صاحب ہی تھے۔ — پاکستان میں یہ اپنی نوعیّت کی پہلی حسنِ قرأت کی مجلس تھی۔ لوگوں کا ذوق و شوق دیدنی تھا۔ تعلیمی اداروں کے سربراہوں، علماء حضرات قرّاء، حفاظِ کرام اور اہالیانِ شہر نے بھرپور تعاون کیا۔ پاکستان بھر کے مشہور قرّاء حضرات نے شرکت کی، دُور دُور سے لوگ اس بابرکت محفل میں شرکت کے لئے آئے، ہال سے باہر لاؤڈ سپیکر لگائے گئے۔ باہر سڑک تک سامعین قرّاء حضرات کی حسنِ تلاوت ادب اور خاموشی سے سنتے رہے۔

چشتی صاحب نے اس کارِ خیر کی اس حسنِ نیّت سے ابتدا کی کہ اس کے بعد بڑے بڑے شہروں میں حسنِ قرأت کی مجالس منعقد ہونے لگیں۔ حسنِ قرأت کے انعامی مقابلے ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ شوق مختلف اداروں تک پہنچ گیا۔ قومی سطح پر حکومت نے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر حسنِ قرأت کی محفلوں کا انعقاد کیا جس سے لاکھوں بندگانِ خدا جیّد قرّاء کی حسنِ تلاوت سے محظوظ و مستفیض ہوتے، یہ سلسلۂ خیر و برکت جاری ہے۔ اس صدقہ جاریہ کا، اس کارِ خیر کا اجر و ثواب انشاءاللہ چشتی صاحب کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔

ان دینی مجالس کے علاوہ چشتی صاحب نے پرنسپل کرامت حسین جعفریؒ، اساتذہ اور طلبا کے تعاون سے کالج میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی، خانۂ خدا کی تعمیر صدقہ جاریہ ہے۔ اس مسجد میں ان گنت پیشانیاں خداوند قدّوس کے حضور

Marfat.com

سجدہ ریز ہوئیں، قرآنِ پاک کی تلاوت ہوئی، رمضان المبارک میں حفّاظ نے کلام پاک سنایا، ان عبادات کا اجر و ثواب ان تمام خوش قسمت افراد کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا جنہوں نے کسی نہ کسی انداز میں مسجد کی تعمیر میں حصّہ لیا۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی کچھ یوں ہے۔ "نیکی کا بتانے والا کرنے والے کی مانند ہے"۔

چشتی صاحب نے برسوں جامعہ چشتیہ مائی دی جھگی میں جمعہ کا خطبہ دیا، ان کے وعظ اور خطابت کا انداز عام واعظوں اور خطیبوں سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ سب سے پہلے کلامِ پاک کی کوئی آیت تلاوت کرتے ہیں سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور بصد عجز و نیاز درود بھیجتے ہیں، اس دوران چشتی صاحب پر حضوری کی سی کیفیّت طاری ہو جاتی ہے، وہ عقیدت و احترام کے پیکر نظر آتے ہیں۔ وعظ شروع کرنے سے پہلے وہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور ہدیۂ نعت پیش کرتے ہیں۔ نعت پڑھتے پڑھتے اکثر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر جذبات کو بکھرنے نہیں دیتے۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت اشکوں میں تابندہ ہو جاتی ہے۔ آنسو سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نسبت کے عنوان بن جاتے ہیں، جب ایسی حالت ہوتی ہے تو ساغرِ چشم چھلکنے سے بچاتے ہیں، محبّت کو نوحہ نہیں بننے دیتے، محترم صوفی محمّد افضل فقیرؒ کا بہت خوبصورت شعر ہے جو چشتی صاحب کی کیفیّت کی ترجمانی کرتا ہے ؎

شایانِ بارگاہِ پیمبرؐ نہ تھی فغاں
آنسو بنا دیا ہے اسے احترام نے

چشتی صاحب کی کیفیّت ساری محفل پر محیط ہو جاتی ہے، ہر شخص بقدرِ ظرف اس کیفیّت کا حصّہ بنا ہوتا ہے۔ "از دل خیزد بر دل ریزد" والا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ کیفیّت اس خوش نصیب شخص کی ہی ہو سکتی ہے جسے حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عشق کی دولت نصیب ہوئی ہو، چشتی صاحب کو بزرگوں کی دعاؤں کے صدقے

Marfat.com

اہلِ اللہ کی محبّت کے طفیل اس اثاثۂ آخرت سے وافر حصّہ ملا ہے۔ ان کی دعظ قلب و نظر کی آبرو بڑھاتی ہے، دلوں میں گداز پیدا کرتی ہے، حضوری کی تڑپ پیدا کرتی ہے۔

میں نے رمضان المبارک میں جامعہ چشتیہ میں برسوں تراویح میں کلامِ پاک سنایا، چشتی صاحب شہر میں رہائش پذیر ہوگئے تھے ان کی محبّت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ وہ اور کرنل مقبول الٰہی صاحب شہر سے تراویح میں شرکت کے لئے آتے۔ چشتی صاحب کلامِ پاک کے اس حصّے کا مختصر سا خلاصہ بیان کرتے جو زیرِ تلاوت ہوتا، تاکہ سامعین کو معلوم ہوجائے کہ آج کون کون سے احکامِ خداوندی تلاوت ہوں گے ——

ختمِ کلامِ پاک کے موقع پر مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر یادگار ہوئی۔ وہ نہایت حسین انداز میں سیرتِ مطہرہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایسے ایسے نکتے بیان کرتے جو ذہنوں میں اجالا کرتے چلے جاتے —— کاش یہ تقاریر محفوظ کرلی جاتیں! خلیق قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ادیبانہ انداز ہوتا۔ وہ ختمِ کلام میں ضرور شرکت کرتے، آخر میں پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب اپنے منفرد انداز میں کلامِ پاک کے موضوع پر موقع کی مناسبت سے اظہارِ خیال فرماتے۔ جس کا ایک ایک حرف سینوں میں اترتا چلا جاتا۔ جشنِ کلامِ پاک کی یہ تقریبِ سعید ایک یادگار دینی تقریب ہوتی۔

چشتی صاحب ہر مکتبۂ فکر کے عالم کا احترام کرتے ہیں، میرے مرشد و مربی حضرت عبدالقادر رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ کا جب فیصل آباد قیام ہوتا۔ چشتی صاحب میرے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مستقل امام حضرت مولانا آزاد فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کی پر لطف مجلس میں شرکت کرتے، مولانا علی میاں ندوی کے افکارِ عالیہ سے مستفیض ہوتے۔ اس خانقاہی ماحول میں

Marfat.com

ایک عجیب لذّت ایک عجیب روحانی سرور نصیب ہوتا۔

جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ چشتی صاحب ہر مسلک کے بزرگ اور عالمِ دین کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں چشتی صاحب نے ایک عجیب و غریب واقعہ سنایا۔ خطبے کے دوران آپ نے کسی واقعہ کے تحت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سن کر ایک نمازی نے خفگی کے عالم میں چشتی صاحب کی طرف دیکھا، تھوڑی دیر رک کر پھر ایک غصّے کی نظر ڈالی اور جوتے اٹھا کر مسجد سے باہر نکل گیا، چشتی صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ علماء اور بزرگوں کا احترام اور ادب بھی تو دین کا حصّہ ہے ——

چشتی صاحب کا کوئی آنسو بارگاہِ نبوی میں قبول ہوا، بابِ اثر تک پہنچ گیا دربارِ اقدس سے دوری اور مہجوری اذنِ حضوری کا پیغام لائی، مرادوں سے دامنِ دل مہک اٹھا۔ شوق دو چند ہو گیا، کرم کے لمحات سحابِ کرم بن کر چھا گئے۔ حرمِ نبوی میں پہلی حاضری کی کیفیت کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ تمام عمر کی آرزوؤں کا مرکز، تمام عمر کی تمنّاؤں کا حاصل جب سامنے ہو تو وارفتگیٔ شوق کو کیسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قرب سے جو کیفیّات دیدہ دل پر وارد ہوتی ہیں، جو نقش ذہن پر بنتے ہیں اس کو بیان کرنا دشوار ہے۔ حیرت اور خاموشی کا جو سماں ہوتا ہے وہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقام پر تو حیرت بھی عبادت بن جاتی ہے —— خاموشی ادب و احترام کی آخری حدود کو چھو لیتی ہے ——

چند روز بعد مدینہ منوّرہ، شہرِ رحمت و برکت سے چشتی صاحب کا خط آیا۔ چند جملوں میں جو پہلی حاضری کی کیفیت بیان کی گئی تھی وہ چشتی صاحب کے عشقِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عکّاسی تھی، چشتی صاحب نے لکھا کہ اس مرکزِ رحمت، اس دیارِ

Marfat.com

مقدّس، اس دربارِ فیض آثار کی حاضری کو تین روز ہو گئے، سکوت کا عالم ہے۔ لب نہیں کھلتے، عجیب وغریب احساس دامن گیر رہتا ہے کہ یہ عاصی وخاطی اس دربارِ گُہربار میں کیسے پہنچ گیا۔ اس مرکزِ خیر وبرکت، اس مصدرِ انوار وتجلیات، اس آرام گاہِ خیر البشر صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچ جانا بخت کی معراج اور کرم کی انتہا ہے ؎

انتہائے کرم کا مظہر ہے
ان کے دربار میں مرا ہونا
حافظ لدھیانوی

پھر تحریر کیا کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی نعت کا یہ مصرع بارہا سُنا، بارہا پڑھا۔ مگر اس کے مطالب ومعانی اس کی اثر آفرینی، اس کے اسرار ورموز اس بزمِ قدس میں آکر کُھلے۔ پھر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا مصرع لکھا تھا ؎

سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

اس مصرع نے چشتی صاحب کے احترامِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کئی انداز واضح کر دیئے۔ احترام زبان کو روکے رکھتا ہے۔ دل کی دھڑکن التجا کی صورت اختیار کر لیتی ہے، آنسو پکار بن جاتے ہیں۔ ؎

اشکِ غم کا درِ اقدس پہ دعا ہو جانا
ہم نے دیکھا ہے خموشی کا صدا ہو جانا

اس منزلِ فلک آثار پر توحیراں نگاہی ترجمانِ دل ہوتی ہے۔ اسی ادب واحترام اور عشقِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا صدقہ ہے کہ چشتی صاحب کو چھ بار حرمین شریفین کی حاضری کا شرف نصیب ہوا، وہ مقدّس بارگاہ، وہ جلوہ گاہِ ناز وہ مرکزِ جود وسخا وہ مصدرِ فیوض وبرکات جسے ایک بار دیکھنے کے لئے آنکھیں اشک بار رہتی ہیں۔ جس کی آرزو ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن ہے، جس کی آرزو عشاقانِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہر لمحہ بے کل رکھتی ہے، اس شخص کی خوش نصیبی کا کون اندازہ لگا

Marfat.com

سکتا ہے جسے چھ بار حاضری کا شرف نصیب ہوا ہو۔

چشتی صاحب نے اس سفرِ مقدّس پر روانگی کا کبھی اعلان نہیں کیا، نہ ہی مریدین، معتقدین اور احباب کو کبھی اطلاع دی جو چشتی صاحب کو اس سفر مبارک پر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ، ہزار ادب و احترام کے جلو میں رخصت کریں۔ وہ خاموشی سے مختصر سامان لے کر جادۂ نور پر چل پڑتے ہیں، یہ درویشانہ ادا ان کی زندگی کا خاصّہ ہے۔ انہوں نے نام و نمود سے ہمیشہ گریز کیا —— کئی بار ایسا ہوا کہ راقم الحروف ملاقات کے لئے گیا۔ ان کے صاحبزادے ہارون نے خبر دی کہ چشتی صاحب تو عمرہ پر جا چکے ہیں۔ اس بار واپسی پر چشتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو نہایت انکسار سے فرمایا اللہ تعالےٰ نے سبب بنا دیا، الحمدللہ حاضری ہوگئی۔ میں نے اس سفرِ مقدّس اور حاضری کی کیفیّت بیان کرنے کی درخواست کی —— کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اس دربارِ گہربار میں حاضری کی کیفیّت کون بیان کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آبدیدہ ہو گئے، حاضری کی کیفیّت کا یہ جامع اور خوبصورت جواب تھا ——

چشتی صاحب حلم، بُردباری اور درگزر کے پیکر ہیں۔ ان کی یہ ادا بھی اتباعِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور پیروئ سُنّتِ رسول اللہ کا مظہر ہے۔ اس پر عمل پیرا وہی ہو سکتا جس نے "انا" کے حصار کو ریزہ ریزہ کر دیا ہو، اپنی ذات کو فقر کے سانچے میں ڈھال لیا ہو، درویشی اور مسکینی کو جزوِ زندگی بنا لیا ہو۔ یہ بہت کٹھن منزل اور انتہائی دشوار گزار راستہ ہے۔ آتشِ انتقام انسان کے خمیر میں رکھ دی گئی ہے، انسان شرِ شیطان سے بمشکل ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ تکبّر شیطانی فعل ہے۔ انتقام کے خیال سے شیطان انسان کے رگ رگ میں گردش کرنے لگتا ہے۔ اس کو انتقام پر اکساتا ہے اس میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ انتقام لینا ہی بڑائی اور عظمت کی دلیل ہے۔ راقم الحروف شاہد ہے کہ بارہا ایسے واقعات رُونما ہوئے جب مخالفین نے ہر طرح

Marfat.com

کے حربے استعمال کئے۔ ان کو دلی رنج پہنچایا۔ مگر چشتی صاحب نے استطاعت رکھنے کے باوجود، تمام ذرائع ہونے کے باوصف افسرانِ متعلقہ کی نیاز مندی کے ہوتے ہوئے درگزر سے کام لیا۔ ان کے حق میں دعائے خیر ہی کی ؎

زندہ کرتے ہیں وہی سنّتِ محبوبِؐ خدا
زخم کھا کھا کے جو دشمن کو دعا دیتے ہیں
حافظ لدھیانوی

پروفیسر افتخار احمد چشتی کو علاّمہ اقبالؒ سے قلبی وابستگی ہے۔ آپ نے علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی اور اردو کلام کا گہرا مطالعہ کیا، وہ سمجھتے ہیں کہ اس دورِ الحاد اور بے دینی میں نوجوانوں کو بے راہ روی سے بچانے اور ان کی اصلاح کرنے کے لئے علاّمہ مرحوم کے افکار و نظریّات اور کلام و پیغام کو عام کرنا چاہیئے۔ علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی آرزو کرتے تھے۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کردے

اسی جذبے کے تحت چشتی صاحب نے مجلسِ اقبال کی بنیاد رکھی۔ "مجلسِ اقبال" کا انعقاد بھی اسی دینی و تبلیغی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ چشتی صاحب نے معلمی کے دَور میں صالح نوجوانوں کی جو ایک جماعت تیّار کی تھی اس نے "مجلسِ اقبال" کو فعّال بنانے میں چشتی صاحب سے بھرپور تعاون کیا، ہر وہ خدمت جو ان کے سپرد کی گئی انہوں نے اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ "مجلسِ اقبال" کے باقاعدہ اجلاس ہونے لگے۔ پروفیسر افتخار احمد چشتی، مرزا محمّد منوّر اور خلیق قریشی —— یہ اربابِ ثلاثہ مجلس اقبال کے روحِ رواں تھے۔ ان حضرات کی سعیِ جمیلہ سے مجلسِ اقبال کے فقید المثال اجلاس ہوئے۔ جن میں

Marfat.com

علامہ اقبالؒ کے ہم جلیسوں، ممتاز دانشوروں، جید علماء نے شرکت کی اور اپنے فاضلانہ خیالات، منفرد اسلوبِ بیان سے سامعین کو مستفیض کیا اور علامہ اقبالؒ کے کلام کے حوالے سے نئے نئے گوشوں کو بے نقاب کیا۔ جن بزرگ ہستیوں اور باکمال شخصیتوں نے "مجلسِ اقبال" کے اجلاس سے خطاب کیا ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ پاکستان کی شاید ہی کوئی ایسی مقتدر اور نامور ہستی ہو جس نے ان اجلاس میں شرکت نہ کی ہو اور اپنے پُرمغز مقالات، مسحور کن حسنِ خطابت اور جدید نقطہ ہائے نظر سے "مجلسِ اقبال" کو نہ نوازا ہو۔ ملکی دانشوروں، ادیبوں اور علامہ اقبالؒ کے کلام کا برسوں مطالعہ کرنے والے محققوں کے علاوہ شمل جیسی نادرۂ روزگار مستشرق نے "مجلسِ اقبال" کے جلسے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات پر بصیرت افروز تقریر کی۔ "مجلسِ اقبال" میں پڑھے جانے والے مقالات کو اگر کتابی شکل دے دی جائے تو اقبال شناسی کے سلسلے میں یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

چشتی صاحب نے اس فیض کو جو ان کو اپنے مربی و مرشد حضرت خواجہ خان محمد تونسوی نور اللہ مرقدہٗ سے ملا اس کو طالبینِ حق میں تقسیم کیا، سلسلہ وعظ و تبلیغ جاری رکھا۔ ہفتہ میں دو بار ان کے درِ دولت پر روحانی اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ آپ اپنے ارشاداتِ عالیہ سے تشنہ قلوب کو سیراب کرتے ہیں، ان کے وعظ کا ہر لفظ دل کی دنیا آباد کرتا چلا جاتا ہے۔ چشتی صاحب تونسوی سلسلہ عالیہ کے فیض کو لوگوں تک پہنچانے میں کوشاں رہتے ہیں — چشتی صاحب کے نیازمندوں میں یہ گنہگار بھی ہے، بارہا ان کی مجالسِ وعظ و ارشاد میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، میں نے چشتی صاحب کی زبان سے کسی نظریے کے بزرگ کے خلاف کوئی بات نہیں سنی، اس سلسلے میں وہ اپنے پیر و مرشد کے مسلک پر عمل پیرا ہیں، چشتی صاحب کی مجلس میں محبت کی خوشبو، پیار کی لذت، خیر کا حسن ہوتا ہے جو ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیتا ہے۔ چشتی صاحب محبت و شفقت کے پیکرِ جمیل ہیں — یہی ان کی پہچان ہے —

Marfat.com

پروفیسر مرزا مُحمّد مُنوّر

فانوس کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت سفید ٹکڑے جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ روشنی کی چھوٹ سے ان ہلکورے کھاتے ہوئے صاف وشفّاف سفید ٹکڑوں میں مختلف الالوان رنگ پیدا ہو رہے تھے، ہوا کی ہلکی سی جنبش سے ان ٹکڑوں میں کبھی نیلا رنگ ظاہر ہو رہا تھا کبھی پیلا، کبھی سرخ ——— پلک جھپکتے ہی رنگ بدل جاتا تھا۔ شیشے کی ہر کروٹ سے جاذبِ نظر اور دلکش رنگ پیدا ہو رہے تھے ورنہ وہی صاف شفّاف ٹکڑا تھا ———

باطن اگر صاف ہو، دنیوی گرد وغبار سے پاک ہو تو قلب پر مختلف کیفیّات وارد ہوتی رہتی ہیں۔ مختلف تجلّیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اس صفائی قلب اور پاکیزگیٔ باطن سے نت نئے کرشموں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

میں نے مندرجہ بالا مثالیں پروفیسر محمّد منوّر کے شخصی خاکے کی تمہید کے طور پر تحریر کی ہیں۔ اگر ایک پیکر مجموعۂ اوصاف ہو، اس کی زندگی کے بیشمار حسین زاویے ہوں، اس کے اعمال وکردار کے ان گنت پہلو ہوں تو ایسی شخصیّت کے بارے میں اظہارِ خیال کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ———

پروفیسر محمّد منوّر کے حالاتِ زندگی اور کمالات علم وفن کے بارے میں کچھ تحریر کرنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے کہ مرزا صاحب کے کونسے پہلو پر قلم اٹھایا جائے، کون سے وصف کو پہلے بیان کیا جائے، کون سی خوبی سے تمہید اٹھائی جائے، کس عنوان سے

Marfat.com

شخصی خاکے کا آغاز کیا جائے. فکری رنگوں کی آمیزش کیسے ہو کہ خوبصورت مرقع تیار ہو جائے اور ایک ایسی تصویر مکمل ہو جائے جس میں مرزا صاحب کے تمام اوصاف حسن و خوبی کے تمام انداز جلوہ گر ہوں اور مشاہدہ کرنے والا ایک ہی نظر میں اس پیکرِ صد رنگ کی زیبائی و رعنائی، رنگوں کے حسین امتزاج اور دلکش زاویوں سے لطف اندوز ہو سکے ـــــــ

پروفیسر محمد منور بیک وقت محترم استاد، خوش گفتار انسان، محفل آرا شخصیت بلند پایہ مقرر، نامور شاعر، مخلص دوست، انسانیت کے علمبردار، محبِ وطن، سیاسی مبصر، فلسفہ دان، ماہر اقبالیات، صاحب طرز انشا پرداز، ماہر لسانیات، مغربی اور مشرقی علوم پر کامل دسترس رکھنے والے، قرآن و حدیث کے عالم، غیر زبانوں کے مشہور مترجم. حافظ شیرازیؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے معنوی مرید ہیں ـــــــ ایسے اوصاف و کمالات رکھنے والے انسان کے بارے میں اظہارِ خیال کرنا توفیقِ ایزدی سے ہی ممکن ہے. ورنہ ہر لحظہ فکر و نظر کی تنگ دامانی کا خیال رہتا ہے ـــــــ

بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ قلم کی جولانیاں، بیان کی گل فشانیاں، تخیل کی بلند پروازیاں، قدرتِ کلام و تحریر کی سحر کاریاں اور شعور و فکر کی لطافتیں سمٹ کر رہ جاتی ہیں. اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے مگر اس محبوب شخصیت کے بے تکلفانہ میل جول، محبت آمیز گفتگو، سادہ طرزِ زندگی حجابِ درمیاں کو اٹھا دیتی ہے. اس کی گوناگوں زندگی کا مطالعہ کرنا اور خیالات کا اظہار کرنا آسان ہو جاتا ہے.

بعض مخلص احباب ایسے ہوتے ہیں کہ ذہن کے کسی گوشے میں ان سے پہلی ملاقات، ان سے پہلے تعارف کا تصور بھی باقی نہیں رہتا ـــــــ ان سے ازلی رشتہ محسوس ہوتا ہے، کسی موقع، کسی لمحے، کسی مقام پر اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا ـــــــ

Marfat.com

اپنائیت کا احساس گہرا ہوتا چلا جاتا ہے، قرب کی لذت، قلب وجاں کو سرشار کرتی رہتی ہے، اس قرب، اس اپنائیت میں کوئی نہ کوئی قدرِ مشترک ضرور ہوتی ہے جو فکر و نظر میں اتحاد و یگانگت کا پہلو لئے ہوتی ہے، یہی قدرِ مشترک یہی فکری ہم آہنگی مستقل رشتۂ مودّت و اخوّت کا موجب اور عمر بھر کی رفاقت کا سبب بن جاتی ہے۔

بسا اوقات اجنبیت اور مغایرت کے دائرے برسوں کے تعلقات سے بھی کم نہیں ہوتے کسی قسم کی یگانگت پیدا نہیں ہوتی۔ قرب میں بھی دوری کے واضح نشانات نظر آتے ہیں — مرزا صاحب کے اخلاصِ باطن، اپنائیت کے جذبے، کردار و اخلاق کے حسن، اقوال و افعال کی ہم آہنگی نے ان کے گرد مخلص اور ذی علم احباب کا حلقہ پیدا کر دیا ہے جو زینتِ محفل رہتا ہے۔ اس حلقۂ احباب میں علمائے عظام، اساتذہ کرام، اعلیٰ افسران، بلند پایہ صحافی، نامور شاعر معروف سیاستدان سبھی طرح کے احباب شامل ہیں۔ —

فیصل آباد بنیادی طور پر صنعتی اور تجارتی شہر ہے، ایک دفعہ سید کرامت حسین جعفری مرحوم نے دورانِ تقریر کہا تھا کہ "فیصل آباد لالچ اور لٹھے کا شہر ہے"۔ فیصل آباد کو لاہور جیسی ادبی فضا میسر نہیں، نہ کراچی جیسی مشاعرہ بازی اور ہنگامہ خیزی اور نہ ہی اسلام آباد جیسی سیاست گری کا کوئی نقش اس سرزمین پر ابھرا، اس کی ایک ہی خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آٹھ بازار گھنٹہ گھر پر آکر ملتے ہیں۔ بس یہی اس کا حسن سمجھا جاتا ہے۔

ملوں کی اس سرزمین میں، مشینوں کے اس شہر میں، صنعت کے اس مرکز میں کسی ادبی انجمن کا انعقاد، کسی بزمِ ادب کا اجرا واقعی جہاد تھا۔ دوسرے بڑے شہروں میں ہوٹل ادب کے مرکز بن گئے، مشاعروں کے لئے وسیع و عریض ہال مخصوص ہو گئے۔ متعدد ادبی انجمنوں کے ماہانہ تنقیدی اجلاس اس شہر کی ادبی زندگی

Marfat.com

کی ضمانت بن گئے، مگر فیصل آباد میں ایسے کسی ادبی مرکز کا نام و نشان نہ تھا۔ پروفیسر محمد منور، پروفیسر افتخار احمد چشتی اور خلیق قریشی مرحوم ——— ان اربابِ ثلاثہ نے اللہ کا نام لے کر "مجلسِ اقبال" کی بنیاد ڈالی۔ پروفیسر محمد منور اور افتخار احمد چشتی نے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں ہونہار طلبا کی ایک ایسی جماعت تیار کی تھی جس کو ادب سے لگاؤ، دین سے رغبت اور کلامِ اقبالؒ سے قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ یہ خوش فکر طلبا کا گروہ ادبی اور مذہبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں پروفیسر صاحبان کے ساتھ سرگرمِ عمل رہتا تھا ———

"مجلسِ اقبال" کے انعقاد سے دھوآں دار فضا میں شعر و نغمہ کی لطیف لہریں بکھر گئیں۔ اس "مجلسِ اقبال" نے دوسرے کالج کے طلبا، اساتذہ اور فیصل آباد کے پڑھے لکھے طبقے کو علامہ اقبالؒ کے کلام و پیام سے روشناس کیا۔ ان کے ذوق کو نکھارا۔ ان میں شعر فہمی کی اہلیت پیدا کی، یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔

مجلسِ اقبالؒ کے اجلاس سے ملک کے نامور اور ممتاز اہلِ قلم اور صاحبِ بصیرت شخصیتوں نے خطاب کیا، پاکستان کی شاید ہی کوئی علمی و ادبی شخصیت ایسی ہو جس نے مجلسِ اقبالؒ کے اجلاس میں شرکت کر کے اپنے فاضلانہ خیالات سے نہ نوازا ہو۔ ان کی فہرست طویل ہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

پروفیسر محمد منور کے ادیبوں، دانشوروں اور مفکرینِ اقبال سے ذاتی مراسم کی وجہ سے علامہ مرحوم کے ہم جلیسوں اور ہم نشینوں نے مجلسِ اقبالؒ میں علامہ کی زندگی اور ان کے کلام کے بے شمار گوشے بے نقاب کیے۔ علامہ کے افکار و خیالات، عقائد و نظریات کے ایسے ایسے نئے زاویے ظاہر کیے۔ جن کا غالباً اس سے پہلے کہیں ذکر نہ ہوا تھا۔ اگر ان ممتاز و مقتدر ادبی شخصیتوں کے خطابات اور مقالات کو یکجا کر کے کتابی شکل دے دی جائے تو علامہ کے بارے میں ایک نادر دستاویز مرتب ہو جائے۔

پروفیسر محمد منور کو علامہ اقبالؒ کے کلام سے خصوصی تعلق، اس کے گہرے مطالعے

Marfat.com

کا ذوق اور ان کے خیالات و افکار کو اپنی تقاریر میں پیش کرنے کے مواقع پہلے پہل اسی مجلسِ اقبال" میں میسر آئے ـــــ علامہ اقبالؒ کے کلام سے ربطِ خاص، ان کے پیغام کو عام کرنے کا جذبہ، ان کے اسرار و رموز کو سمجھنے اور سمجھانے کا شوق اسی بزم سے پیدا ہوا جو آگے چل کر پروفیسر محمد منور کی پہچان بن گیا ـــــ

مرزا صاحب کی زندگی کے مختلف ادوار ہیں۔ ہر دور ان کے عزم و استقلال، ان کی مستقل جدوجہد، ان کی پیہم سعی و کوشش ان کی علمی و ادبی ترقی اور ان کے حصولِ علم کی لگن کا آئینہ دار ہے۔ خوش قسمتی سے مرزا صاحب کو طالب علمی کے زمانے میں، طبّاع، ذہین اور علم دوست احباب کا حلقہ میسر آیا۔ اس احباب کے حلقے میں پروفیسر نصیر احمد ناصر مرحوم اور پروفیسر خورشید عالم جیسے سلیم الطبع سنجیدہ مزاج احباب شامل تھے ہم جلیسوں اور رفیقوں کے مذاقِ سلیم، اخلاق و کردار، افکار و خیالات کے اثرات ایک دوسرے پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ انسان اس دور میں بہت نازک مرحلوں سے گزرتا ہے۔ اگر طالب علمی کے زمانے میں انسان راہِ راست سے بھٹک جائے تو ساری عمر سرگردان و پریشان رہتا ہے۔ طالب علمی کے ایام ذہنی افق کو وسیع کرنے، اپنی منزل متعین کرنے اور اپنے نصب العین کا نشان قائم کرنے کے دن ہوتے ہیں۔ اپنے نصب العین کے حصول اور اپنی قائم کردہ منزل تک پہنچنے کے لئے بہت ریاضت و محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ شخصیت سازی کا دور ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے طالب علمی سے پروفیسری تک حصولِ علم کے لئے جو جدوجہد، جو ریاضت و محنت کی ہے اس کی دنیائے ادب میں بہت کم مثال ملے گی ـــــ

مجھے یاد ہے عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے اور بے تکلف عربی زبان میں گفتگو کرنے کے لئے مرزا صاحب زرعی یونیورسٹی جایا کرتے تھے۔ وہاں عرب طلبا سے عربی میں بات چیت کرتے ـــــ یہ ایک لگن تھی کہ عربی زبان پر مکمل عبور حاصل

کیا جائے اور اس کے علائم و رموز کو سمجھا جائے جو قرآن و حدیث کی زبان ہے جو ختمی مرتبت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان ہے، کسی اہل زبان سے استفادہ کئے بغیر کسی زبان پر کامل قدرت حاصل نہیں ہو سکتی — کتابی علم ضرور رہنمائی کرتا ہے مگر محاورہ روزمرّہ سے کما حقہٗ، آگاہی اہل زبان کے میل جول سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

مرزا صاحب نے ہر طرح سے عربی زبان پر ماہرانہ عبور حاصل کیا جس سے انہیں قرآن و حدیث کے مطالعہ کرنے اور اس کے مطالب و مفاہیم سمجھنے میں مدد ملی — مرزا صاحب کا قرآنی مطالعہ بہت وسیع ہے، کوئی موضوع ہو کوئی عنوان ہو وہ اپنی تقریر میں بے تکلّفی سے قرآنی آیاتِ کریمہ کے حوالے دیتے جائیں گے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے موضوع کی وضاحت کرتے جائیں گے، یہ اندازِ خطابت، یہ اندازِ تکلّم صرف اسی شخص کا ہو سکتا ہے۔ جس نے خدا کے آخری کلام کا گہرا مطالعہ کیا ہو اس کے مطالب و معانی، اس کے اسرار و رموز پر پہروں غور کیا ہو، صرف مطالعہ ہی نہ کیا ہو بلکہ اس مقدّس خزانے کو ذہن کے نہاں خانے میں محفوظ بھی کر لیا ہو، جو موضوع کے اعتبار سے اس سے بر وقت اور بر محل استفادہ بھی کر سکتا ہو۔ دین سے قلبی شغف اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے نسبتِ مطہّرہ کے بغیر انسان قرآنی آیات کے مطالب و معانی اور نکتہ ہائے دقیق نہیں سمجھ سکتا۔ قدرت نے مرزا صاحب کو ایسا ملکہ ودیعت کیا ہے کہ وہ روانی کے ساتھ احادیثِ مبارکہ اور قرآنی آیات سے اپنی تقریر کو سجاتے ہیں۔ تقریر مقدّس گفتگو میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ علم و فضل کا خزانہ کھُل جاتا ہے۔ ہر شخص حسبِ توفیق اور حسبِ ظرف اس علمی خزانے سے دامن بھرتا رہتا ہے۔

قرآن و حدیث کے مطالعے کے بغیر علّامہ اقبالؒ کے کلام کے اسرار و رموز سمجھ میں نہیں آسکتے۔ یہ بھی اقبال شناسی کی حسین کڑی ہے۔

علّامہ اقبال علیہ الرّحمہ نے مغربی علوم کا گہرا مطالعہ کیا، فلسفہ دانوں سے ملاقاتیں

Marfat.com

کیں، ان کے افکار و نظریات کو پرکھا۔ علّامہ کے خطبات میں جگہ جگہ مغربی مفکّرین کی تصانیف کے حوالے نظر آتے ہیں جو ان کے وسیع مطالعہ کے غمّاز ہیں۔ علّامہؒ نے مشرقی علوم کا گہرا مطالعہ کیا۔ فارسی شعراء کے دواوین کو پڑھا، عربی زبان پر مکمّل دسترس حاصل کی ــــــ علّامہؒ کی ذات علم کا وہ بحرِ بیکراں ہے جس کا ساحل نظر نہیں آتا ــــــ اس علم و فضل کے باوجود علّامہ اقبال علیہ الرّحمہ نے اپنا منتہائے مقصود اور اپنے افکار و خیالات کا محور سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی کو سمجھا جو خیر و برکت کا سرچشمہ اور حکمت و دانائی کا نقطۂ عروج ہے ــــــ تمام علوم جس کے نطق کے محتاج ہیں۔ تمام حکمتیں جس کے در کی دریوزہ گر ہیں۔ جس کے سامنے بساطِ عالم آئینہ ہے جو معلّمِ حقیقی ہے۔ جس کی زبانِ مقدّس سے نکلا ہوُا ہر لفظ روشنی کا وہ مینار ہے جو قیامت تک ہدایت کا راستہ دکھاتا رہے گا۔ علّامہ اقبال علیہ الرّحمہ نے اسی چشمۂ علم و حکمت سے استفادہ کیا۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالیہ کو اپنے پیغام اپنے کلام میں پیش کیا جو علّامہ کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ اور عظمت کا سبب ہے۔

اسی سلسلے میں پروفیسر محمد منوّر نے "برہانِ اقبال" میں فقیر وحید الدّین کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ جس سے علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن مجید سے والہانہ وابستگی، انتہائی عقیدت و احترام، وارفتگی اور گہرے مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ قرآنِ پاک کو تمام علوم کا مصدر اور سرچشمہ تصوّر کرتے تھے۔ خدا کی یہ آخری کتاب ان کے فکر و نظر کی اساس ان کے عقائد و نظریات کی بنیاد تھی۔

فقیر وحید الدّین فرماتے ہیں "ڈاکٹر صاحب (علّامہ اقبالؒ) اپنی میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں قیام فرما تھے۔ اُس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کی قیام گاہ پر ایک نئے ملاقاتی آئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک سوال کر دیا۔ کہنے لگے آپ نے مذہب، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ اور فلسفہ وغیرہ علوم

Marfat.com

پر جو کتابیں اب تک پڑھی ہیں ان میں سب سے بلند پایہ اور حکیمانہ کتاب آپ کی نظر سے کونسی گزری ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس سوال کے جواب میں کرسی میں سے اٹھے اور نو وارد ملاقاتی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا کہ تم ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلے گئے۔ دو تین منٹ میں واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ اس کتاب کو انہوں نے اس شخص کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے فرمایا "قرآنِ مجید"۔

اس واقعہ کو درج کرنے سے پہلے پروفیسر محمد منور تحریر فرماتے ہیں۔ "حق یہ ہے کہ مطالعۂ قرآنی کی بدولت کائنات اور اہلِ کائنات کے باب میں ایک مخصوص نظریہ اور رویہ عمل میں آجاتا ہے اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے اور اصول ثابتہ کی روشنی میں بعض نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن بہت سے علومِ اسلامی کا سرچشمہ ہے جن میں سے تاریخ ایک ہے ——

فیصل آباد کے قیام کے دوران مرزا صاحب سے اکثر ملاقات رہتی۔ ان کی گفتگو علم کی چاشنی، دین کی خوشبو اور علمی بصیرت کی آئینہ دار ہوتی۔ احباب اس سے استفادہ کرتے۔ مرزا صاحب کی سادہ زندگی ان کے علم کا زیور تھی ان پر کوئی خول نہ تھا، کوئی نقاب نہ تھا۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ ان خوبیوں کے باعث انہیں احباب میں ایک منفرد مقام حاصل تھا —— ان کا پیکر ایک صاف و شفاف آئینہ تھا جس میں ان کے خد و خال دیکھے جا سکتے تھے۔

مرزا صاحب کے ہم جلیسوں میں علامہؒ سے عقیدت و احترام کا جذبہ، ان کے کلام، ان کے پیام سے گہری مناسبت مرزا صاحب کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ مرزا صاحب نوجوانوں کی گمرہی اور بے راہ روی کا علاج علامہؒ کے کلام و پیام میں سمجھتے تھے۔ مجلسِ اقبال کا انعقاد اسی تصور کو پیشِ نظر رکھ کر کیا گیا تھا۔

پروفیسر محمد منور کا تبادلہ گورنمنٹ کالج لاہور ہو گیا۔ ملاقات کا یہ سلسلہ بظاہر منقطع

Marfat.com

ہو گیا۔ لاہور ادب کا گہوارہ، علم کا خزانہ، تحقیق و تدوین کا مرکز، علماء کا شہر، بزرگانِ دین کی اقامت گاہ، سلاطین کی سرزمین اور مختلف علوم و فنون کا صدر مقام ہے۔ لاہور کے تاریخی، ادبی، ثقافتی نشانات آج بھی اہلِ علم حضرات کی توجّہ کا مرکز ہیں۔ لاہور کی فضاؤں میں ماضی کا حسن و جمال کمال آب و تاب سے آج بھی جلوہ گر نظر آتا ہے، صدیوں پرانی تہذیبی و ادبی روایات آج بھی تابندہ ہیں، اہلِ علم حضرات نے اس ورثے کی حفاظت کی۔ لاہور میں اپنا ایک حسن ہے، دلکشی ہے، کشش ہے، متحدہ ہندوستان کے زمانے میں یہ جاذبیّت کسی اور شہر کا مقدّر نہ ہوئی۔ ملکہ نور جہاں نے کہا تھا ؎

لاہور را بجان برابر خریدہ ایم
جاں دادہ ایم و جنّتِ دیگر خریدہ ایم

بزرگوں کے قدوم میمنت لزوم نے لاہور کی سرزمین کو متبرّک و مقدّس بنا دیا۔ داتا کی نگری میں بزرگانِ دین آتے رہے۔ لوگوں کے قلوب میں ایمان و معرفت کی شمعیں فروزاں کرتے رہے۔ لاہور کی سرزمین سے بہت سی داستانیں وابستہ ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

بظاہر لاہور کا نقشہ بدل گیا، پرانی عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ راستے بدل گئے۔ نئی بستیاں بس گئیں۔ مگر ادبی مراکز اس انقلاب سے متاثّر نہ ہوئے، لاہور فنونِ لطیفہ کا مرکز رہا۔ آفتابِ علم آج بھی اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور تابانیوں کے ساتھ ان ادبی مراکز سے طلوع ہو کر فضا میں علم و ادب کی کرنیں بکھیر رہا ہے۔ ماضی کے علمی ورثے کو عصرِ حاضر کے ادب میں سمویا جا رہا ہے۔ متقدّمین کے کارناموں سے استفادہ کیا جا رہا ہے ــــــ ایسی علمی و ادبی فضا میں مرزا صاحب کو کام کرنے، اپنے جوہر دکھانے، اپنے علمی خزانے کو جویائے علم و فن تک پہنچانے کے مواقع میسّر آئے۔ علمی و ادبی فضا میں خیالات کو وسعت، خیال کو شگفتگی، علم کو جِلا اور نظر کو نئی بصیرت ملتی ہے۔

Marfat.com

مرزا صاحب نے اک عمر کی ریاضت، برسوں کے مجاہدے اور شب و روز کے مطالعے کو لاہور کے ادبی ماحول سے ہم آہنگ کیا۔ یہ آواز ادبی آہنگ کا حصّہ بن گئی ——

لاہور کے ذرائع ابلاغ کو ایک ایسی ہستی کی تلاش تھی۔ جو ان کے نظریّات و افکار کی ترجمان ہو سکے۔ مختلف علوم و فنون، مختلف النوّع موضوعات پر اظہارِ خیال کر سکے۔ ان کے ادبی اور مذہبی پروگراموں کی زینت بن سکے۔ جو ان کے مشن کو آگے بڑھا سکے۔ مرزا صاحب کی جامع الصّفات شخصیّت ان کی آرزؤں اور ان کی امنگوں کی تفسیر بن گئی ——

لاہور میں مرزا صاحب کو تقریر و تحریر، حسنِ بیان و حسنِ کلام اور علم و فضل کے کمالات دکھانے کے مواقع میسّر آئے۔ ادب کا خزانہ جتنا خرچ کیا جائے اتنا ہی بڑھتا ہے یہ ایک ایسا چشمۂ زلال ہے کہ تقسیم کرنے پر بھی اس کی روانی میں فرق نہیں آتا۔ بلکہ اس کا حسن اور نکھرتا چلا جاتا ہے۔ تھوڑی ہی مدّت بعد مرزا صاحب معروف ادبی شخصیّتوں اور اہلِ علم حضرات کے حلقے میں ممتاز ہو گئے اور انہیں علم و فضل کی وجہ سے وہ مقام حاصل ہو گیا جو ان کا حق تھا۔ فاضل مقرّر کی حیثیّت سے ادبی حلقوں میں ان کی شہرت مسلّم ہو گئی ——

نوائے وقت اور دوسرے اخبارات و رسائل میں ان کے ادبی، سیاسی مقالات کی اشاعت سے ان کی سیاسی بصیرت اور ادبی مقام متعیّن ہو گیا۔ حبّ الوطنی اور دینی حمیّت کا جذبہ مرزا صاحب کے رگ و پے میں ہمہ وقت موجزن رہتا ہے۔ کیوں کہ پاکستان کی اساس دینِ مصطفویؐ اور قرآنِ پاک پر رکھی گئی ہے۔

پروفیسر محمد منوّر نے ہر دور میں حق بات کہی، اپنی تقریروں، اپنی تحریروں میں اپنی بساط اور ہمّت سے بڑھ کر اس کا اظہار کیا یہ جرائت مندانہ اقدام، حق گوئی و بے باکی ان کی سرشت میں داخل ہے۔ بہت سے اہلِ قلم حضرات ہر دور میں مصلحت آمیز رویّہ اختیار

Marfat.com

کرتے ہیں اور حق بات کہنے سے گریز کرتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب نے سرکاری ملازمت کے باوجود ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا۔ یہی مردِ مومن کی شان ہے کہ اس کی زبان اس کے ضمیر کی ترجمان ہو جائے اور ہر منزلِ مشکل ہر مرحلۂ دشوار میں صاف گوئی سے کام لے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا ؎

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مرزا صاحب نے اپنے مرشد کے فرمان پر عمل کیا۔ ہزار خطر کے باوجود نتائج سے بے پروا ہو کر معاشرے پر، حکومت کے غلط رویے پر بے لاگ تنقید کی۔ اس سے بڑا جہاد اس فتنہ و فساد کے دور میں نہیں ہو سکتا۔ اعلائے کلمۃ الحق ہی سنّتِ مطہرہ ہے۔ اس کے لئے عزیمت اور استقلال شرطِ اوّل ہے۔ مرزا صاحب نے جہاد باللسان بھی کیا اور جہاد بالقلم بھی۔ اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کا برملا اظہار کیا۔ یہ معمولی بات نہیں۔ ظلم و جور کے دور میں بڑے بڑے مجتہد فرمانِ شاہی کے سامنے اپنی پیشانیاں خم کر دیتے ہیں۔ برسرِ دار حق بات کہنے کے لئے ایمان کی پختگی اور یقینِ کامل درکار ہے ؎

آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت بہ منبر نہ تواں گفت

مرزا صاحب کی گفتگو، افکار و نظریات کا محور و مرکز علامہ اقبالؒ کا کلام ہی ہوتا ہے۔ وہ امّتِ مسلمہ کی مشکلات کا حل اور پریشانیوں کا مداوا حکیم الامّت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں میں تلاش کرتے ہیں۔ علامہ کو خداوندِ کریم نے نورِ بصیرت سے نوازا تھا۔ انہوں نے مستقبل کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کی تھیں وہ حرف بہ

Marfat.com

حرف درست ثابت ہوئیں یہ فہم وذکا، یہ نورِ بصیرت، تفقہ کا یہ انداز عطیہٗ ربانی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے دعا کی تھی۔

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

مرزا صاحب نے علامہ کے کلام کا مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ اس نسخۂ شافی کو قوم کے سامنے پیش کیا تاکہ وہ فرمودات اقبالؒ پر عمل پیرا ہو کر ملک و ملت کے لئے سینہ سپر ہو جائیں۔ ان کے افکار و خیالات سے زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی حاصل کریں۔ علامہ اقبالؒ کا کلام صدیوں مسلمانانِ عالم کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

مرزا صاحب کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ ان کو ضیق النفس کا مرض ہے۔ مگر اس علالت کے باوجود خرابیٔ صحت کے باوصف مرزا صاحب ہمیشہ متحرک اور فعال نظر آتے ہیں۔ بیماری اور علالت ان کے عزم، ان کی لگن اور ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں حائل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے اعجازِ نطق، حسنِ بیان اور فصاحتِ لسان سے سامعین کو محظوظ کرتے رہتے ہیں۔

لاہور کے ادبی حلقوں کے علاوہ مرزا صاحب کو پاکستان کے مختلف حصوں سے علامہ اقبال کے سالانہ اجتماعات میں شرکت کے لیے دعوتیں موصول ہوتی رہتی ہیں پشاور سے کراچی تک مختلف شہروں میں مرزا صاحب کی اقبال شناسی اور ان کے علم وفضل کی دھوم ہے۔ اہلِ علم حضرات کو مرزا صاحب کی تقریر میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی روح تائید کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ایک ہی عنوان کے تحت ایک ہی موضوع پر اپنی تقریروں میں مرزا صاحب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی اور اردو اشعار کے برجستہ اور برمحل حوالے دیتے جاتے ہیں۔ اپنے بیان کو علامہ اقبالؒ کے فکر سے ہم آہنگ کر کے ان کی تصانیف سے حکمت کے موتی چنتے رہتے ہیں اور سامعین کے

Marfat.com

دامنوں کو ان گہہائے گراں مایہ سے تابناک کرتے رہتے ہیں ـــــــ اگر میں مرزا صاحب کو کلامِ اقبالؒ کا حافظ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا ـــــــ

زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس پر علامہؒ نے بصیرت افروز تبصرہ نہ کیا ہو، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک شعر ایک ایک مصرع تاریخ کے ماتھے کا جھومر بن گیا۔ صدیوں پرانے واقعات پر علامہؒ نے ایک ایک مصرعے اور ایک ایک شعر میں جو تبصرہ کیا ہے، جو بلیغ اشارات کئے ہیں، جس رُخ سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ جس انداز میں اپنے فکر کو شعر کا حسن عطا کیا ہے، وہ کسی طویل ترین مضمون میں بھی ممکن نہیں۔ یہ جامعیت یہ قادر الکلامی دورِ حاضر میں شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو ـــــ موضوع کوئی ہو علامہ اقبالؒ کی شعری لطافتوں اور فنی نزاکتوں میں کوئی فرق نہیں آتا۔ علامہ کے بلیغ اشاروں، تاریخی حوالوں، خوبصورت کنایوں کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے لئے مطالعہ کی وسعت اور مختلف علوم پر گہری نظر ہونی چاہیئے۔ مرزا صاحب کے عشقِ اقبالؒ نے، وسعتِ مطالعہ نے، غور و فکر نے اور روحانی مناسبت نے علامہؒ کے نکتہ ہائے باریک و دقیق کو نہ صرف سمجھا بلکہ ان اسرار و رموز کو حسنِ بیان اور سادہ الفاظ میں عوام تک پہنچایا۔ معارفِ اقبال کو عوام کے فہم و ذکا اور ان کی ذہنی سطح تک لے آنا بہت مشکل کام ہے ـــــ مرزا صاحب نے یہ کارِ مشکل بھی کر دکھایا ـــــ

"وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہے"۔ مرزا صاحب کی ذات پر اس مصرع کا مکمل اطلاق ہوتا ہے۔ اس پینسٹھ سالہ زندگی میں کئی بزرگ، کئی شاعر ایسے دیکھے جو اپنی مسحورکن گفتگو، اپنے حسنِ کلام، اپنے دلکش اندازِ بیان سے جانِ محفل ہوا کرتے تھے، ایسی محفل آرا شخصیات ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ مرزا صاحب کو جس مجلس میں دیکھا، جس محفل میں ملاقات ہوئی مرزا صاحب کی شگفتہ بیانی سے سامعین مسحور ہوتے نظر آئے۔ احباب کی محفل ہو، علماء کی مجلس ہو، احباب کا حلقہ ہو، مداحوں کا جمگھٹا ہو مرزا صاحب

Marfat.com

کی گل فشانی سے سامعین کے دل و دماغ معطر نظر آئے، مجلس آرائی ایک فن ہے، ہر ذی علم اس کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ایک خاص مزاج اور ایک خاص مذاق درکار ہے۔ بعض اوقات اس مجلس آرائی کے لئے اپنے منصب علم سے نیچے اترنا پڑتا ہے۔ اور احباب کی ذہنی سطح پر گفتگو کرنا پڑتی ہے۔ بعض مجالس ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کسی بزرگ کی محفل میں تصویر بنا رہتا ہے۔ یارائے کلام نہیں ہوتا۔ مگر مرزا صاحب کی لطافت آمیز گفتگو، حسنِ مذاق اور شوخیٔ کلام سے ہر شخص محظوظ ہوتا رہتا ہے۔ مرزا صاحب جب احباب کے لطائف بیان کرتے ہیں۔ ان کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کی شگفتہ بیانی پر گفتگو کرتے ہیں۔ تو ایسے ایسے پُر لطف لطیفے بیان کرتے ہیں کہ افسردہ دل چمنستانِ بہار بن جاتا ہے۔ چائے کے دور کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا اندازِ تکلّم اور اعجازِ بیان لطف کو دوچند کر دیتا ہے ـــــ

مرزا صاحب کی مجلس میں موضوع بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی سیاست زیرِ بحث ہوتی ہے، کبھی صحافت موضوعِ گفتگو بنتی ہے، کبھی دینی مسائل پر اظہارِ خیال ہوتا ہے کبھی متقدمین کا کلام جانِ محفل بنتا ہے۔ مرزا صاحب فارسی شعرائے کے منتخب اشعار سنا رہے ہیں، دواوین کے اوراق کھلتے چلے جاتے ہیں ـــــ اساتذہ کے اشعار مرزا صاحب کے ذوقِ سلیم اور فہمِ شعر کی تفسیر نظر آتے ہیں، قوّتِ حافظہ خداداد ہے، شعر فہمی وہبی عطیّہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مرزا صاحب کو ان محاسن سے وافر حصّہ عطا فرمایا ہے۔ مرزا صاحب ازل سے ہی ایک لطیف روح ایک وجدانی کیفیّت لے کر آئے ہیں۔ اور یہ لطافتِ فکری احباب میں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

میں نے اپنی پچاس سالہ ادبی زندگی میں سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا شعر فہم نہیں دیکھا۔ ان کے شعر پڑھنے کا انداز شعر کے محاسن و مطالب کی تشریح کرتا نظر آتا تھا۔ شعر کے معانی ان کے چہرے پر بکھرتے نظر آتے تھے ـــ

اس دور کے دوسرے عظیم شعر فہم اور استادِ محترم سید عابد علی عابد مرحوم تھے مرزا صاحب نے کئی بار ان کے جوہرِ شعر فہمی کا ذکر فرمایا اور ان کی شاگردی پر ناز کیا۔ وہ کسی اچھے شعر کی بے ساختہ داد دیتے اور اس پر اپنے ناقدانہ خیالات کا اس انداز سے اظہار کرتے کہ سامعین جھوم جھوم اٹھتے۔ اس تحسین میں نئے اور پرانے شاعر کی تخصیص نہ ہوتی۔ یہ ان کی ادبی دیانت کی دلیل تھی۔

مرزا صاحب کو بلا مبالغہ سینکڑوں اشعار ازبر ہیں۔ شعر و ادب کی محفل میں ان کے انتخابِ اشعار کو سن کر حیرت ہوتی ہے کہ ان کے ذہن میں کن کن خوبیوں نے بسیرا کر رکھا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ہی پیکر میں کن کن اوصاف کو مجتمع کر دیا ہے۔ مرزا صاحب کی زبان سے سنے ہوئے بے شمار اشعار اب بھی حافظے میں محفوظ ہیں ان کی تفصیل کی اس مختصر سے مضمون میں گنجائش نہیں ورنہ میں ہر محفل کے ذکر کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب سے سنے ہوئے اشعار بھی درج کر دیتا۔ اور منتخب اشعار کا دیوان مرتّب ہو جاتا —— مجھے تو اس مضمون میں مرزا صاحب کی گوناگوں زندگی کی چند جھلکیاں دکھانا ہے۔ تاکہ قارئین اس پیکرِ صد رنگ سے شناسا ہو سکیں اور اس شخصیت کی مختلف جہتوں سے واقف ہو سکیں ——

مرزا صاحب نے اپنے علم و فضل کے بارے میں، اپنی تقریر و تحریر کے سلسلے میں اپنی تصانیف کے ضمن میں اشارتاً بھی کوئی بات نہیں کہی۔ اپنے کمالات کا کسی محفل میں ذکر نہیں کیا۔ اپنے مطالعہ کا کبھی تذکرہ نہیں کیا۔ اپنی اقبال شناسی کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ اپنی عظمت کا اظہار نہیں کیا، وہ دوستوں کی محفل میں اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں، اس بے تکلّفی کا اظہار کرتے ہیں کہ علم و ادب کے مبتدی اور طالب علم میں بھی احساسِ کمتری پیدا نہیں ہوتا۔ صاحبِ علم ہو یا طالبِ علم صحافی ہو یا کسی ادبی مجلّے کا مدیر، افسر ہو یا کاروباری شخص، مرزا صاحب ہر ایک

سے خندہ پیشانی اور حسنِ اخلاق سے پیش آتے ہیں، ان کے لہجے، ان کے رویے، ان کے اندازِ گفتگو میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ انسانی عظمت کے قائل نہیں ہیں اس میں کوئی تخصیص روا نہیں رکھتے اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس نظریے پر کاربند ہیں ؎

آدمیّت احترامِ آدمی
با خبر شو از مقامِ آدمی

مرزا صاحب سے جب بھی ملاقات ہوئی، ان کے علم و فضل کے بارے میں میرے علم میں اضافہ ہوًا۔ یہ شخصیّت کا کمال ہے۔ بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ پہلی ملاقات کے بعد کسی شخصیّت کے بارے میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ انسان باطنی کیفیات نہیں دیکھ سکتا۔ مگر ظاہری کمالات و اوصاف کا مشاہدہ تو کر سکتا ہے ——

ایک روز مرزا صاحب سے ملاقات کے لئے اورنٹیل کالج پہنچا۔ مرزا صاحب اپنی نشست سے ہٹ کر صوفے پر کسی ایرانی خاتون سے فارسی زبان میں بے تکلّف گفتگو کر رہے تھے۔ وہ غالباً تحقیق کے سلسلے میں پاکستان آئی تھی۔ مرزا صاحب اس کے سوالات کا جواب اس تفصیل کے ساتھ دے رہے تھے کہ وہ مرزا صاحب کے کثرتِ مطالعہ اور فارسی دانی کی معترف ہوگئی۔ مرزا صاحب نے راقم الحروف کا بحیثیتِ شاعر اور انشا پرداز اس خاتون سے تعارف کرایا یہ مرزا صاحب کی احباب نوازی کی ادا تھی ——

کس کس محفل کا ذکر کیا جائے۔ کس کس مجلس کو یاد کیا جائے۔ کن کن واقعات کو دہرایا جائے، ذہن میں ہر محفل ہر مجلس کے نقوش تابندہ ہیں۔ ہر مجلس کی گفتگو کا حسن اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ نہاں خانۂ ذہن میں محفوظ ہے —— یادوں کی قندیلیں خلوتِ جاں کو منوّر رکھتی ہیں۔ یہی میرا سرمایہ ہے، یہی میری عمر بھر کی ادبی زندگی کا ثمرہ ہے۔ یہی وہ سرمایہ ہے جسے میں دوستوں میں تقسیم کرتا رہتا ہوں۔

Marfat.com

آپ کو احباب کی مجالس اور رفاقت کے نقوش میری تازہ تصنیف "متاعِ گم گشتہ" میں نظر آئیں گے ——— زیرِ تحریر شخصی خاکہ میری دوسری کتاب کی زینت بنے گا جو زیرِ ترتیب ہے۔

مرزا صاحب کو بیان و اظہار پر ایسی قدرتِ کاملہ حاصل ہے اور علم و فضل کا ایسا ذخیرہ حافظے میں محفوظ ہے کہ کسی موضوع پر گفتگو کے لئے ان کو پیش از وقت زیادہ تیاّری نہیں کرنا پڑتی۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد موضوع اپنے تمام حسن و کمال کے ساتھ افقِ ذہن پر نمودار ہو جاتا ہے اور وہ شرح و بسط کے ساتھ اپنی یادداشت کے سہارے خیالات کا اظہار فرماتے جاتے ہیں۔ یہ خوبی بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی ہے ورنہ بڑے سے بڑا عالم کتابوں کے حوالے تلاش کرتا ہے۔ موضوع پر مواد اکٹھا کرتا ہے۔ پھر اسے ضبطِ تحریر میں لاکر اظہارِ خیال کرتا ہے۔

ایک روز مرزا صاحب سے ملاقات کے لئے اورنٹیل کالج حاضر ہوا۔ مرزا صاحب فرمانے لگے کہ آدھ گھنٹہ بعد ریڈیو پاکستان لاہور سے تقریر نشر کرنا ہے احباب تشریف لاتے رہے، موضوع پر سوچنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ حافظ صاحب اچھا ہوا آپ آ گئے۔ سورۂ حجرات کی آخری آیتِ کریمہ اسی طرح ہے۔ پھر آیت کی تلاوت کی اس ضمن میں دو چار اور باتیں کیں پھر مسکراتے ہوئے فرمایا لو تقریر تیاّر ہو گئی ———

ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے ہوئے کبھی کاغذ کے پرزے کا سہارا انہیں لیا۔ اپنی گفتگو حافظے کی مدد سے مطالعہ کے زور پر، خداداد قابلیت اور بصیرت سے کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے زبان و بیان کی خوبی عطا فرمائی ہے۔ ان کو بارہا ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے سنا وہ موضوع کے اعتبار سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت قرآنی آیات کے حوالوں، موزوں اشعار اور دلائل و براہین سے کرتے چلے جاتے

Marfat.com

ہیں۔ دماغ کے ایک گوشے میں مختلف علوم کا سما جانا اور اس ذخیرے سے چن چن کر جواہر پارے نکالنا اور ان سے اپنی تقریر کو سجانا اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم کی دلیل ہے۔ یہ عطیۂ ربانی ہے جو ہر فرد کا مقسوم نہیں۔ اس عطیۂ ربانی سے ہزاروں سننے والے محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔

ان بے پناہ مصروفیات کے باوجود تخلیقی و ادبی کام جاری رہتا ہے۔ وہ اپنے علمی خزانے کو مختلف تصانیف میں منتقل کرتے رہتے ہیں یہ تعمیری کام صدیوں زندہ رہتا ہے اور بعد میں آنے والے اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ دفتر میں فارغ اوقات میں مسوّدات کی تصحیح اور ان کی اشاعت کا اہتمام ہوتا ہے۔ جب بھی مرزا صاحب سے ملاقات ہوئی ان کے زیرِ مطالعہ اپنا یا کسی اور ادیب کا مسوّدہ تھا۔ وہ اس کی نوک پلک سنوارنے میں مصروف نظر آئے۔ کبھی انگریزی مسوّدے کی تصحیح ہو رہی ہے۔ غیر زبان سے ترجمہ کئے ہوئے مسوّدے کو دیکھ رہے ہیں۔ بڑی سادگی سے فرماتے ہیں یہ مسوّدہ پاکستان ٹائمز کو بھیجنا ہے۔ اس کا میں نے مجید نظامی سے وعدہ کیا تھا۔ اس کو فلاں رسالے میں دینا ہے۔ یہ میری کتاب کا مسوّدہ ہے۔ فلاں شاعر یا ادیب کی کتاب پر مقدمہ لکھنا ہے ——— غرضیکہ مرزا صاحب ہمہ وقت ادبی اور تخلیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں ——— مگر احباب کا استقبال اس خندہ پیشانی سے کرتے ہیں کہ ان کو ان کی بے پناہ مصروفیت کا علم تک نہیں ہونے پاتا۔ ان کی گفتگو سے، ان کے طرزِ عمل سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے کس قدر اہم مصروفیت ختم کر کے احباب نوازی کی ہے ——— وہ احباب کے لئے سراپا ایثار اور ان کی رفاقت کو اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے ہیں ——— ایک لمحے میں پھر وہی کیفیت ہوتی ہے ؎

رکھ دے جو کوئی ساغر و مینا مرے آگے　　　پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار

اس ضمن میں کسی بزرگ کا واقعہ یاد آگیا۔ وہ اس زمانے کے معروف بزرگ تھے موذّن نے اذان دی۔ یہ بزرگ احباب سے مصروفِ گفتگو تھے۔ موذّن نے انتظار کیا کہ اب محفل برخاست ہوگی، کافی وقت گزرنے کے بعد موذّن نے مؤدّبانہ عرض کی کہ حضرت نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اس بزرگ نے فرمایا "نماز را قضا ہست صحبتِ یاراں را قضا نیست"۔

احباب مرزا صاحب کا انمول سرمایہ ہیں۔ ان پر مرزا صاحب کو ہزار ناز ہے وہ احباب کے لئے ہر قربانی دے سکتے ہیں۔ وہ احباب کو ناراض نہیں کر سکتے۔ ان کی محبّت اور خلوصِ قلب کا یہ حال ہے کہ وہ مرحوم احباب کو برابر یاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کی صحبت میں گزرے ہوئے واقعات کو دہراتے رہتے ہیں۔ ان کے ادبی کارناموں کو بیان کرتے رہتے ہیں ـــــ مرزا صاحب نے اپنی تصنیف "علّامہ اقبال کی فارسی غزل" کا انتساب ـــــ اپنے مرحوم دوست پروفیسر نصیر احمد زار کے نام ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ذہین طالب علم، کامیاب استاد، صاحبِ طرز ادیب، درّاک ناقد، خوش ذوق شاعر، شیریں گفتار جلیس، علاّمہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کے ارادتمند شیدائی اور میرے عزیز دوست پروفیسر نصیر احمد زار کے نام ۔

گزشت وسوختم از انتظار باز ندید
دریں دیار مگر رسم باز دیدن نیست

ان چند الفاظ نے مرحوم دوست کی شخصیّت کا ہر پہلو نمایاں کر دیا ہے۔ ان چند الفاظ میں خلوص کی کتنی تہیں، محبّت کے کتنے انداز، رفاقت کا کتنا حسن، یادوں کا کتنا جمال نظر آتا ہے ـــــ یہ احباب نوازی مرزا صاحب کی شخصیّت کا نمایاں حصّہ ہے۔

Marfat.com

چند شریف النفس لوگ ایسے ہیں جو مرحوم احباب کی یاد کو سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ ورنہ زمانہ زود فراموش ہے، کتنے ادبی مہ پارے زمین کی گود میں چلے گئے" کتنے علم و فضل کے تابدار موتی مٹّی کے تہوں میں چھپ گئے، کتنی مقتدر ہستیاں اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئیں، آج ان کا کوئی نام تک نہیں لیتا۔ ان کی ادبی خدمات کو لوگ بھول گئے۔ ان کے ادبی کارنامے، ان کے ادبی کمالات کو نظر انداز کر دیا گیا ــــ ان کی تخلیقات کے نقوش مٹا دیے گئے ــــ دوسرے ممالک میں انھوں نے اپنے مشاہیر کی یاد کو ہر طرح سے زندہ رکھّا۔ شاہراہوں پر ان کے مجسّمے نصب کر کے، ان کی تخلیقات کو محفوظ کر کے، ان کی ذاتی استعمال کی اشیاء کو عجائب گھروں میں رکھ کر ان کو زندۂ جاوید کر دیا ــــ

راقم الحروف اور مرزا صاحب نے پروفیسر نصیر احمد زار کی برسی کے موقع پر ڈیرہ اسماعیل خاں کا سفر کیا، ان کے بچّوں کو پیار کیا، ان معصوم نشانیوں کو دیکھ کر پروفیسر نصیر احمد زار کی رفاقت کا ایک ایک لمحہ تابندہ ہوگیا۔ کاش ہم احباب کے بکھرے ہوئے شہ پاروں کو کتابی شکل دے کر ان کی برسوں کی ریاضت، ان کی ادبی خدمات، ان کے افکار و خیالات کو زمانہ کی خورد بُرد سے بچا سکیں ــــ کاش! مقصود اس واقعہ کو تحریر کرنے کا یہ تھا کہ مرزا صاحب اپنی علالت اور مصروفیّت کے باوجود احباب کو خراجِ تحسین پیش کرنے، ان کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

مرزا صاحب نے زندگی میں مشرقی انداز کو اپنایا۔ پروفیسری کے زمانے میں بھی مغربی لباس نہیں پہنا۔ جب مغربی لباس تفوق و برتری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ مرزا صاحب کا ایک ہی انداز رہا۔ انھوں نے ایک ہی زاویۂ نگاہ رکھّا۔ وہی شیروانی، وہی جناح کیپ، وہی کرتہ اور شلوار لباس رہا۔ یہ مستقل مزاجی اور مشرقیت کی علامت ہے ــــ نہ لباس میں تبدیلی ہوئی نہ خیالات میں لچک پیدا ہوئی۔

Marfat.com

انہوں نے جو نصب العین مقرر کیا تھا وہ آج بھی اس کے محافظ اور اس کے مبلّغ ہیں۔ مرزا صاحب نے جو راستہ متعیّن کیا وہ اس پر گامزن رہے۔ پاکستان مختلف ادوار سے گزرا، حکومتیں بدلیں، انقلابات نے ماحول کو دھندلا دیا۔ ملک میں فوجی مداخلت ہوئی۔ ظلم و تشدّد کا دور دورہ ہوا۔ خوف و ہراس نے ہر فرد کو گھیرے رکھا۔ ضعیف العقیدہ اور کمزور لوگوں نے حکومت سے ہر طرح تعاون کیا۔ اس کی آواز پر لبّیک کہا۔ ظالم حکمرانوں کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لیے زندگی کے زاویے بدل دیے ـــــ سب کچھ ہوا مگر مرزا صاحب اپنے نظریّات پر جمے رہے۔ اپنے اصولوں کی تبلیغ کرتے رہے ـــ حکومت پر صحّت مندانہ اور تعمیری تنقید کرتے رہے۔ حکومت کی ملازمت کے باوجود ضمیر کی آواز لوگوں تک پہنچائی۔ اپنے موقف سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہوئے۔

جس طرح نظریّات کا تحفّظ ضروری ہے اسی طرح زبان اور قلم کی حفاظت ضروری ہے۔ عصمتِ قلم کو فکر کی پاکیزگی، تقویٰ کی دولت، ایمان کی حلاوت اور ایقان کی لذّت سے ہمکنار کرنا ہی شرافت اور عظمت کی دلیل ہے۔ ادیب اور شاعر کا قلم ملک و قوم کی امانت ہوا کرتا ہے۔ یہ ادیب اور شاعر پر منحصر ہے کہ وہ قلم کی حفاظت کس انداز میں کرتا ہے۔ مرزا صاحب نے قلم اور زبان کو اپنے خیالات کا ترجمان بنایا۔ یہ ذاتی جوہر مرزا صاحب کی شخصیّت اور انفرادیّت کا نشان بن گیا۔

مرزا صاحب نے اقبال شناسی کے اس عظیم مرتبے تک پہنچنے کے لئے بے پناہ ریاضت کی۔ ادبی سفر کے کئی مرحلے طے کئے۔ جدّوجہد کے کئی سنگِ میل چھوڑے۔ عزم و عمل کی کئی قندیلیں روشن کیں ـــــ یہ ایک طویل داستان ہے۔ اقبال شناسی کے اس عہدۂ جلیلہ تک پہنچنے کے لیے مرزا صاحب نے علامہ اقبالؒ کے ہر لفظ کو مشعلِ راہ بنایا۔ آپ یہ سب کچھ مرزا صاحب کی تقریروں اور تحریروں میں دیکھ سکتے ہیں۔ مسلسل کاوش، شب و روز کی محنت، علامہ اقبالؒ سے روحانی مناسبت، عقیدت و ارادت سے پروفیسر مرزا محمّد منوّر علاّمہ اقبالؒ کے شارح اور اسکی پہچان بن گئے۔ یہ سب سے بڑا منصب اور سب سے بڑا اعزاز ہے۔

Marfat.com

پروفیسر حفیظ تائبؔ

برسوں سے حفیظ تائبؔ کا کلام اخبارات و رسائل میں پڑھتے آئے تھے۔ان کے کلام کی پختگی، ان کے جذبے کی صداقت، ان کا نیاز مندانہ لہجہ، ان کا پُرخلوص اظہارِ عقیدت، ان کی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے شیفتگی و وارفتگی کے انداز سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی بزرگ شاعر ہے، جس کے ذہن میں روایت کی مکمل تاریخ ہے۔ مگر روایت کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اظہارِ خیال کا جدید رنگ اس کا اپنا ہے۔ روایت اور جدتِ اظہار کے حسین امتزاج سے نعت کے دلکش و حسین نقوش بنتا جاتا ہے۔

اخبار پڑھنے سے پہلے نگاہیں حفیظ تائبؔ کی نعت دیکھتی تھیں تاکہ حفیظ تائبؔ کے ہدیۂ نعت کو پڑھ کر چند لمحات بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری میں بسر ہو جائیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں حضوری کا عنصر، ادب کے حسین پیرائے، ہلکا ہلکا مؤثر لہجہ، دل میں اُتر جانے والا مؤدبانہ اسلوب نظر آتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک سائل ہے جو دربارِ اقدس میں اشکوں کے نذرانے پیش کر رہا ہے۔ ایک طالبِ کرم ہے جو جھکی جھکی نظروں سے دربارِ رسالت میں خاموش کھڑا ہے۔ ادب دامنگیر ہے، حرفِ مطلب بھی زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتا۔ اس کو احساس ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کی حالت سے باخبر ہیں۔

رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حضور معروضات کے اظہار کے ہزار طریقے ہیں۔

Marfat.com

کبھی خاموشی صدا بن جاتی ہے۔ کبھی حیرت دلوں کی ترجمان ہوتی ہے، کبھی آنسو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مجھے حفیظ تائبؔ کی نعتیہ شاعری میں ایسے ہی قرینے —— ایسے ہی آداب، ایسی ہی کیفیات نظر آئیں، یوں محسوس ہوا کہ درماندہ مسافر منزلوں کی تھکن سے چُور سایۂ رحمت میں آگیا ہو۔ شکر اور عجز کے ملے جُلے جذبات لئے مرکزِ قلب و نظر میں کھڑا ہو۔ حفیظ تائبؔ کی نعتیں پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ اس خوش قسمت شخص پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کرمِ بے پایاں ہے، جو نعت کی صورت میں تقسیم کر رہا ہے۔

حفیظ تائبؔ سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ مگر اس کے نام کے ساتھ، اس کے ذکر کے ساتھ اجنبیت کا احساس کبھی نہیں ہوا۔ اگر منزل ایک ہو، مقصد ایک ہو، نگاہیں ایک ہی محبوب شخصیت کی متلاشی ہوں تو راہی کہیں کا ہو، مسافر کسی راستے سے ہی آئے، وہ ہر مسافر کا ساتھی اور ہر راہرو کا ہمسفر ہوتا ہے۔

چند برس پہلے رائٹرز گلڈ کے دفتر میں مشاعرہ ہوا۔ میں بھی اس مشاعرے میں شریک تھا۔ مشاعرے کے بعد میں دروازے سے نکل رہا تھا۔ احمد ندیم قاسمی صاحب کسی نوجوان سے باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہا کہ دو نعت گو اکٹھے ہو گئے۔ میں نے استفہامیہ نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھا۔ احمد ندیم قاسمی صاحب نے کہا !

"حفیظ تائبؔ ۔ ۔ ۔ !"

میں بے ساختہ حفیظ تائبؔ سے لپٹ گیا۔ ایک مقبول مدّاحِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مل کر جو روحانی مسرت ہوئی، اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔

حفیظ تائبؔ کا تصوّر آتے ہی نعت کا تصوّر اُبھرنے لگتا ہے۔ نعت کے سوا دوسرا کوئی تصوّر ذہن میں آتا ہی نہیں۔ نعت اور حفیظ تائبؔ لازم و ملزوم ہیں۔ حفیظ تائبؔ جھک کر بغلگیر ہوئے۔ کبھی سخت گرمیوں کے موسم میں اگر آپ کو صحرانوردی میں ٹھنڈا اور شیریں

Marfat.com

پانی کا چشمہ میسّر آجاتے تو جو لذت، جو کیف اور جو سیرابی تشنہ روح کو میسّر آتی ہے۔ ایسا ہی کچھ احساس حفیظ تائبؔ سے مل کر ہوا ۔ بغیر کسی تمہید کے تائبؔ صاحب سے کہا۔ چلو کہیں بیٹھ کر باتیں کریں ۔

میں حفیظ تائبؔ ایک اور شاعر جس کا نام اس وقت حافظے میں محفوظ نہیں قریب ہی ایک ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ مقصود تو حفیظ تائبؔ سے نعتیں سننا تھا۔ ہرچند کہ یہ ماحول نعت کے لیئے سازگار نہ تھا۔ مگر جی چاہتا تھا کہ اس شاعر، مدّاحِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ہدیۂ نعت پیش کرتے سنوں، جو غائبانہ دل کے تار ہلاتا رہا ہے جو برسوں سے ذہن و خیال میں بس رہا ہے۔ میں نے تائبؔ صاحب سے نعت سنانے کی فرمائش کی۔

ایک ممتاز شاعر جو ہر شاعر کا محبوب ہو، جس کو ہر شخص قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہو، جو منفرد مدّاحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہو، اس کو اس بے تکلفی سے نعت سنانے کی گزارش کرنا سوئے ادب تھا۔ مگر حفیظ تائبؔ نے بغیر کسی تمہید یا تکلف کے نعت سنانا شروع کر دی۔ اُن کے والہانہ انداز نے مجھے اُن کا اور گرویدہ بنا دیا۔ نعت پڑھنے میں وہی انداز تھا جو اُن کی نعتیہ شاعری کا طرۂ امتیاز تھا۔ یعنی وہی نیازمندانہ لہجہ، وہی دھیمی مگر پُرکشش آواز، وہی عاجزانہ اور دردمندانہ اسلوب ۔ ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اُترتا نظر آیا ۔ چند اشعار پر آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ بارگاہِ رسالت سے حضوری کی محرومی نے اشکوں کی صورت اختیار کر لی ۔ حفیظ تائبؔ رو رہے تھے اور ہم بھی اُن کی اس کیفیت کا حصّہ بنے ہوئے تھے۔ ان کی آواز میں رقت، ان کے لہجے میں گداز اور ان کے اشعار میں عجیب سوز تھا۔ عجیب و غریب کیفیت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ شخص جس کی نعت سناتے وقت یہ حالت ہے، نعت کہتے وقت اس کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔

Marfat.com

میں نعت سنانے کی گزارش کرتا رہا۔ حفیظ تائبؔ نعتیں سناتے رہے، سوز و سرود کی شمعیں روشن ہوئیں۔ اس بزمِ نعت میں آنکھوں کا غبار دُھل گیا۔ رُوح کی آلائش کم ہوتی نظر آئی۔

حفیظ تائبؔ سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ حفیظ تائبؔ کو پہلی بار بارگاہِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں ہدیۂ نعت پیش کرتے سنا تھا

حفیظ تائبؔ کی شکل وصورت، پاسِ ادب سے جُھکی ہوئی نظریں، دھیمے لہجے میں گفتگو، ان کی نیازمندانہ ادا اُن کے حسنِ کردار اور قلبی پاکیزگی کی آئینہ دار تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اسلوب انہیں ورثے میں ملا ہے۔ ان کی تربیّت ہی اس انداز سے ہوئی ہے۔ ان کے قلب میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے وابستگی اور محبّت کی شمعیں بچپن ہی سے روشن ہوگئی تھیں۔ یہ گھریلو تربیّت کا اثر تھا۔ جس نے حفیظ تائبؔ کو نعت گوئی کی طرف مائل کیا۔

صلّوا علیہ وآلہٖ کے انتساب میں حفیظ تائبؔ نے اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

تیرے اندازِ تربیت سے مجھے — شغفِ مدحتِ حضورؐ ملا
تیرے فیضانِ چشم ہی کے طفیل — میری قندیلِ فن کو نُور ملا
تو نے بخشا مجھے وہ سوز وگداز — جو مرا اعتبارِ فن ٹھہرا
جس نے گلہائے نطق مہکائے
فکر پیرایۂ چمن ٹھہرا

ان اشعار سے حفیظ تائبؔ کی گھریلو تربیت کا انداز سامنے آجاتا ہے۔

جب حفیظ تائبؔ سفرِ مقدّس کے لئے لاہور سے روانہ ہوئے تو اس موقع پر سٹیشن پر ان کے والدِ محترم کی ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ ان کی دینی وضع قطع، تقوٰی و پرہیزگاری ان کے لہجے کی نرمی، ان کی بزرگانہ شفقت، ان کی ختمی مرتبتؐ سے محبّت، ان کی سادہ مزاجی،

Marfat.com

کم گوئی اور عجز کا انداز دیکھ کر حفیظ تائبؔ کی زندگی کے کئی پہلو سامنے آگئے جو والدِ محترم کی تربیت کا نتیجہ تھے۔ ان کی شاعری کے کئی انداز روشن ہو گئے۔ نعت گوئی کے پس منظر میں ان کی والدہ ماجدہ اور والدِ محترم کی تربیت اور تعلیم کا بہت بڑا عمل دخل معلوم ہوا۔ اب کوئی چیز وضاحت طلب نہ رہی کہ حفیظ تائبؔ نے اپنے لئے نعت کا میدان کیوں منتخب کیا۔ ان کو حضور ختمی مرتبت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے محبّت اور عشق کا جذبہ اور اُس ذاتِ اکرمؐ سے والہانہ لگاؤ، والدین کی نگاہِ فیض آثار سے پیدا ہوا جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ نکھرتا اور سنورتا گیا۔ جس کا ظہور نعتیہ شاعری میں ہوا۔

مجھے یاد ہے کہ اس دَور میں غزل کا چرچا تھا۔ نوجوان شعراء غزل کی ہیئت اور غزل کے انداز میں جدید نظریات اور نئے رنگ بھر رہے تھے۔ ہر طرف غزل کا دور دورہ تھا۔ غزلیہ مشاعروں کا عام رواج تھا۔ غزل کو ادب کی روح سمجھا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں حفیظ تائبؔ کی منفرد آواز تھی جو نعت کے لہجے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ یہ اس دَور کے واحد شاعر تھے۔ جنہوں نے صرف نعت کو وسیلۂ اظہار بنایا اور نعت کو نیا آہنگ، نیا اسلوب اور نیا انداز دینے کی کوشش کی اور نعت کو بحیثیتِ فن متعارف کرانے میں کوشاں رہے۔

حفیظ تائبؔ کے ذہن میں قدیم نعت کا پورا ذخیرہ موجود ہے۔ متقدر نعت گو شعراء میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس کو حفیظ تائبؔ نے نہ پڑھا ہو اور اس کے اشعار اُن کے حافظے میں موجود نہ ہوں۔ ان شعراء کے کلام سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ اس لئے نعت کے موضوع پر حفیظ تائبؔ کا اظہارِ خیال سند کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں نے نعت کے موضوع پر جب بھی قلم اٹھایا تو ان کی نگارشات سے ان کے وسیع مطالعہ اور نعت سے پرانی وابستگی کا احساس ہوا۔

بہت کم شعراء ایسے ہوں گے جنہوں نے حفیظ تائبؔ کی طرح نعت کے مزاج کو سمجھا ہو اور نعت میں ہیئت اور نئے اسلوب میں کامیاب تجربے کئے ہوں اور

Marfat.com

نعت کو روائتی انداز سے نکال کر فن کے درجے میں لے آئے ہوں۔ اگرچہ نعت کے نئے انداز کی داغ بیل مولانا ظفر علی خاں نے ڈال دی تھی۔ مگر ان کی چند نعتیں تھیں۔ مولانا ظفر علی خاں کے اس نئے اسلوب اور جدید نگارش کو آگے بڑھانے میں حفیظ تائب کی کاوش اور مسلسل محنت کو بہت بڑا دخل ہے۔

احمد ندیم قاسمی نے تائب کی نعتیہ شاعری پر اپنی رائے تحریر کرتے ہوئے بالکل درست لکھا تھا کہ نعت گوئی میں ہم سب حفیظ تائب کے مقلد ہیں۔ یہ جملہ احمد ندیم قاسمی کی ادبی دیانت اور حق گوئی کا مظہر ہے جو ان کی طبیعت کا خاصا ہے۔

اگر کوئی شخص نیک کام کا آغاز کرتا ہے تو اس کارِ خیر میں شرکت کرنیوالوں کا اجر و ثواب آغاز کرنے والے کو ملتا رہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حفیظ تائب سے پہلے نعت کہی نہیں جاتی تھی ۔ نعت تو ازلی اور ابدی ہے اس کا آغاز تو تخلیق کائنات کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ مگر حفیظ تائب نے اس جذبے کا احیا کیا، جو کافی حد تک مدھم ہو چکا تھا اور نعت گو حضرات برسوں سے وہی پرانی نعتیں پڑھتے چلے آ رہے تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اردو ادب کے شعرائے متقدمین نے صرف غزل گوئی ہی میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے۔ بڑی بڑی کلیات یادگار چھوڑیں۔ مگر کوئی نعتیہ دیوان یادگار نہ چھوڑا۔

امیر مینائی کے سوا کسی دوسرے غزل گو کا نعتیہ دیوان نظر نہیں آتا۔ پرانے زمانے میں دیوان کا آغاز حمد و نعت سے کیا جاتا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ یہ مقدس رواج بھی ختم ہو گیا قدیم شعرا کی عدم توجہی سے نعت مستقل صنفِ ادب نہ بن سکی، مگر حفیظ تائب نے اس خلوص، اس لگن اور مستقل مزاجی سے نعت کا احیاء کیا کہ اب ہر طرف نعت ہی کے چرچے ہیں۔ بلکہ نعت کا دامن آزاد نظم تک وسیع ہو گیا۔ خورشیدِ نعت نئے افق پر اس انداز سے جلوہ گر ہوا کہ غزل کے ستارے ماند ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں یہ سب حفیظ تائب کا

Marfat.com

کارنامہ سمجھتا ہوں۔ گزشتہ پندرہ بیس برس میں نعت نے جو ترقّی کی جو دو ادبن شائع ہوئے، تالیفات ہوئیں، ان سب کا اگر میں حفیظ تائبؔ کو محرّک کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔

راقم الحروف نے ۳۰، ۳۵ برس غزل کہی، پھر نعت گوئی کی طرف رجوع کیا۔ میرا پہلا مجموعہ، ثنائے خواجہؐ جب شائع ہوا تو میں نے سب سے پہلا نسخہ جسے ارسال کیا وہ حفیظ تائبؔ تھے۔ اگرچہ اس وقت تک حفیظ تائبؔ سے بالمشافہ ملاقات نہ ہوئی تھی۔ مگر ان کے فن کے اعتراف میں، ان کو موجودہ دور میں نعت میں اوّلیت کا مقام حاصل ہونے کی وجہ سے میں نے نعتیہ مجموعہ کی ایک کاپی حفیظ تائبؔ کو ارسال کرنا اپنے لئے باعثِ شرف اور سعادت تصوّر کیا۔ یہ ان کی شاعرانہ عظمت، ان کی نعت گوئی، سرورِ کائناتؐ سے ان کی قلبی وابستگی اور کمالِ فن کا اعتراف تھا۔

جیسا کہ اُوپر تحریر کر چکا ہوں کہ حفیظ تائبؔ سے پہلی ملاقات رائٹرز گلڈ کے مشاعرے میں ہوئی تھی، مگر یہ پہلی ملاقات عمر بھر کی رفاقت، محبّت اور وابستگی کی اساس بن گئی۔ ان کی محبّت، خلوص، بے لوث تعلّقِ خاطر، خوشنودیٔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے میل جول میرے لئے آخرت کا سرمایہ ہے میرے لئے یہ بات باعثِ سعادت ہے کہ میرا تعلّق اور میری محبّت ایک ایسے شاعر سے ہے۔ جسے منصبِ مدحتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم عطا ہوا ہے۔

حفیظ تائبؔ ہر ایک سے اس طرح ملتے ہیں۔ جیسے سب ان کے بزرگ ہوں۔ اس ملاقات میں ان کا خلوص متشکّل ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ نہ تصنّع، نہ بناوٹ بلکہ نیازمندانہ انداز ان کی زندگی کا جزو ہے جس کو ان کی ذات سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا حفیظ تائبؔ کے مزاج میں نرمی، گفتگو میں ادب، اعمال میں اعتدال، ذات میں شرافت، میل جول میں اخلاص اور رُوح میں پاکیزگی کی دولت ودیعت کی گئی ہے۔ ان کے مشرب میں کسی کی دل آزاری منصبِ انسانیت کے منافی ہے حفیظ تائبؔ کی ہر وقت کوشش ہوتی ہے

Marfat.com

کر ان کے کسی دوست کو ان کی گفتگو، ان کے رویّے اور ان کے کسی عمل سے تکلیف نہ پہنچے۔ وہ احباب کے مزاج کی نزاکتوں کا بے حد خیال رکھتے ہیں اور کوئی ایسی بات نہیں کرتے، جو دل آزاری یا دل شکنی کا باعث ہو۔ بقول میر انیسؔ ؎

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مجھے معلوم ہے کہ انسانیّت کو نبھانے اور اس مسلک پر گامزن رہنے کے لئے ان کو بارہا تکالیف اٹھانا پڑیں۔ مگر وہ تمام تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اپنے مسلک پر گامزن ہیں۔ یہ انسانیت کا جوہر، یہ شرافت کا عنصر، یہ ایثار کا جذبہ، یہ خلوص کا اظہار ان کی ذات کا حصّہ ہے۔ جس کا پرتو ان کی شاعری میں جا بجا نظر آتا ہے۔

حفیظ تائبؔ کے مذکورہ بالا چند پہلوؤں کو بیان کرنا اس لیے ضروری تھا کہ اس سے ان کی شاعری کا پس منظر سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے، اور ان کے کلام کی خصوصیات کی کافی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے۔

ہر مسلمان اپنے دل میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دربارِ اقدس حاضری کی تڑپ رکھتا ہے، اور اس حاضری کو انسانی معراج سمجھتا ہے۔ کعبۃ اللہ اور حرمِ نبوی میں حاضری ہر مسلمان کا منتہائے مقصود ہے۔ اس حاضری کی حسرت، اس کی آرزو، اس کی تمناؤں میں سوز و گداز کی شمعیں روشن رکھتی ہے۔ نعت گو شاعر کے خیالات کا مرکز اور محور ہی ان جذبات کی عکاسی کرنا اور اس کی آرزو میں بے کل رہنا ہے۔ حفیظ تائبؔ کی شاعری میں ہمیں حضوری کی حسرت، محرومی کا احساس اور روضۂ اطہر پر حاضری کی آرزو کے نقوش ملتے ہیں ؎

در پہ پہنچے کس طرح وہ بے نوا بے بال و پر
اک نظر تائبؔ کے حالِ زار پر خیر البشرؐ

یوں دُور ہوں تائبؔ میں حریمِ نبویؐ سے
صحرا میں ہو جس طرح کوئی شاخِ بریدہ

باریابی کا مُصطفٰےؐ کے حضوُر
کچھ ذریعہ نہیں ادب کے سوا

حفیظ تائبؔ نے "آرزوئے حضوری" کے عنوان سے محرومی کے احساس، دوری کے کرب اور شہرِ تمنّا میں حاضری کی تڑپ کو جس موثّر انداز سے بیان کیا ہے۔ اس سے حفیظ تائبؔ کی جناب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے گہری وابستگی اور قلبی تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پہلے چند اشعار میں بیت اللہ شریف کی حاضری کا بیان ہے اور اور زیارتِ بیت اللہ کی آرزُو کا ذکر ہے۔

لوگ رخصت ہوئے جو حج کے لئے — جلے میری پلک پلک پہ دیئے
دل میں ہے داغ دردِ مہجُوری — وہ حرم سے نگاہ کی دوری
کس طرح آؤں تیرا گھر دیکھوں — کیسے طیبہ کے بام و در دیکھوں

نہ زر و سیم ہے، نہ جنسِ ہُنر
صرف شوقِ سفر ہے برگِ سفر

آگے چل کر حرمِ نبویؐ میں حاضری کا نقشہ اس انداز سے کھینچا ہے۔

میں بصد عجز و انکسار چلوں — جب سُوئے شہرِ شہریار چلوں
لے کے انوارِ گنبدِ خضریٰ — جگمگا لوں میں روح کی دُنیا
جالیوں سے لپٹ لپٹ جاؤں — عاجزی سے سمٹ سمٹ جاؤں

پڑھوں سردارِ انبیاؐ پہ سلام
پڑھوں اصحابِؓ باصفا پہ سلام

حفیظ تائبؔ نے ان اشعار میں کعبۃ اللہ اور حرمِ نبویؐ میں حاضری کے احساسات

Marfat.com

کی ترجمانی کی ہے۔ جس میں سچی لگن، پُر خلوص تڑپ اور بے سرو سامانی کا دلکش پیرائے میں اظہار کیا ہے۔

جذبہ اگر صادق ہو، لگن اگر سچی ہو تو انسان منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ شہرِ کرم کے دیکھنے کی حسرت، حاضری کی تڑپ، آستانِ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر حضوری کی تمنا، جس نے حفیظ تائبؔ کو برسوں تڑپایا۔ آخر شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئی اور حفیظ تائبؔ کو حجِ بیت اللہ اور دربارِ اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور "آرزوئے حضوری" کے آخری شعر کی تعبیر متشکل ہو کر سامنے آگئی۔

میرے مالک مرے سمیع و بصیر
دیکھوں اس خوابِ خوب کی تعبیر

اور حفیظ تائبؔ پر بارانِ کرم ہو گئی۔

ہو کرم تو نکل ہی آتی ہے
حاضری کے شرف کی بھی صورت

ان لمحات کا کون تصور کر سکتا ہے جب مدّاحِ محبوبِ ربّ العالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے اشعار کا نذرانہ بحضورِ ختمی مرتبت پیش کر رہا ہوگا۔ یہ قربِ حضورؐ کے لمحات، اُن کی زندگی کا حاصل، اُن کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز اور ان کی زندگی کے سوز و ساز کا ثمرہ ہے۔

حفیظ تائبؔ نے گنبدِ خضرا کے سائے میں سعادت اور شرف کی آخری منزل کو پالیا یہ انسانی شرف کی معراج، یہ بختِ رسا کی تابندہ نشانی تھی۔ فراق کے جاں سوز لمحے وصال کی لذت سے ہمکنار ہو گئے۔ قربِ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشبو نے ان کے مشامِ جاں کو معطر کر دیا۔ ان کی ترسی ہوئی نگاہوں کو ایسی روشنی عطا ہوئی، جس میں حرمِ نبویؐ کا نور شامل تھا۔ حضوری کا ایک ایک لمحہ ابدی ہو گیا۔ اس کیفیت سے سرشار ہو کر، اس کرم

Marfat.com

خاص سے فیضیاب ہو کر حفیظ تائبؔ نے گنبدِ خضرا کے سائے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے حضور یوں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

کرم ہے بے نہایت گنبدِ خضرا کے سائے میں
چمک اٹھی ہے قسمت گنبدِ خضرا کے سائے میں

ہے مظہر آیۂ لاترفعوا کا زائرِ حضرت
عقیدت کی ہے صورت گنبدِ خضرا کے سائے میں

مرے بیتاب جذبوں میں ہے صوت شادمانی کی
تڑپنے میں ہے راحت گنبدِ خضرا کے سائے میں

نظر کے سامنے ہیں گنبدِ خضرا کے نظارے
عجب ہے دل کی حالت گنبدِ خضرا کے سائے میں

رہا تائبؔ بہ لطفِ خاص سرکارِ دو عالمؐ کا
ہوئی توفیقِ مدحت گنبدِ خضرا کے سائے میں

میں نے محرومی اور حضوری کی کیفیات کو اس لئے بیان کیا ہے کہ نعت سچے جذبات کا عکس ہوتی ہے۔ اس میں صرف تخیّل کی پرواز ہی کام نہیں کرتی۔ اس میں جذبے کی صداقت اور دلی کیفیات کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ محرومی میں نعت کا انداز اور ہوتا ہے حضوری اور مشاہدے کے بعد نعت میں کیف و سرور، حضوری کی سرشاری کا ذکر اور لذّتِ بیان اور ہوتی ہے۔ حاضری کے بغیر جس کا اظہار ناممکن ہے۔ حفیظ تائبؔ نے حاضری کے بعد جو نعتیں کہی ہیں اُن میں وصال کی لذّت، قرب کی خوشبو، مشاہدے کا حسن اور حضوری کے لمحات کا سرور نظر آتا ہے۔ نعت کا آہنگ، لہجے اور اظہارِ بیان میں حضوری کا احساس، مواجہہ شریف پر آنسوؤں میں بھیگی ہوئی دعاؤں کے ذکر سے نعت میں ایک حسین اضافہ ہوا ہے۔

حفیظ تائبؔ کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نعت کہتے وقت انتخابِ الفاظ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ نعتیہ اشعار میں یہ احتیاط نہایت ضروری ہے۔ جذبے کی صداقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کے مزاج کو سمجھنا اور اُن کے برمحل استعمال کا سلیقہ نعت کے تقدّس کو دوبالا کرتا ہے۔ نعتیہ شاعری

Marfat.com

عام شاعری سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جب تک شاعر ادب کے قرینے، احترام و عقیدت کے مقامات اور نعت اور غزل کے فاصلوں سے کماحقہٗ آگاہ نہیں ہوتا۔ اسے نعت کہنے کا ڈھنگ، بارگاہِ رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم میں التجا کرنے کا انداز اور بحضور ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وسلّم گلہائے شگفتہ پیش کرنے کا اسلوب نہیں آسکتا۔

حفیظ تائبؔ کو خداوندِ کریم نے وجدانی طور پر ان خصوصیّات سے نوازا ہے یہ ان کی پاکیزگیٔ خیال، صفائیٔ باطن اور ادب اور احترام کی وجہ سے ہے — اُن کا نعت میں اپنا اسلوب، اپنا لہجہ اور اپنا رنگ اور آہنگ ہے، جو اُن کے اشعار سے پہچانا جاتا ہے۔ نعت گو کو جتنا محبوبِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے قلبی تعلّق ہوگا، اس کا رنگ، اس کا عکس اس کی نعت میں ضرور جلوہ گر ہوگا۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کشکول تھامے بارگاہِ نبویؐ سے نعت کی بھیک مانگ رہے ہیں اور رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کشکول کو اپنی محبّت اور معنوی کرم سے بھر دیتے ہیں جس کا ظہور نعت میں ہوتا ہے۔

نعتیہ بزم میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی شعر پر شرکائے بزم چونک اُٹھتے ہیں۔ شعر کی کیفیت دلوں کو تابندہ اور آنکھوں کو پُرنم کر دیتی ہے۔ حفیظ تائبؔ کے اکثر اشعار ایسی ہی کیفیّت کے حامل ہوتے ہیں۔ جن کو سنتے ہی سامع حفیظ تائبؔ کے خلوص، جذبے کی شدّت اور جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بے پناہ عقیدت کا معترف ہو جاتا ہے۔

نعت لکھتے وقت جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ الفاظ کا انتخاب اور ان کے صحیح اور برمحل استعمال کا شعور نہایت ضروری ہے۔ الفاظ اتنے دقیق اور نامانوس نہ ہوں کہ جذبے کی صداقت دب کر رہ جائے، نہ اتنے عام ہوں کہ نعت کی خصوصیّات کو متاثر کریں اور نعتیہ

Marfat.com

شاعری اور عام شاعری میں فرق ہی محسوس نہ ہو اور نعت کا تقدس برقرار نہ رہ سکے۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ کی نعتیہ شاعری اور دوسری شاعری میں واضح فرق ہے۔ الفاظ کا وہ طنطنہ، بیان کا وہ شکوہ، علمیت کی وہ شان، قادر الکلامی کا وہ انداز ان کی نعتیہ شاعری میں نظر نہیں آتا۔ نعتیہ شاعری میں علامہ مرحوم کا لہجہ یکدم التجائیہ ہو جاتا ہے۔ علمیت کا رنگ دعائیہ رنگ میں بدلتا نظر آتا ہے۔ یہ فقیرانہ انداز، یہ درویشانہ لہجہ ان کی عام شاعری سے یکسر مختلف ہے۔ اقبالؒ کی نظم "حضورِ رسالت مآبؐ میں" کا لہجہ اور الفاظ کا استعمال ملاحظہ فرمایئے۔

حضورؐ دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بُو وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — یہ چیز وہ ہے کہ جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری اُمّت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

علامہ اقبالؒ کی عام شاعری میں الفاظ کا جادو، علمیت کا رنگ، تراکیب کا حسن اور شکوہِ الفاظ قاری کو پہلے متاثر کرتے ہیں۔ مگر نعتیہ شاعری میں جذبہ قلب و ذہن پر پہلے اثر ڈالتا ہے، یہی نعتیہ شاعری کی خصوصیت ہونی چاہیئے۔ اس لئے عرفی نے اس بات کا اظہار کیا ہے۔

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
مدحِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

شہنشاہوں کے قصائد، بلند آہنگی سطوتِ الفاظ اور مبالغہ آرائی سے بھرے ہوئے ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح، صداقت کا سرچشمہ، سیرتِ مطہرہ کے پاکیزہ بیان اور عاجزانہ اسلوب کی حامل ہوتی ہے۔ دونوں کے لہجے، دونوں کے آہنگ

Marfat.com

ہیں فرق انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ نعت شاہ کا عقیدہ بن کر رہ جائے گی۔ حفیظ تائبؔ اس نازک فرق سے آگاہ ہیں، ان کے نعتیہ قصائد میں یہ فرق واضح طور پر نظر آتا ہے۔

اے مظہرِ لایزال آقاؐ سرتا بہ قدم نوال آقاؐ
وحشی ہے صرصرِ حوادث گرتا ہوں مجھے سنبھال آقاؐ
بے برگ ہوں، بے وقار ہوں میں بے ہمرو بے مثال آقاؐ
سینے کی جراحتوں کا تجھ بن ممکن نہیں اندمال آقاؐ
دریوزہ گرِ کرم رہا ہے فردا ہو کہ میرا حال آقاؐ
دیتا ہے سکوں دل و نظر کو ہر آن ترا خیال آقاؐ
اُمّت کو عروج پھر عطا ہو
غم سے ہے بہت نڈھال آقاؐ

حفیظ تائبؔ کا یہ التجائیہ لہجہ اور دُعائیہ رنگ اُن کو دوسرے شعراء سے ممیز کرتا ہے اس انداز اور اس التجائیہ رنگ کی جھلکیاں ان کی نعتوں میں ہمیں عام ملتی ہیں۔

دے تبسّم کی خیرات ماحول کو، ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ
ایک شیریں جھلک ایک نوریں ڈلک تلخ و تاریک ہے زندگی یا نبیؐ
زیست کے تپتے صحرا پہ شاہِ عربؐ تیرے اکرام کا ابر برسے کا کب
کب ہری ہوگی شاخِ تمنّا مری کب مٹے گی مری تشنگی یا نبیؐ

ان کی نعتیہ نظم "پھر اُٹھا ہاتھ بہرِ دُعا یا نبیؐ" میں وہی رنگ وہی دعائیہ اور التجائیہ انداز نظر آتا ہے۔

پھر اُٹھا ہاتھ بہرِ دُعا یا نبیؐ شاد ہو جائے خلقِ خدا یا نبیؐ
لوٹ آئے مرے دیکھتے دیکھتے
دَور عدل و مساوات کا یا نبیؐ

Marfat.com

حرمتِ خونِ انساں ہو سب پر عیاں
پھر چلے خیر کا سلسلہ یا نبیؐ

ان اشعار کا مسلسل آہنگ ہے۔ اسے ہم دعائیہ نظم بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ دعائیہ رنگ اس شعر پر ختم ہوتا ہے۔

یہ وطن جو بنا ہے ترےؐ نام پر
اس کے سر سے ٹلے ہر بلا یا نبیؐ

حفیظ تائبؔ نے سیرتِ مطہرہ کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شمائلِ مبارکہ کا ذکر حضورِ پاکؐ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا بیان رحمتِ عالمؐ کا بنی نوعِ انسان پر احسان کا تذکرہ ہمیں حفیظ تائبؔ کے نعتیہ اشعار میں ملتا ہے

یاد ہے بات مجھے حضرتِ صدیقہؓ کی — آپ کا خُلق ہی قرآن ہے سُبحان اللہ
اے سرورِ دیں نور ہے یکسر تری سیرت — اقدار کو کرتی ہے منور تری سیرت
شعر اس کے نہ کیوں ہوں نظر افروز دلآویز — تائبؔ کے خیالوں کا ہے محور تری سیرت

ہر رہ میں مرا ہاتھ لیے ہاتھ میں اپنے
چلتی ہے مرے ساتھ برابر تری سیرت

سر بسر حُسن، سر بسر تنویر
آپؐ کی سیرت، آپ کی صورت

نبیؐ کے ہر سخن میں ہے جھلک وحیِ الٰہی کی
حدیثِ مصطفےٰؐ پر مرحبا کہیے بجا کہیے

جانِ عدل و خیر ان کی سیرتِ عالم نواز — نفیٔ ظلم و جبر اثباتِ رسول ہاشمیؐ

جس کی رحمت نے مٹایا امتیازِ رنگ و بو
حبذا شانِ مساواتِ رسولِ ہاشمیؐ

Marfat.com

نبیؐ کی سیرتِ عالم نواز کا پرتو　　فروغِ حسنِ تمدّن، تجلّیٔ تہذیب
نظامِ دہر کہ فرسودہ و پریشاں تھا　　مرے حضورؐ نے بخشی اسے نئی زینت

مرے حضورؐ نے اسرارِ زیست سلجھائے
مرے حضورؐ نے چمکائے آگہی کے نصیب

اغیار سرفراز ہوئے بزمِ جہاں میں　　سیرت سے تری لے کے سبق ہادیٔ برحقؐ
ہم بھول کے پیغام ترا ہو گئے رسوا　　جینے نہیں دیتا یہ قلق ہادیٔ برحقؐ

دیتا ہے تری سیرتِ نوریں پہ گواہی
قرآن کا ایک ایک ورق ہادیٔ برحق

حفیظ تائب پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم کیا ہے کہ اردو اور پنجابی شاعری میں انہیں یکساں قدرتِ اظہار کی دولت سے نوازا ہے۔ اردو شاعری میں جو ان کا اسلوب، ان کا لہجہ ان کا انداز ہے۔ وہی پنجابی شاعری میں نظر آتا ہے۔ دونوں مختلف مزاج زبانوں میں ایک ہی انداز میں شعر کہنا واقعی قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ پنجابی کی نعتیہ شاعری میں نہ جذبے کی شدّت کم ہوئی نہ اظہارِ خیال میں فرق آیا۔ وہی دردمندی، وہی کسک، وہی ہلکی ہلکی آنچ، وہی الفاظ کی نرمی، وہی آہنگ، وہی زبان میں اعتدال، وہی الفاظ کے انتخاب میں احتیاط اور ان کا صحیح استعمال ہم کو ان کی پنجابی شاعری میں نظر آتا ہے۔

کملی والیا! نظر کرم دی اج ہر نِکھا بندہ
بے قدری دیاں پاپیاں دے وچ ٹھڈ دھکڑ دیا کردا

کتھے اوہدی صفت ثنا تے کتھے میرے اکھر
پر جد اوہدی واج پوے تے بولن لگ پیندے اکھر

پیار نبیؐ دے پر لائے نیں شعراں نوں
بخشی نویں حیاتی میریاں سوچاں نوں

دیکھئے کدوں جواب آؤندا اے اوہناں دا اُس دیسوں
رُقعے جیہڑے لِکھ لِکھ ٹورے نیں میں پاکستانوں

پانی لا لا پھاوے ہوئے روح دے دُکھ نہ ساوے ہوئے
شتر اسوار نہ پائی جھاتی سُنجے سوچ کچاوے ہوئے
رنگاں والے شہر نہ اپڑے
رنگو رنگ پچھتاوے ہوئے

حفیظ تائب کے ریشے ریشے میں نعت گوئی گردش کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے سوچ کا دھارا، خیال کی سمت، جذبات کا رُخ ہمیشہ نعت ہی کی طرف رہتا ہے۔ ان تمام خصوصیات نے حفیظ تائب کے کلام کو جلا بخشی، ان کے اظہار خیال کو نکھارا۔ اور ان کو اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے منفرد نعت گوئی کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

حفیظ تائب کی نعت گوئی نے موجودہ دور کے اہلِ قلم، ممتاز دانشوروں اور ادیبوں سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ ہر تبصرہ نگار نے ان کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے انہیں ایک منفرد، ممتاز، صاحبِ طرز نعت گو قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری کو کسی تائیدِ مزید کی ضرورت نہیں۔ حفیظ تائب تحسین و ستائش کے مراحل سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اس کی شاعری کا بارگاہِ نبوی میں قبولیت کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ نعت گوئی کے انعام میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حرمین شریفین کی حاضری اور زیارت سے مشرف فرمایا۔

حفیظ تائب جب بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہو کر اور دربارِ نبوی کی حاضری سے دامنِ دل کو گلہائے تازہ سے بھر کر واپس ہوئے تو راقم الحروف نے ایک شب ان کی قیام گاہ پر اس نیت سے قیام کیا کہ ان سے شہرِ رحمت و برکت کی باتیں سُنے۔ حفیظ تائب نے ایک ایسا واقعہ بیان کیا جس کا سرور مجھے دنوں رہا۔

Marfat.com

حفیظ تائب نے دربانِ حرم نبویؐ سے دریافت کیا کہ اس کو قدمین شریفین میں کتنی مدّت ہو گئی ہے ——— اس بزرگ نے فرمایا۔ بھائی مدّت کی بات نہیں ادب کا تو ایک لمحہ ہی کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ادب کا وہ ایک لمحہ جو صدیوں سے معزّز اور محترم ہے۔ حفیظ تائب کو میسّر آگیا ہے۔ یہ ان کی خوش بختی کی دلیل ہے۔

سخت مشکل ہے مگر لطفِ نظر ہونے تک
ایک پل چاہیئے قطرے کو گہر ہونے تک

حافظ لدھیانوی

Marfat.com

عمدہ اور اعلیٰ لانڈری و ٹرانسپیرنٹ صابون بنانیوالا

واحد ادارہ

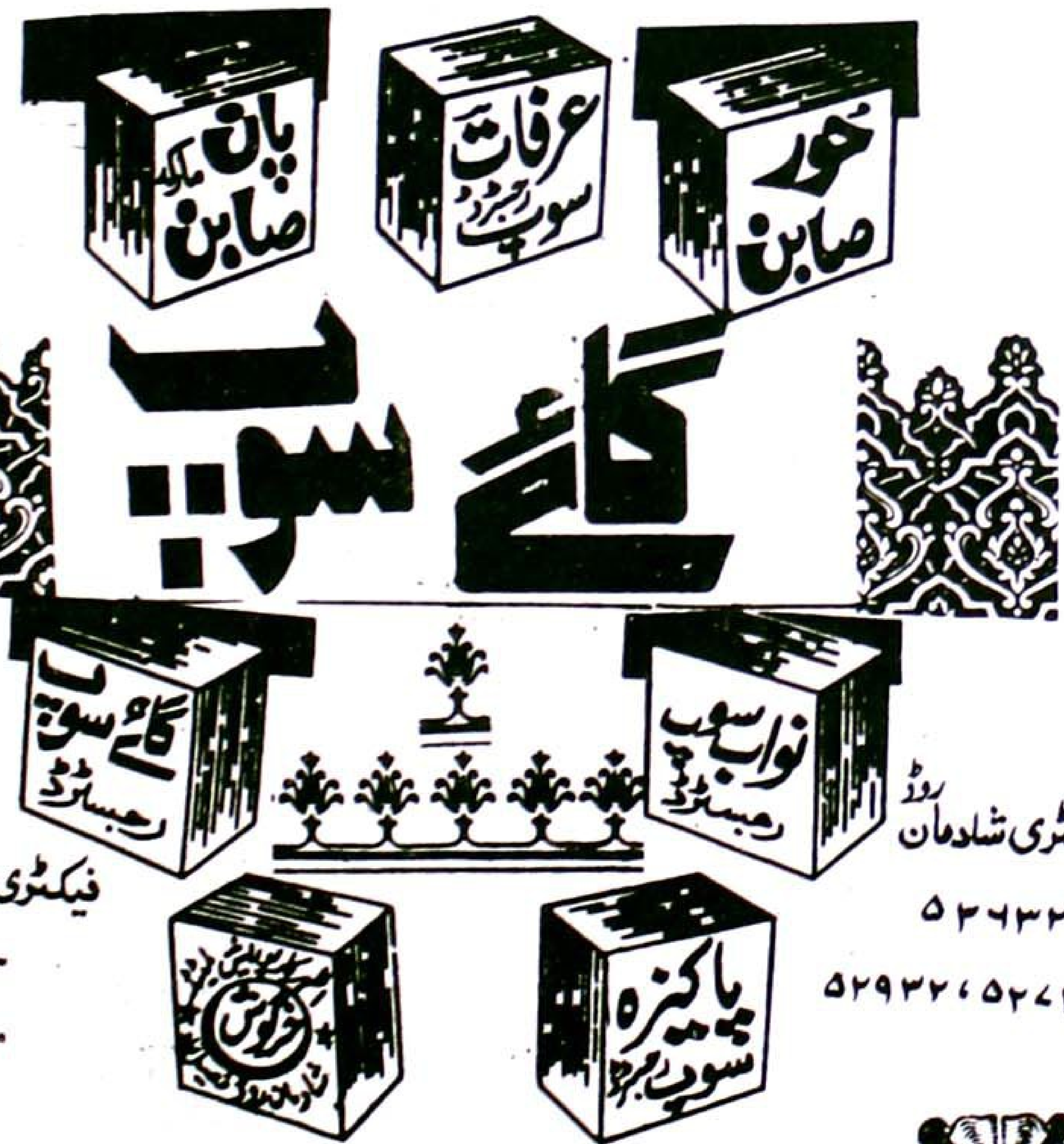

فیکٹری سرگودھا روڈ
۵۲۰۰۰
۵۲۱۰۰

فیکٹری شادمان روڈ
۵۲۶۳۲
۵۲۹۳۲، ۵۲۷۳۲

ہیڈ آفس : ۲۷۱۳۲
۳۳۲۷۱، ۲۷۸۳۲
تار کا پتہ پاکیزہ

اظہر کارپوریشن لمیٹڈ گول صابن والا فیصل آباد

Marfat.com

ذخیرہ
جلیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی • لاہور پاکستان

Marfat.com

مُصنّف کی
دیگر تصانیف

○ ذوالجلال والاکرام	حمدیہ دیوان
● ثنائے خواجہؐ	مجموعۂ نعت
○ نشیدِ حضوری	〃 〃
● کیفِ مسلسل	〃 〃
○ نعتیہ قطعات	
● جمالِ حرمین	سفرنامۂ حجاز
○ منزلِ سعادت	〃 〃
	مجموعۂ غزل
	شعرائے کے شخصی خاکے
	،کے شخصی خاکے

ل آباد

Marfat.com

حمد و نعت کے علاوہ حافظ لدھیانوی نثر کے میدان میں بھی پوری شان سے رواں دواں ہیں۔ اس سے پہلے "جمالِ حرمین" "منزل سعادت" اور "متاعِ گم گشتہ" کے ناموں سے ان کی تین نثری کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ان کے سفرِ حجاز کی کیفیّات اور بعض معروف مرحوم شعرائ کے بارے میں ان کے مشاہدات و جذبات کا بیان ہے۔ "متاعِ بے بہا" ان بزرگ شخصیّات کے خاکوں پر مشتمل ہے جنھیں انھوں نے انتہائی عقیدت سے "پاکانِ بارگاہِ الٰہی" میں شامل فرمایا ہے۔ (اور ہمارے لیے مسرّت و اطمینان کا پہلو یہ بھی ہے کہ ان پاکانِ بارگاہِ الٰہی میں ہمارے اور آپ کے محترم مرزا محمّد منوّر صاحب اور حفیظ تائب صاحب بھی شامل ہیں۔) خود حافظ صاحب نے ان شخصی خاکوں کو اپنی نیاز مندانہ تحریر قرار دیا ہے اور نیاز مندی میں ایک طرح کی سپردگی ہوتی ہے چنانچہ "متاعِ بے بہا" کی دس شخصیّات جن میں علمائے کرام، بزرگانِ عظام، مقرّبانِ بارگاہِ الٰہی اور اہلِ علم و فضل حضرات کے بارے میں مصنّف کے تاثّرات جمع ہیں، مصنّف کے محبوب کا درجہ حاصل کر جاتی ہیں۔ یہ تاثّرات اس لحاظ سے بھی وقیع ہیں کہ ان کا مصنّف اس دور کا ایک اہم نعت نگار اور غزل گو بھی ہے، ساتھ ہی حافظ صاحب نے خود بھی تصوّف و معرفت کی کئی منزلیں طے کر لی ہیں اس لیے جب وہ اپنے ممدوحین کے تقویٰ، بے نفسی اور خلقِ خدا سے ان کی محبّت کا ذکر کرتے ہیں تو قاری کے آس پاس کا ماحول بھی منوّر ہونے لگتا ہے۔ امید کرنی چاہیے کہ وہ اس طرح کے شخصی خاکوں کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رکھیں گے۔

——— احمد ندیم قاسمی

Marfat.com

حمد و نعت کے علاوہ حافظ لدھیانوی نثر کے میدان میں بھی پوری شان سے رواں دواں ہیں۔ اس سے پہلے "جمالِ حرمین" "منزلِ سعادت" اور "متاعِ گم گشتہ" کے ناموں سے ان کی تین نثری کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ان کے سفرِ حجاز کی کیفیات اور بعض معروف مرحوم شعرائے کے بارے میں ان کے مشاہدات و جذبات کا بیان ہے۔ "متاعِ بے بہا" ان بزرگ شخصیات کے خاکوں پر مشتمل ہے جنھیں انھوں نے انتہائی عقیدت سے "پاکانِ بارگاہِ الٰہی" میں شامل فرمایا ہے۔ (اور ہمارے لیے مسرت و اطمینان کا پہلو یہ بھی ہے کہ ان پاکانِ بارگاہِ الٰہی میں ہمارے اور آپ کے محترم مرزا محمد منور صاحب اور حفیظ تائب صاحب بھی شامل ہیں۔) خود حافظ صاحب نے ان شخصی خاکوں کو اپنی نیازمندانہ تحریر قرار دیا ہے اور نیازمندی میں ایک طرح کی سپردگی ہوتی ہے چنانچہ "متاعِ بے بہا" کی دس شخصیات جن میں علمائے کرام، بزرگانِ عظام، مقربانِ بارگاہِ الٰہی اور اہلِ علم و فضل حضرات کے بارے میں مصنف کے تاثرات جمع ہیں، مصنف کے محبوب کا درجہ حاصل کر جاتی ہیں۔ یہ تاثرات اس لحاظ سے بھی وقیع ہیں کہ ان کا مصنف اس دور کا ایک اہم نعت نگار اور غزل گو بھی ہے، ساتھ ہی حافظ صاحب نے خود بھی تصوف و معرفت کی کئی منزلیں طے کر لی ہیں اس لیے جب وہ اپنے ممدوحین کے تقویٰ، بے نفسی اور خلقِ خدا سے ان کی محبت کا ذکر کرتے ہیں تو قاری کے آس پاس کا ماحول بھی منور ہونے لگتا ہے۔ امید کرنی چاہیے کہ وہ اس طرح کے شخصی خاکوں کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رکھیں گے۔

—— احمد ندیم قاسمی

Marfat.com